سلفیت کا تعارف

اور اس کے متعلق بعض شبہات کا ازالہ



رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری

دار الخلد

سلفیت کا تعارف

اور اس کے متعلق بعض شبہات کا ازالہ

جامعہ بیت العتیق (رجسٹرڈ)

کتاب نمبر ______

رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری

دار الخلد

طبع

۱٤٣٠ھ ـــــــ ٢٠٠٩ء

دار الخلد

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

''سلفیت کا تعارف'' نامی کتاب محترم قارئین کے سامنے ہے، جن امور و مسائل کو اس میں منقح کیا گیا ہے وہ اہم ہیں، اسی لئے اکثر زیر بحث آتے رہتے ہیں، فاضل مصنف کی یہ خوبی ہے کہ انہوں نے جوابی تحریر میں علم و تحقیق کی شان برقرار رکھی ہے، ورنہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جوابی تحریروں میں انسان دل آزاری پر اتر آتا ہے، خود جن زمزمی (☆) صاحب کے جواب میں یہ کتاب تیار کی گئی ہے انہی کی تحریروں پر غور فرمایئے تو اندازہ ہوگا کہ علم و تحقیق سے انہیں کوئی واسطہ نہیں، ناقص انداز اور سطحی اسلوب میں بات کرتے ہیں، اور وزن کی کمی کو تجریحی انداز بیان نیز الزام تراشیوں سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ایسے مقلد انسان کے مقابلہ میں فاضل مبارکپوری صاحب نے جو علمی انداز اور تحقیقی اسلوب اختیار کیا ہے اس سے ان کا مخاطب تو نہیں البتہ دوسرے قارئین مستفید ہوں گے، سچ پوچھئے تو غازی پوری کے جواب میں جو کچھ لکھا گیا اس کے بعد انہیں چپ ہو جانا چاہئے تھا، لیکن آقاؤں کی رعایت میں وہ اب تک جاری رکھے ہوئے ہیں۔

● آئندہ سطور میں ''سلفیت کا تعارف'' نامی کتاب سے متعلق کچھ تاثرات درج ہیں، کتاب کا حق اس سے زیادہ ہے، لیکن فی الحال یہی میسر ہے۔

جدید دور میں دنیا کے مختلف حصوں میں سلفی منہج کو فروغ حاصل ہوا ہے، اس صورت حال سے اہل باطل ناراض ہیں، اور اس بات کے لئے کوشاں ہیں کہ سلفیت کی اصطلاح میں شک وشبہ پیدا کریں تا کہ جماعت اہلحدیث پر اس کا اطلاق نہ ہو سکے، مبارکپوری صاحب نے بالغ نظری کے ساتھ اس موضوع پر بحث کی ہے، اور مستند مآخذ کی

(☆) اس تحریر میں ''زمزمی'' سے ہماری مراد مولوی ابوبکر غازی پوری ہیں، مذکورہ نسبت زمزم کی طرف ہے، اسی نام کا پرچہ موصوف نکالتے ہیں، اور اپنی زہر افشانی سے دنیا کو سیراب کرتے ہیں، ان کے حقیقی نام کے مقابلہ میں مذکورہ نسبتی نام بہتر معلوم ہوتا ہے، پھر سنائی کا منصب بھی ایک اہمیت رکھتا ہے۔

روشنی میں سلفیت کا یہ مفہوم متعین کیا ہے کہ پہلی تین صدیوں کے لوگ اس سے مراد لئے جاتے ہیں جو ہم سے پہلے گزر گئے ہیں، اور نبوت کے اس صحیح منہاج پر قائم تھے جس کو اللہ رب العزت سے حاصل کر کے رسول اکرم ﷺ نے لوگوں تک پہنچایا تھا۔

سلفیت کے مفہوم کی توضیح کے بعد مصنف نے اس کی ابتدا پر بھی بحث کی ہے، اور "قدیم وجدید" کی الجھن کو دور کیا ہے، مستند حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ یہ اصطلاح کب سے مروج ہے، اور اس سے کون لوگ مراد ہیں۔

پچھلی دو تین دہائیوں کے مسلکی اختلافات سے متعلق لٹریچر آپ دیکھیں گے تو اندازہ ہوگا کہ احناف اپنی تاریخ کے خلا کو اہلحدیث کے خلاف الزام تراشی سے پُر کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ کچھ دنوں سے انہوں نے اپنے بریلوی بھائیوں کی اقتدا میں جماعت اہلحدیث پر انگریز دوستی کا الزام عائد کرنا شروع کر دیا ہے، فاضل مصنف نے اس مسئلہ کو معقول دلائل کی روشنی میں منقح کیا ہے، خود علماء احناف کی تحریروں سے ایسے شواہد پیش کئے ہیں جن سے اہلحدیث کی انگریز دشمنی عیاں ہوتی ہے۔ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں جو بات سب سے واضح اور متفق علیہ تھی افسوس اب اسی کو محل نظر بنانے کی کوشش کی جارہی ہے!

اہل تقلید کی تلبیسات میں سے ایک تلبیس یہ ہے کہ سلفیت وغیرہ ناموں سے افتراق کی بو آتی ہے، مصنف نے "هي السلفية" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ: "شافعیت وحنفیت کی نسبت اختیار کرنے میں اختلاف وافتراق کی بو کیونکر نہیں آتی، صرف سلفیت کے استعمال میں ہی اختلاف کی بو کیوں آتی ہے؟ حالانکہ سلفیت جملہ ائمہ کرام اور ان کے مذاہب کو شامل ہے"۔

سلفیت کے ایک لقب میں جو لوگ افتراق کی بو سونگھنے کی کوشش کر رہے ہیں انہیں یہ سوچنا چاہئے کہ ایک مقلد تقلید مذاہب کے پہلو بہ پہلو سلاسل تصوف کی کئی کئی نسبتیں اپنے ساتھ رکھتا ہے تو کیا اس سے افتراق کی بو نہیں آتی!

مسلمانوں کی دینی تاریخ پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ تقلید کا مرض جب سے

امت میں رونما ہوا اس کی خرابیوں میں اضافہ ہوتا گیا، ان خرابیوں میں بعض ایسی ہیں جن کو زبان پر لاتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے، البدایۃ والنہایۃ میں مذکور ہے کہ مختلف مذاہب کے مقلدین کے مابین جدال وقتال کی نوبت آجایا کرتی تھی، تقلید کی برکتیں گنانے والوں کو اس طرح کے واقعات پر غور کرنا چاہئے۔ تقلید کی اس فتنہ سامانی کا مقلدین کو احساس ہے، اسی لئے وہ دھوکہ دیتے ہوئے جماعت اہلحدیث پر فتنہ پردازی کا الزام عائد کرتے ہیں۔ مصنف نے کتاب کے چھٹے مبحث میں متعدد دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ کس طرح تقلید سے مختلف فتنے پیدا ہوئے، اور آج بھی پیدا ہو رہے ہیں، اس ضمن میں مصنف نے حنفیہ کے قبیح نوعیت کے مبالغوں کا ذکر کیا ہے، اس سے اصل میں علامہ حالی کی یاد آجاتی ہے:

اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں

قرآن کریم میں بڑی وضاحت کے ساتھ تقلید کی مذمت وارد ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ تقلید سے انسان کی ذہنی وفکری صلاحیتیں معطل ہو جاتی ہیں، اس کے اندر جمود وعصبیت کی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، قبولیت حق کے لئے آمادگی باقی نہیں رہتی، شخصیت پرستی کا ایسا مرض لاحق ہو جاتا ہے جس سے نجات ممکن نہیں ہوتی۔ ان خرابیوں کا مرقع دیکھنا ہو تو ان تحریروں کو دیکھئے جن کا جواب زیر نظر کتاب میں دیا گیا ہے، مذکورہ خواص کی تصدیق پر آپ مجبور ہوں گے۔

تقلید کے مفاسد میں سے ایک بڑا مفسدہ یہ ہے کہ عصبیت کے دباؤ میں انسان حالات کا صحیح اندازہ نہیں کر پاتا، واضح حقیقتیں اور کھلے ہوئے معاملات اس کی سمجھ سے باہر ہو جاتے ہیں اور وہ ایسے امور میں الجھ جاتا ہے جن کا فائدہ خود اسے بھی معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی واضح مثال موجودہ دور کے بعض مقلد اہل قلم ہیں جن کی تحریراں تمام مفاسد کی آئینہ دار ہے جو تقلید سے پیدا ہوتے ہیں۔

اس ملک میں آزادی کے بعد ہی سے مسلم اقلیت طرح طرح کے ظلم وستم کا نشانہ بنی ہوئی ہے، ملک میں مقلد فرقہ کو اپنی اکثریت کا زعم ہے، لیکن مسلمانوں کے تحفظ کے لئے

اس نے کوئی معمولی اقدام بھی نہیں کیا، مزید ستم یہ کہ اس وقت جبکہ ملک کا اکثریتی طبقہ مسلمانوں کو طرح طرح کے نقصانات اور آزمائش میں مبتلا کر رہا ہے یہ مقلد فرقہ اپنے مسلک کے مزعومہ تحفظ کے لئے جماعت اہلحدیث کے خلاف خم ٹھونک کر میدان میں اترا ہے! تقلید کے مرض سے عقل ماؤف نہ ہوگئی ہوتی تو موجودہ وقت میں مسلکی اختلافات کو ہوا نہ دی جاتی۔

● تاریخ وتراجم کی کتابوں میں متاخرین فقہاء کے یہاں مناظرہ کی گرم بازاری اور اس کے نتیجہ میں رونما ہونے والے خونریز تصادم کا ذکر آیا ہے، اس مناظرہ بازی کی شدت کا اندازہ اس بات سے کیجئے کہ علماء رمضان شریف کے فرض روزہ تک کو چھوڑنے کا فتوی صادر کر دیا کرتے تھے تاکہ مناظرہ کرنے والے پوری قوت وسرگرمی کے ساتھ اپنے مخالف کو زیر کر سکیں۔ زمزمی صاحب جس فقہ پر بے انتہا فخر کرتے ہیں اس کا علم رکھنے والوں کے کردار کا یہ ایک ادنی نمونہ ہے، اس پر مبارکپوری صاحب کا یہ تاثر ملاحظہ فرمائیے:

"قارئین کرام نے ملاحظہ کیا کہ جس تقلید کو دین کی حفاظت وبقاء اور امت کی صفوں میں اتحاد ویگانگت پیدا کرنے کے لئے ضروری قرار دیا جاتا ہے، اور اس پر ہر دور کے علماء کا اجماع نقل کیا جاتا ہے، اس تقلید نے حفاظت وبقاء تو درکنار دین کا تیا پانچا کر کے رکھ دیا ہے۔ اتفاق واتحاد کجا امت کو مختلف ٹکڑیوں میں اس طرح تقسیم کر کے رکھ دیا کہ ہر گروہ دوسرے گروہ کے خلاف برسر پیکار نظر آتا ہے، ہر ایک کا دل دوسرے کے خلاف بغض وحسد اور نفرت وعداوت سے لبریز معلوم ہوتا ہے۔ اس کے واضح اثرات مذہب کی مختلف کتابوں میں محسوس کئے جاتے ہیں"۔

اصفہان کے تذکرہ میں یاقوت الحموی متوفی ۶۲۶ھ نے اپنے جس کرب کا اظہار کیا ہے اس کو مبارکپوری صاحب نے یوں نقل کیا ہے:

"شوافع اور احناف کے مابین کثرت فتن، مسلکی تعصب اور مسلسل خونی تصادم کے باعث اس شہر کے مختلف علاقوں میں ویرانی چھائی ہوئی ہے، (حالت یہ ہے کہ) جب

بھی کوئی گروہ غالب آتا ہے دوسرے گروہ کے محلوں میں بغیر کسی رورعایت کے لوٹ مار مچاتا، آتش زنی اور تباہی پھیلاتا ہے، یہی حالت قصبوں اور دیہاتوں کی بھی ہے"۔

● انسانی طبیعت کچھ یوں واقع ہوئی ہے کہ دوسرے کے محاسن کو معایب اور اپنے عیوب کو ہنر کی شکل میں دیکھتی ہے، تقلید سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں انہیں عدم تقلید کی طرف منسوب کر کے عوام کو دھوکہ دیا جاتا ہے، فاضل مصنف نے اچھا کیا ہے کہ تقلید کی متعدد خرابیوں کو وضاحت کے ساتھ مع حوالہ پیش کر دیا ہے، مثلاً کتاب وسنت پر اپنے علماء کی آراء کی ترجیح، اس کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں، پھر لکھا ہے کہ حنفیہ ایک ہی حدیث کے ساتھ دو طرح کا موقف اپناتے ہیں، چنانچہ حدیث مسئ الصلاۃ کے ایک حصہ " فاقرأ ما تیسر معك من القرآن " سے استدلال کرتے ہیں، اور تعدیل ارکان کا جو حکم اسی حدیث میں ہے اسے چھوڑ دیتے ہیں! مذہب کے معاملہ میں بیجا تعصب حدیث رسول کے ساتھ اس زیادتی کا سبب ہے۔

● تقلید کی فتنہ سامانیوں میں ایک فتنہ فرضی مسائل کا بھی ہے، مصنف نے اس سلسلہ میں واضح کیا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام فرضی مسائل کو ناپسند کرتے تھے، علامہ ابن عبدالبر کے حوالہ سے جمہور کا قول نقل کیا ہے کہ: اس طرح (فرضی مسائل) کے امور سے شغل رکھنا درحقیقت سنتوں کو معطل کرنا، احادیث سے جہالت اور لاعلمی برتنے پر اکسانا اور اس کی ترغیب دلانا ہے۔ آپ ان خرابیوں پر نظر ڈالئے جو امت میں تقلید کے رواج کے بعد سے رونما ہوئی ہیں تو صاف نظر آئے گا کہ دین سے دوری، شرک میں آلودگی، اتباع سنت سے گریز، نت نئی بدعتوں سے محبت، شخصیت پرستی کا زور، گروہی تعصب کا شباب وغیرہ امراض میں یہ امت اسی تقلید کے سبب مبتلا ہوئی ہے، اور اب اس کے اندر ایک طرح کا تصلب پیدا ہو گیا ہے، اس لئے وہ اس مسئلہ پر مثبت طور پر سوچنے کے لئے بھی آمادہ نظر نہیں آتی!

● زمزمی اینڈ پارٹی نے حدیث رسول ﷺ کی مخالفت کے لئے جن خود ساختہ

اصولوں کا سہارا لیا ہے ان کی بنا پر فاضل مصنف نے ان سے چند باوزن سوال کئے ہیں، غیرتمند انسان ان کے جواب سے پہلے غور کرے گا کہ وہ کون سی فقہ ہے جس میں حدیث رسول ﷺ کے خلاف ایسی جرأت موجود ہے! مصنف کا سوال یہ ہے:

"تو کیا فقیہان سید واڑہ اپنے اندر اس کی جرأت پاتے ہیں کہ مذکورہ اصولی ضابطہ کی روشنی میں کسی عورت اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ سے ایک ساتھ شادی کرنے کی اجازت دے دیں گے؟

آگے لکھتے ہیں: "اگر یہ قاعدہ یہاں ٹوٹ سکتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ سورہ فاتحہ کو لازم قرار دینے میں نہیں ٹوٹ سکتا"؟

دوسرا سوال یوں ہے: "یہاں بھی ہم بصد احترام فقیہان سید واڑہ سے پوچھنا چاہیں گے کہ کیا چیل و گدھ جیسے پرندے اور کتے و بھیڑیے جیسے جانوروں کو اپنے دسترخوان کی زینت بنا کر مذکورہ خود ساختہ اصولی ضابطہ کو برقرار رکھ سکتے ہیں؟"

"سلفیت کا تعارف" سے ہم قارئین کے سامنے ذیل کا سوال بھی رکھنا چاہتے ہیں تا کہ انہیں یقین ہو سکے کہ زمزمی صاحب نے "دفاع حنفیت" کے نام پر جو کاروبار پھیلایا ہے اس کی بنیاد تہمت تراشی اور مصلحت کوشی پر ہے: "یہاں (مسئلہ استحقاق امامت میں) بصد احترام سید واڑہ (تیلی واڑہ) کی شورائی مجلس کے رئیس اعظم تفقہ مآب مولوی ابو بکر غازی پوری صاحب سے ہم پوچھنا چاہیں گے کہ آپ بعض مسائل میں علماء اہلحدیث کی مختلف تحقیقات یا ان کے نقطۂ نظر کے اختلاف کو تضاد بیانی پر محمول کرتے ہوئے اور الفاظ کے ساتھ شعبدہ بازی دکھلاتے ہوئے محو حیرت و تعجب ہو جاتے ہیں، اور فن کاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے علمائے اہلحدیث پر آنسو بہاتے ہیں! لیکن آپ کو اپنے رمز شناس، دقیقہ سنج اور غضب کے ژرف نگاہ فقہاء کرام کے اس ایک مسئلہ (استحقاق امامت) میں اتنے متضاد اقوال اور غیر معمولی اختلاف پر ذرا بھی تعجب یا حیرت نہیں ہوتی، اور ان میں تضاد بیانی نظر نہیں آتی، جبکہ تقلید کے ذریعہ آپ امت کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کا دعوی بھی کرتے ہیں"!

● زمزمی صاحب کی تمام تحریروں اور مخالفانہ ومعاندانہ کد وکاوش کا سہارا کذب بیانی وافترا پردازی پر ہے۔ وہ اصل میں میدان خالی سمجھ کر جماعت اہلحدیث کے خلاف لکھنے کے لئے آمادہ ہوئے تھے، انہیں اپنی چیل تنی کا بہت زیادہ احساس تھا، سادہ لوحوں میں یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی تھی کہ میدان میں ان کے سامنے کوئی ٹک نہیں سکتا۔ اپنے بزرگوں کی گھسی پٹی باتوں کو پیش کر کے عوام سے داد حاصل کر رہے تھے۔ علماء اہلحدیث نے جب تک ان کی ہفوات پر خاموشی اختیار کر رکھی تھی غازی پور سے مئو، بنارس اور اعظم گڈھ تک اپنی علمی برتری کے ترانے دہراتے رہتے تھے لیکن جب علماء اہلحدیث نے ان کا تعاقب شروع کیا تو ''زعم ہمہ دانی'' کی حقیقت کھل گئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ کذب بیانی، تہمت تراشی، رکیک تاویلات اور عبارتوں میں کتر بیونت کا سلسلہ شروع کر دیا، مسخروں کی روش پر چلے گئے، بھونڈے جملے اور نامناسب طنز کا سہارا لینے لگے حتی کہ بات کو ماں بہن تک پہنچا دیا۔ آپ اسی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ زمزمی صاحب کا مقصود بحث وتنقیح ہے یا اپنے مفادات کا تحفظ؟ محترم مبارکپوری صاحب کی یہ تحریر ہماری تصدیق کے لئے کافی ہے:

'' موصوف (زمزمی صاحب) اپنی ایک پوتھی میں رقمطراز ہیں: ''غیر مقلدین کے یہاں ایک مد (تقریباً ۱۸ لیٹر) شراب کا شوربہ پاک ہے'' اور نواب وحید الزماں کی کتاب سے اس کی دلیل پیش کی ہے، اور دلیل میں جو عبارت نقل کی ہے یا تو اس میں اپنی جہالت مرکبہ کا ثبوت فراہم کیا ہے، یا پھر دنیا کے تمام کذابین ودجالین کو منہ چڑھاتے اور انگوٹھا دکھاتے ہوئے ایسی کذب بیانی کی ہے کہ شاید آج تک کسی کذاب نے اتنا بڑا جھوٹ اپنے منہ یا قلم سے نکالنے کی جرأت نہ کی ہوگی۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اشاعۃ السنہ دہلی ش ۶ ج ۲ ص ۶۸ (ایڈیٹر کی ڈاک)۔

فاضل مبارکپوری صاحب کا یہ سوال بھی زمزمی صاحب کا نشہ اتارنے کے لئے کافی ہے: ''ان سے ہم پوچھنا چاہیں گے کہ آپ نے میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کو

اپنے غیبی تصرفات کی وجہ سے محض اس بنا پر انگریزوں کا پٹھو اور ان کا ہم نوا ثابت کر دیا کہ انہوں نے ایسے ولایتی برتنوں کی خرید وفروخت کو جائز کہہ دیا تھا جن پر تصویریں بنی ہوں۔ آپ اپنے ان اکابرین کو کیا کہیں گے جنہوں نے نماز میں توریت وانجیل کی تلاوت کو جائز قرار دیتے ہوئے فارسی زبان میں مکمل نماز واذان کی اجازت مرحمت فرمائی ہے؟''

● مسائل کی چھان بین اور اپنے نیز اپنے امام کے موقف کی تائید وحمایت کی توجیہ ممکن ہے، عام طور پر لوگ ایسا ہی کرتے ہیں، لیکن غازی پور کے زمزمی صاحب اس مسئلہ میں بھی بے حیائی کا رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں ، اور دوسروں کی عبارتوں میں قطع وبرید کر کے اپنا مدعا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں ، اور جب اس طرح بھی مدعا ثابت نہیں ہو پاتا تو اپنی خفت مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔

فاضل مبارکپوری نے ان کا اچھا تعاقب کیا ہے حتی کہ چار سو صفحات پر مشتمل اپنی کتاب کو موصوف نے زمزمی کی خیانت کے ثبوت ہی پر ختم کیا ہے۔ نابالغ لڑکے کو امام بنانے سے متعلق مسئلہ کو فتاوی نذیریہ سے نقل کرنے میں (مولانا امانت دار زمزمی) نے جو خیانت کی ہے اسے فاضل مبارکپوری نمبروار بیان کرتے ہیں:

''اول۔ انہوں نے اصل مجیب مولانا محمد یاسین عظیم آبادی کی مکمل عبارت حذف کر دی جس میں اس بات کی وضاحت تھی کہ ہوشیار اور قرآن پڑھے ہوئے لڑکے کی امامت صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

دوم: ابوداود کے حوالہ سے ذکر کی گئی حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی مکمل حدیث حذف کر دی۔

سوم: مولانا ابومحمد عبدالوہاب پنجابی کے تعاقبی نوٹ سے جو عبارت لی گئی ہے اس کا شروع حصہ ''جواب ہر دو مسئلہ کا بہت صحیح ہے اور خلاف اس کا قبیح اور غیر قابل اعتبار۔'' درمیان سے ''صحابی صغیر'' اور اخیر سے ''اور قرآن شریف خوب جانتے تھے، کذا فی البخاری وغیرہ من کتب الحدیث'' کو حذف کر دیا۔

ان تمام تصرفات کو اس لئے روا رکھا گیا کہ عوام کی آنکھوں میں بآسانی دھول جھونک کر من مانے طریقے سے گفتگو کی جاسکے۔ اس لئے کہ جو صحابی سات برس کا ہو، اور قرآن شریف خوب جانتا ہو اس کی صراحت کرتے ہوئے اگر غازیپوری من مانے طریقے سے لب کشائی کرتے تو شاید خود ان کی عوام بھی اسے برداشت نہ کرتی"۔

● زمزمی اینڈ پارٹی کی تحریروں کے جو جوابات پچھلے برسوں میں شائع ہوئے ہیں ان کے مطالعہ سے قارئین اس حقیقت سے ضرور آگاہ ہوں گے کہ زمزمی صاحب عبارت میں قطع وبرید اور لفظی ومعنوی تحریف میں بیحد ماہر ہیں، اور پیشہ ورانہ مناظرہ میں اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے وہ ہر طرح کے جھوٹ اور افتراء سے کام لے سکتے ہیں۔ شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کا اپنی بالغ لڑکیوں کی شادی کرنے سے متعلق سوال کا جواب فتاوی نذیریہ میں شائع ہوا تھا، اس پر صاحب تحفۃ الاحوذی علامہ محدث عبد الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ کا تعاقب درج ہے جس کی تائید ان کے شیخ نے بھی کی ہے۔ اس تعاقب سے زمزمی صاحب ناراض ہوئے، اور پھر اپنا کرتب دکھایا، فاضل مصنف لکھتے ہیں:

"غازی پوری نے صاحب تحفہ کا مکمل کلام نہ نقل کر کے صرف نصف کلام ہی نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے، نصف باقی میں آپ نے بطور دلیل بلوغ المرام کے حوالہ سے حدیث رسول "لا تزوج المرأة المرأة" (کوئی عورت کسی عورت کی شادی نہیں کرسکتی) پیش کیا ہے، اور سبل السلام سے حدیث کی شرح اور اس کے مستفاد کو نقل کیا ہے، ان ساری چیزوں کو حذف کرنے کے ساتھ جو آدھا کلام نقل کیا ہے اس میں بھی ہاتھ کی صفائی دکھلائی ہے۔ اس طرح ماحول کو سازگار بنا کر صاحب تحفہ پر شاگرد اور استاد کا حوالہ دے کر خوب برسے ہیں"۔

● جماعت اہلحدیث کے خلاف اہل تقلید کی افتراپردازیوں میں سے ایک افترا یہ ہے کہ اہلحدیث صحابہ کرام کا احترام نہیں کرتے!

فاضل مصنف نے معقول علمی انداز میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے کیونکہ انہیں

معلوم ہے کہ اسی طائفہ حقہ منصورہ کے خلاف ہر باطل فرقہ اور بد باطن گروہ نے زہر افشانی کی ہے، اوراس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے ذریعہ دین کی عملی تفسیر کا انتظام فرمایا، اورانہیں پوری دنیا میں اسلام پھیلانے کا شرف بخشا، اب اگراس مقدس جماعت کو شکوک وشبہات سے مجروح کر دیا جائے تو نہ دین بچے گا نہ اس کی عملی تفسیر نہ اس کا استناد! اسی لئے صحابہ پر غیراللہ کی حاکمیت قبول کرنے، دین میں خیانت کرنے اورفقہ وفہم کے بغیر حدیث کی روایت کرنے کے الزامات عائد کئے گئے، والعیاذ باللہ۔ مصنف نے اصولی طور پر صحابہ کا مرتبہ واضح فرمایا، ان کے فضائل ومناقب پر علمائے اہلحدیث نے جو کام کئے ہیں اس کی طرف اشارہ کیا، پھر اہل حق کے خلاف الزام تراشی کرنے والوں کے رویہ کا جائزہ لیا، اس طرح پوری صورت حال واضح ہوگئی، اور کذب وتدلیس کے بادل چھٹ گئے۔

● فقہ کی تمجید زمزمی اینڈ پارٹی اس انداز سے کرتے ہیں کہ شریعت کی کوئی خدمت اس سے بڑھ کر نہیں! اس مسئلہ کی حقیقت واضح کرنے کے لئے فاضل مصنف نے علامہ ابن الہمام کے حوالہ سے لکھا ہے کہ: کسی شافعی کے پیچھے کسی حنفی کا نماز پڑھنا جائز نہیں، پھر مکحول نسفی کے حوالہ سے یہ دلیل ذکر کی ہے کہ: نماز میں رکوع کرتے وقت یا رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے کیونکہ یہ عمل کثیر میں داخل ہے!

مبارکپوری صاحب کا اس پر یہ حاشیہ ہے: ''کتنی تعجب خیز قابل افسوس اور متضاد بات ہے کہ ایک ایسا عمل جس کے بارے میں خود ان کے ماہرین فقہ جن کو اطباء قرار دیا جاتا ہے، اس بات کے قائل ہیں کہ یہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، اسی عمل کو ''عمل کثیر'' کہہ کر اس سے نماز کے بطلان کا فتوی صادر کیا جارہا ہے! یہی ہے کتاب وسنت کا نچوڑ جس کو ان کے فقہاء کرام نے کافی مغزماری اور عرق ریزی کے بعد امت کے سامنے پیش کیا ہے! اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود نبی کریم ﷺ کی نماز بھی اسی عمل کثیر کی وجہ سے باطل قرار پائے گی، نعوذ باللہ من ذلک!

● فقہی اختلافات ومسلکی نزاعات پر بحث ومباحثہ کو بعض مطلب پرست اور

ناعاقبت اندیش مولویوں نے ایسے مقام پر پہنچا دیا ہے کہ اسے پڑھ کر بیحد رنج وافسوس ہوتا ہے، جس شریعت کو قلب ونظر کی صفائی اور سلوک وعمل کی طہارت وپاکیزگی کے لئے نازل کیا گیا تھا اس کی طرف کیسے کیسے مسائل منسوب کئے گئے، اور کس طرح لوگوں کو انگشت نمائی کا موقع فراہم کیا گیا! یہ رویہ بیحد تکلیف دہ ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے، پھر بھی منہ کا مزہ بدلنے اور زمزمی صاحب کی بوالعجبیوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے ذرا ادھر آیئے:

نابالغ کی امامت سے متعلق عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ابوداود کی صحیح حدیث میں مذکور ہے، زمزمی صاحب نے خبث طبعی کی وجہ سے اسے موضوع بحث بنا کر صفحات سیاہ کئے ہیں، ان کا سوال ہے کہ: ''ایا چوتڑ کھلے امام کے پیچھے ان کی نماز بلا کراہت صحیح ہو جاتی ہے یا کہ نہیں؟''

اس سے پہلے انہوں نے اہلحدیث پر جملہ کسا ہے کہ: ''اور اس کے علاوہ کوئی دوسری حدیث ان کے پاس ہے بھی نہیں''۔

اس کے جواب میں فاضل مصنف نے دل چسپ بات لکھی ہے: ''الحمد للہ اس مسئلہ میں اہل حدیثوں کے پاس ایک حدیث ہے، لیکن آپ اپنی کتب فقہ میں مذکور مستحق امامت کی ترتیب پر آدھی ہی حدیث پیش فرمادیں تو ہم آپ سے کہیں زیادہ آپ کے ممنون ہوں گے، خاص طریقے سے ترتیب میں بیان کئے گئے ان امور پر " ثم أصبحهم — أي أسمحهم وجها — ثم الأحسن زوجة ، ثم الأكبر رأسا والأصغر عضوا "۔

اور مزید ایک درخواست یہ بھی کریں گے کہ برائے مہربانی وہ یہ بھی بتلا دیں کہ کس طرح وہ اس ترتیب کو بروئے کار لاتے ہیں؟ اور خاص کر آخری نکتہ " ثم الأصغر عضوا " کی تعیین کس طرح کرتے ہیں؟ ہمیں یقین کامل ہے کہ وہ اپنی مساجد میں اماموں کی تعیین کے وقت اس ترتیب کا ضرور خیال رکھتے ہوں گے کیونکہ ان کی فقہ کی

مقدس کتابوں میں اسی ترتیب پر ائمہ کرام کی تعیین کا حکم ہے"۔

● منہج سلف کی تائید وحمایت، اہل تقلید کی تحریفات وتلبیسات کی نقاب کشائی اور برصغیر کے علمائے اہلحدیث کے موقف کی توضیح ودفاع کے موضوع پر لکھی گئی اس وقیع ومفید کتاب کی طباعت واشاعت کا شرف اللہ تعالیٰ نے مکتبہ الفہیم مئوناتھ بھنجن کے لئے مقدر فرمایا تھا، اس ادارہ نے بڑی معمولی حیثیت میں اپنا کام شروع کیا تھا، لیکن دعوت عمل بالکتاب والسنۃ کی تائید واشاعت کا اسے ایسا شوق پیدا ہوا کہ بہت تھوڑی مدت میں مذکورہ دعوت کی تائید میں متعدد عظیم کتابیں شائع کر دیں۔ شروح حدیث کی اشاعت میں تعاون کیا، دین محمدی یعنی امام ابن القیم کی کتاب اعلام الموقعین کا اردو ترجمہ شائع کیا، سلسلۂ محمدیات کی متعدد کتابیں منظر عام پر لایا، وہابی تحریک پر ڈاکٹر قیام الدین احمد کی بے نظیر کتاب کا صاف ستھرا ایڈیشن پیش کیا، اور اسی طرح علوم کتاب وسنت کی اشاعت اور مسلک سلف کی تائید وحمایت میں اس مکتبہ کا کارنامہ بیحد عظیم ہے، اس کے ذمہ داروں نے جس اخلاص نیت کے ساتھ اس میدان میں قدم رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی کے مطابق برکت عطا فرمائی ہے۔ سنا گیا کہ منہج سلف کی تائید وحمایت میں مکتبہ کی خدمات سے زمزمی گروپ خوش نہیں ہے، زمزمی گروپ کے بعض ہم نواؤں نے اشارتاً مالکان مکتبہ سے "اہل حدیث لٹریچر کی اشاعت سے الگ رہنے کی نصیحت کی تھی! لیکن اللہ تعالیٰ نے مالکان کو بصیرت سے نوازا تھا، لہٰذا مذکورہ نصیحت کے بعد انہوں نے اپنی مہم اور تیز کردی، اور اب ان کی شہرت واہمیت کی داستان ملک سے باہر بھی پہنچ چکی ہے۔ ہمیں قوی امید ہے کہ "سلفیت کا تعارف" نامی کتاب کی اشاعت کے بعد مکتبہ کے باعزم وحوصلہ مالکان اپنے سفر کو مزید تیز کریں گے، اور علمی دنیا کو عمدہ تحقیقی لٹریچر سے مستفید بناتے رہیں گے۔

(ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری)
وکیل الجامعۃ السلفیۃ، بنارس

۱۵/۵/۱۴۲۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مؤلف

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خير خلقه محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

زیر نظر کتاب ان مقالات کا مجموعہ ہے جو محدث بنارس اور جریدہ ترجمان دہلی میں ''سلفیت کا تعارف اور اس کے متعلق بعض شبہات کا ازالہ'' کے عنوان سے بالاقساط شائع ہوئے تھے، ناچیز ایک عرصہ سے اپنے تئیں شدید ضرورت محسوس کر رہا تھا کہ ''سلفیت'' کے تعارف میں مثبت انداز میں ایک مبسوط و مفصل تحریر اردو زبان میں آنی چاہئے، تاکہ اردو داں طبقے کو اس تحریک سے (اگر اسے تحریک کا نام دینا درست ہے) کچھ واقفیت حاصل ہو جائے کیونکہ مشاہدہ اور تجربہ سے یہ بات سامنے آئی اور آتی رہتی ہے کہ بہت سے حضرات بلکہ اس تحریک سے وابستہ بہتیرے لوگ سلفیت کے حقیقی معنی و مفہوم اور منہج سے بڑی حد تک ناآشنا ہیں، اس مقصد کے لئے مواد وغیرہ کی فراہمی کے بعد کام کی ابتداء بھی کردی گئی تھی کہ عین اسی زمانے میں غازی پوری فتنہ نے ایک چیلنج کی حیثیت سے سر اٹھایا، اور ملت و جماعت کی صفوں میں ایک ہیجان اور اضطراب برپا کردیا، ہر چند کہ طبیعت کو اس نوعیت کی مناظرانہ تحریروں سے کدورت و نفرت ہے (علمی اسلوب اور مثبت انداز میں مسائل کی تحقیق کا معاملہ دوسرا ہے) لیکن ظلم و تعدی، الزام اور بہتان تراشی کی اتنی انتہا کردی گئی کہ صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا، لہٰذا از خود قلم کا رخ مڑ گیا، اسلام نے دفاع کا جو حق عطا کیا ہے اسے بروئے کار لاکر غازی پوری اور ان کے ٹولہ کی جانب سے سلفیت پر عاید کردہ جھوٹے الزامات اور بہتان تراشیوں کا جواب دینا ضروری سمجھا گیا، یہاں یہ واضح کردینا مناسب ہوگا کہ مولوی ابوبکر غازی پوری کی جملہ تحریفات لفظیہ و معنویہ اور تمام چھوٹے

بڑے جھوٹے الزامات کا جواب نہ دے کر جن حقائق اور اصول کو مسخ کر کے پیش کرنے کی انہوں نے ناروا کوشش کی تھی انہی کے جوابات پر اکتفا کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ان کے اور ان کی جماعت کے کھوکھلے دعووں کی حقیقت کو بھی طشت از بام کیا گیا ہے تاکہ قارئین کرام پر سلفیت کے خلاف عاید کیئے گئے ان کے جھوٹے الزامات کی حقیقت کے ساتھ خود ان کی اور ان کے نعروں کی حقیقت بھی منکشف ہو جائے۔

اس امر کی وضاحت بھی از بیش ضروری ہے کہ ہمیں اس نوعیت کی تحریروں سے کوئی خوشی یا مسرت نہیں حاصل ہوتی اور نہ اسے باعث فخر و شرف تصور کرتے ہیں، اور یہ کہ ہمیں ملت اسلامیہ کا اتحاد ہر حالت میں بالخصوص موجودہ حالات میں محبوب و مرغوب ہے، اور اس کے لئے اللہ رب العزت سے دعا گو بھی ہیں، لیکن ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے صبر کا بھی ایک پیمانہ ہے، جب کوئی چیز حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے، جب موصوف غازی پوری کی ستم رسانیاں حد سے متجاوز ہو گئیں تو مجبوراً قلم کا رخ ان کی جانب موڑنا پڑا، لہذا زیر نظر تحریر کو رضا و رغبت پر محمول کرنے کے بجائے اسے ہماری مجبوری تصور کی جائے تو عین مناسب ہوگا۔

رہا ان کا یہ دعوی کہ ابتداء ہماری جانب سے ہوئی ہے اور انہوں نے ہمیں آئینہ دکھلانا چاہا ہے، تو اولاً جن لوگوں کو جماعت اہلحدیث یا سلفیت کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت حاصل ہوگی انہیں اس دعوی کی حقیقت کا بھی ضرور بالضرور اندازہ ہوگا، ثانیاً اگر اس مفروضہ کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو کیا محض ابتداء کو بنیاد بنا کر آئینہ دکھانے کے بہانے عبارتوں میں خیانت، ہیر پھیر اور تحریف لفظی و معنوی کا مبینہ طور پر ارتکاب کسی بھی شریعت یا قانون میں جائز ہو سکتا ہے؟ قارئین کو معلوم ہونا چاہئے موصوف غازی پوری نے مذکورہ تمام امور کا بلکہ ان سے زائد کا بلا کسی تردد، خوف الہی اور شرم و حیاء کے ارتکاب کیا ہے، اگر موصوف غازی پوری کی شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ آئینہ دکھلانے کے بہانہ

سلفیت، اور علماء سلفیت کے خلاف من گھڑت اور جھوٹے الزامات کا طومار باندھ دیں یا ان کی عبارتوں میں خیانت، ہیر پھیر، کتر بیونت اور تحریف لفظی و معنوی کا علانیہ طریقے سے ارتکاب کریں تو کیا ہماری اسلامی شریعت ہمیں اتنی بھی اجازت نہیں دے گی کہ ہم اپنے اوپر عائد کی گئی تہمتوں کا جواب دیتے ہوئے ان کی حقیقت کو طشت از بام کر سکیں، زیر نظر تحریر میں یہی کیا گیا ہے، اس سے کسی کی نہ تو دل آزاری مقصود ہے، اور نہ کسی کی تحقیر و تذلیل، اور سنجیدگی کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا گیا ہے پھر بھی انسان ہونے کے ناطے جذبات سے مغلوب ہو کر اگر کہیں قلم بہک گیا ہو تو اس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔

محدث یا جریدہ ترجمان میں مقالات کی شکل میں زیر نظر تحریر کی اشاعت کو کافی سمجھا گیا تھا بلکہ ایک مرحلے میں بعض ذمہ داروں کی جانب سے اس سلسلے کو بند کرنے کا مطالبہ بھی کیا گیا تھا، ملکی و بین الاقوامی حالات بالخصوص ۱۱رستمبر کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال کے پیش نظر اس نوعیت کی تحریروں کو بالکل بند ہو جانا چاہئے تھا، لیکن حد درجہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ صدق وصفا، تقوی و طہارت اور بزعم خویش خلوص وللّٰہیت کی پیکر مجسم اندرون ہند و بیرون ہند کی بعض شخصیات نے غازی پوری اور ان کے ٹولہ کی کذب بیانی و بہتان تراشی اور ظلم و تعدی پر نہ صرف ان کی تشجیع اور ہمت افزائی کی بلکہ یہ اپیل بھی شائع کی کہ جھوٹ و تہمت اور خیانت کے ان پلندوں کو قریب قریہ گاؤں گاؤں دیہات دیہات بلکہ جماعت کے ہر فرد کے ہاتھوں میں پہونچایا جائے، پھر کیا تھا کہ مکتب کے ملا جی جیسے لوگ بھی ان پلندوں کو لیکر اہلحدیثوں کو چیلنج کرنے لگے، خدمت حنفیت کے جذبہ سے سرشار بہت سے لوگوں نے جنہیں مصنف بننے کا شوق ستا رہا تھا، موصوف غازی پوری کے پلندوں سے شاہکار خیانتوں کو منتخب کر کے پمفلٹ اور اشتہار کی شکل میں شائع کرنا شروع کر دیا، اور اہلحدیث عوام کو ستانے لگے، لہذا ضرورت محسوس ہوئی کہ ''سلفیت کا تعارف'' کے عنوان سے جو مقالات شائع ہوئے ہیں انہیں یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع

کر دیا جائے تا کہ حق کے متلاشیان کو حق و باطل کے درمیان تمیز و تفریق میں کچھ مدد مل سکے۔ کتابی شکل دینے میں بہت سے مخلصین کی خواہش اور تمنا کا بھی دخل ہے، لہذا بتوفیق الٰہی زیر نظر تحریر جو مقالات کی صورت میں شائع ہوئی تھی کتابی شکل میں قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے۔

اللہ تعالی کے شکر و سپاس کے بعد میں مشکور و ممنون ہوں اپنے عزیزم بھتیجے مولانا عبدالکبیر بن عبدالقوی سلمہ اللہ کا، جن کی کاوشوں اور محنتوں کا توفیق ربانی کے بعد مذکورہ تحریر کو کتابی شکل دینے میں بہت بڑا دخل ہے۔ عزیزم سلمہ نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ ایک سے زائد بار پروف ریڈنگ کی ہے، اور نوک پلک درست کرنے میں کافی تعاون کیا ہے، فجزاہ اللہ خیرالجزاء، آمین۔

اسی طرح شکر گزار ہوں اپنے استاذ محترم استاذ الاجیال جناب ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری حفظہ اللہ وتولاہ وکیل الجامعۃ السلفیۃ بنارس کا جنہوں نے کتاب پر اپنے گرانقدر مقدمہ کے ذریعہ ناچیز کی تشجیع وہمت افزائی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، اللہ تعالی دعوت دین کی راہ میں ان کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت بخشے، آمین۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ان لوگوں کا شکریہ نہ ادا کیا جائے جنہوں نے اس تحریر کی تیاری میں کسی قسم کا تعاون دیا، بالخصوص جامعہ سلفیہ کی مرکزی لائبریری کے لائبریرین مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب سلفی جنہوں نے مراجع کی نشاندہی اور فراہمی میں کافی وسعت قلبی کا ثبوت دیا ہے، اللہ تعالی انہیں اجر عظیم سے نوازے۔

اسی طرح مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن کے باعزم وباحوصلہ نوجوان ذمہ داران کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے بغیر کسی پس وپیش کے کتاب کی اشاعت اپنے ذمہ لی، درحقیقت اس مکتبہ نے اس پرآشوب دور میں علماء سلف کی کتابوں کی اشاعت کا جو بیڑہ اٹھایا ہے، اور مختصر مدت میں جو عظیم کارنامے انجام دیئے ہیں ان پر وہ لائق تحسین اور قابل مبارکباد ہے،

اللہ تعالی مکتبہ کو دوام بخشے، ذمہ داران کو دین وعلم کی خدمت کی مزید توفیق بخشے، آمین۔

زیرنظر کتاب کی تالیف محض احقاق حق اور ابطال باطل کی غرض سے عمل میں لائی گئی ہے جس سے صرف خوشنودی مولی مقصود ہے، اللہ رب العزت سے یہی دعا ہے کہ کتاب کو حق وباطل کے درمیان تمیز وتفریق کا بہترین وسیلہ اور ذریعہ بنائے، ناچیز کو قول وعمل میں صدق واخلاص کی توفیق عطا کرے، آمین۔

وصل اللهم على خير خلقك محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

محتاج دعا

رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری

جامعہ سلفیہ، بنارس

۱/۶/۱۴۲۳ھ

فہرست موضوعات

تمہید	۷
(۱) سلف اور سلفیت	۱۰
سلف: لغت میں	۱۰
سلف: اصطلاح میں	۱۲
کیا مفہوم سلف کی تحدید میں محض زمانہ کا اعتبار کافی ہے؟	۱۵
علماء سلف و علماء خلف کے مابین زمانی حد فاصل	۱۸
سلف کی اتباع کیسے؟	۳۰
''سلفی'' نسبت جائز یا ناجائز؟	۳۷
(۲) سلفیت کی ابتداء	۴۶
علماء دیوبند کی انگریز دشمنی (؟) خود ان کی زبانی	۶۱
انگریزوں کا پٹھو کون؟	۶۴
علماء اہل حدیث کی انگریز دوستی کی حقیقت	۹۰
علماء اہل حدیث کی سرفروشانہ سرگرمیاں اکابرین دیوبند کی نظر میں	۹۴
(۳) سلف اور تعدد اسماء	۱۰۰
محمدی	۱۰۳
اہل الحدیث	۱۰۵
اہل الأثر	۱۰۸

موحد	۱۱۰
سلفی	۱۱۴
(۴) از راہ جور وستم دیئے ہوئے اسماء والقاب کا جائزہ	۱۳۲
کیا ترکِ تقلید ایک قابل مذمت فتنہ ہے؟	۱۳۵
بعض اہل علم جنہوں نے راہ تقلید کی آبلہ پائی نہیں اختیار کی	۱۴۳
کیا اہل حدیث اور غیر مقلد دونوں ایک ہیں؟	۱۵۶
(۵) مذہبیت اور لا مذہبیت: ایک جائزہ	۱۶۸
مذہب: لغت میں	۱۶۹
مذہب: فقہاء کی نظر میں	۱۷۰
''لا مذہبیت'' معنی ومفہوم کے اعتبار سے	۱۷۱
''لا مذہبیت'' مذہبیین (مقلدین) کی نظر میں	۱۷۲
''لا مذہبیت'' کی بوطی تفسیر اور تضاد بیانی	۱۷۴
''لا مذہبیت'' فقیہ دیوبند محمد ارشد اعظمی کی نظر میں	۱۷۷
وجوب تقلید پر ایک عجیب وغریب استدلال	۱۹۰
لامذہبیت کی اصطلاح کا تاریخی پس منظر	۱۹۵
(۶) فتنوں کی جڑ تقلید یا عدم تقلید	۲۰۱
مذہب، امام مذہب، کتب مذہب اور علماء مذہب کی مبنی بر غلو تقدیس	۲۰۵
صرف مذہب حنفی ہی درست اور برحق ہے	۲۰۹
تمام احناف بخشے بخشائے ہیں	۲۱۰
فقہ حنفی کی کتابوں پر نظر ڈالنا قیام اللیل سے بہتر ہے	۲۲۶
فقہ حنفی کی کتابیں اور ان کا سلسلۂ سند	۲۲۶

الدر المختار کی تالیف رسول اکرم ﷺ کی صریح اجازت سے عمل میں آئی ہے	۲۳۰
مولانا (.......) انسان نہیں فرشتۂ مقرب تھے؟	۲۳۹
ذرا اسے بھی ایک نظر.........	۲۴۰
اسے کیا نام دیں گے؟	۲۴۱
''رحمۃ للعالمین'' صفت خاصہ رسول اللہ ﷺ کی نہیں ہے	۲۴۵
تقلید کی ایک بڑی دین: کتاب وسنت پر آراء و قیاسات کی ترجیح	۲۵۲
ایک ہی حدیث کے ساتھ دوہرا سلوک	۲۶۱
مذہبیت (تقلید) کی ایک بڑی دین خیالی و فرضی مسائل	۲۶۸
۱- مستحق امامت اور اس کے درجات	۲۷۲
۲- فقہی موشگافی	۲۹۰
۳- خانہ کعبہ اصحاب کرامات کی زیارت پر	۲۹۳
۴- مذہبیت (تقلید) کی کرشمہ سازی کتاب الحیل	۲۹۵
(۷) تقلید کی تفرقہ بازی	۳۰۶
۱- مساجد اور منبر و محراب کی تقسیم	۳۰۷
۲- شادی بیاہ میں تفریق	۳۱۳
۳- دیگر مذاہب کی تنقیص و توہین میں مبالغہ آمیزی	۳۱۳
(ایک نوٹ)	۳۱۸
۴- مناظرہ بازی	۳۱۹
۵- مذہبی تعصب کا شاخسانہ	۳۲۴
(۸) دعویٰ احترام صحابہ اور اس کی حقیقت	۳۳۲
کتاب وسنت میں صحابہ کرام کا مقام ومرتبہ	۳۳۲

صحابہ کرام اور علماء سلف ۳۳۳
صحابہ کرام اور علماء اہل حدیث ۳۳۶
صحابہ کرام کی سیرت پر علماء اہل حدیث کی تصنیفی خدمات ۳۴۵
کیا علماء اہل حدیث گستاخ صحابہ ہیں؟ ۳۴۸
اقوال صحابہ کی حجیت اور علماء احناف ۳۶۲
احترام صحابہ اور علماء احناف ۳۶۷
فقہ حنفی کی مستند کتابوں میں صحابہ کرام کا مقام ۳۷۱
-فقیہ وغیر فقیہ صحابہ کی تقسیم ۳۷۱
-بعض صحابہ کرام کے یہاں علم ومعرفت اور اطلاع کی کمی تھی؟ ۳۷۲
-مکثرین صحابہ اصولی قواعد شرع کے خلاف احادیث روایت کرتے تھے؟ ۳۷۳
-غیر فقیہ صحابی کی مخالف قیاس روایت نا قابل قبول کیوں؟ ۳۷۳
-صحابہ کرام میں عادل وغیر عادل دونوں طرح کے لوگ تھے؟ ۳۷۴
-حضرت علی رضی اللہ عنہ مجتہد نہیں تھے؟ ۳۷۵
-حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باغی اور بدعتی تھے؟ ۳۷۶
موصوف غازی پوری اور احترام صحابہ ۳۷۷
حدیث رسول کے ساتھ موصوف غازی پوری کا مخول ۳۸۳
موصوف غازی پوری کا خانہ ساز حکم ۳۸۸
مولانا غازی پوری کی امانت داری (؟) کا اچھوتا نمونہ ۳۹۰

☆ ☆ ☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امت مسلمہ جس کو اللہ رب العزت نے خیر امت کا لقب عطا کیا تھا، بدقسمتی سے اپنی تاریخ کے چند مراحل طے کرنے کے بعد ایک عظیم سیاسی انتشار کا شکار ہوگئی، جس نے آگے چل کر لامتناہی دینی اختلافات کی ایک مہیب شکل اختیار کر لی۔ اسباب وعوامل کچھ بھی رہے ہوں لیکن یہ ایک ناقابل انکار تلخ حقیقت ہے کہ خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (ذی النورین) کی مظلومانہ شہادت (جس کو تاریخ اسلامی میں فتنہ کبریٰ کے نام سے جانا جاتا ہے) کے بعد نئے نئے افکار ونظریات کی حامل مختلف جماعتیں اور بے شمار فرقے نت نئے ناموں کے ساتھ وجود میں آنے شروع ہو گئے تھے، جن کا تسلسل ختم ہونے کے بجائے وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا اور تاہنوز جاری ہے۔ اور مزید افسوس کی بات یہ ہے کہ بیرونی محاذ سے منہ موڑ کر امت آپس میں بری طرح الجھ گئی اور اپنی ساری توانائی اور صلاحیت کو آپسی تصادم اور ٹکراؤ میں ضائع کر دیا اور کر رہی ہے۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت ومصلحت پنہاں ہے ورنہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کے لئے اللہ تعالیٰ سے تین باتوں کی دعا فرمائی تھی۔ دو باتیں بارگاہ رب العزت میں مقبول ہوئیں اور تیسری بات کو شرف قبولیت نہیں حاصل ہو سکا۔ اور وہ تیسری چیز امت کا آپسی اختلاف اور تصادم ہے۔ چنانچہ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: "سألت ربي ...... ثلاث خصال فأعطاني منهن ثنتين ومنعني الثالثة. سألته أن لا يهلكنا بما أهلك الأمم قبلنا، فأعطانيها، وسألته أن لا يظهر علينا عدوا فأعطانيها، وسألته أن لا يلقي بيننا سيفا فمنعنيها". (۱)

(۱) اس حدیث کو روایت کیا ہے امام ترمذی، امام نسائی اور امام احمد وغیرہ نے، ملاحظہ ہو سنن الترمذی، کتاب الفتن (۴/۴۷۱ حدیث نمبر ۲۱۷۵) سنن النسائی، کتاب قیام اللیل (۳/۲۱۶)، مسند احمد (۵/۱۰۸-۱۰۹) اسی معنی کی حدیث حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام سے بھی مروی ہے، جس کو امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "السنن الواردة فی الفتن للدانی (۱/۱۸۴ و مابعدہ)

ترجمہ: اپنے رب سے میں نے تین خصلتوں (باتوں) کا مطالبہ کیا جن میں سے دو باتیں اللہ تعالی نے قبول فرمالیں، اور تیسری بات سے مجھے منع کر دیا۔ اللہ تعالی سے میں نے طلب کیا کہ ہمیں ان عذابوں سے نہ ہلاک فرما جن کے ذریعہ سے پچھلی امتوں کو ہلاک کیا کرتا تھا۔ اللہ تعالی نے میری یہ بات قبول فرمالی۔ اللہ تعالی سے میں نے یہ طلب کیا کہ ہم پر دشمنوں کو مسلط نہ فرما تو اللہ تعالی نے میری یہ بات بھی قبول فرمالی۔ اور میں نے اللہ تعالی سے یہ بھی طلب کیا کہ ہمارے درمیان اختلاف نہ پیدا کر۔ اللہ تعالی نے میری یہ بات قبول نہیں فرمائی۔

لہذا امت کا آپس میں تصادم مشیت الٰہی کی بناء پر ناگزیر تھا، لیکن اس صورت حال میں بھی فرمان نبوی " لا تزال طائفة من أمتي على الحق ظاهرين ، لا يضرهم من خالفهم حتى يأتي أمر الله ". (۱)

ترجمہ: ''میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، ان کو مخالفین کوئی گزند نہیں پہونچا سکتے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آن پہونچے'' کے بموجب ہمیشہ اور ہر دور میں ایک جماعت ایسی رہی ہے جس نے کسی قسم کے خارجی اثرات قبول کئے بغیر اپنے آپ کو عہد اول سے مربوط رکھنے کی کوشش کی، کتاب وسنت سے اپنے تعلق اور رشتے کو مضبوط رکھتے ہوئے عقیدہ وعمل کو ہر طرح کی آمیزش سے محفوظ رکھا۔ اور اسی جماعت نے بعد میں بطور علامت اور دوسروں سے امتیازی حیثیت حاصل کرنے کی غرض سے اپنے لئے لفظ ''سلف'' کا انتخاب کرتے ہوئے اس کی طرف اپنی نسبت کی۔ لیکن عجب ستم ظریفی ہے کہ جس جماعت نے متقدم یا متاخر، عربی یا عجمی کسی ایک شخصیت میں اپنے کو محصور نہ کر کے قرون اولی کی پوری جماعت سے اپنے آپ کو منسلک رکھنے کا اہتمام کیا اور صدر اول کے نہج اور طریقے پر کاربند رہنے کو اپنا شعار بنایا آج اسی جماعت کو داخلی

(۱) متعدد صحابہ کرام سے یہ حدیث مروی ہے، اور ان میں سے بعض کی روایات صحیحین میں موجود ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۵۹۹/۴ نمبر ۱۹۵۷)

وخارجی دونوں محاذوں پر نشانہ بنایا جارہا ہے اور مختلف انداز سے اسے بدنام کرنے کی کوشش خدمت دین کے نام پر کی جارہی ہے۔ایک طرف اس کو کٹر پن، تشدد، انتہا پسندی، دہشت گردی اور رجعیت جیسی صفات سے نوازا جارہا ہے جن کو موجودہ بین الاقوامی سیاست میں بدترین گالی کی حیثیت حاصل ہے، دوسری جانب اس جماعت کو گمراہ ٹولہ، خوارج، سواد اعظم کا مخالف، ائمہ کرام کا دشمن اور ان پر کیچڑ اچھالنے والا گروہ قرار دیا جارہا ہے، اور سادہ لوح عوام کو یہ تاثر دینے کی پوری کوشش کی جارہی ہے کہ یہ ایک نئی جماعت ہے جو بہت بعد کی پیداوار ہے۔اور خود اپنی مختلف عجمی وغیر عربی نسبتوں پر ادنی توجہ دیئے بغیر ''سلفی'' نسبت کو بدعت کا رنگ دینے کی سعی ہورہی ہے۔ بلکہ صاف لفظوں میں سلفی نسبت کو بدعت کہا جارہا ہے، اور ستم بالائے ستم یہ کہ سلفیوں کو ہی دوسرے لوگوں کو بدعتی قرار دینے والا بھی کہا جارہا ہے۔

ذیل میں لفظ ''سلف'' اور اسکی طرف منسوب لفظ ''سلفی'' و ''سلفیت'' کا لغوی واصطلاحی مفہوم واضح کرنے، نیز اس کا شرعی وتاریخی حیثیت سے جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ساتھ ہی اس جماعت کے خلاف پیدا کئے گئے شکوک وشبہات اور مختلف اعتراضات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔پروپیگنڈوں کی اس دنیا میں حق کے متلاشی کو راہ حق کی تعیین وتحدید میں شاید اس سے کچھ رہنمائی حاصل ہوجائے، اور حق وباطل کے درمیان تمیز کرنے میں مدد ملے۔ وما توفیقنا الا باللہ العلی العظیم۔

(۱)
سلف اور سلفیت

سلف: لغت میں

''سلف'' عربی زبان کا ایک کثیر الاستعمال لفظ ہے، لغوی اعتبار سے لفظ ''سالف'' کی جمع ہے اور خود لفظ سلف کی جمع ''اسلاف'' آتی ہے۔ سلف یسلف سلفا وسلوفا کے معنی ہیں گذرنا، آگے ہونا۔ کہا جاتا ہے: "سلف له عمل صالح" اس سے عمل صالح کا صدور پہلے ہوا، ''سلف القوم'' وہ قوم سے آگے ہو گیا۔(۱)

ابن منظور سلف کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: سلف ان گذرے ہوئے آباء واجداد اور قرابت داروں کو کہا جاتا ہے جو علم و فضل اور عمر میں فوقیت رکھتے ہیں۔(۲)

المعجم الوسیط میں بھی سلف کے یہی معنی بیان کئے گئے ہیں، مزید ایک معنی یہ بھی بتلایا گیا ہے: ہر وہ عمل صالح جسے انسان نے پہلے بھیج رکھا ہو۔(۳)

قرآن کریم میں اس لفظ کے مشتقات بکثرت وارد ہوئے ہیں، لیکن خود لفظ ''سلف'' صرف ایک جگہ استعمال ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فجعلناهم سلفا ومثلا للآخرين ﴾ (الزخرف:۲۶)

ہم نے انہیں بعد میں آنے والوں کے لئے پیش رو اور نمونہ عبرت بنا دیا۔

مشہور مفسر امام بغوی رحمہ اللہ نے مذکورہ آیت میں لفظ (سلف) کی تشریح ''گذرے ہوئے آباء واجداد'' سے کی ہے، اور آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ہم نے انہیں پیش رو بنا دیا تا کہ دوسرے ان سے عبرت حاصل کریں۔(۴)

علامہ ابن الاثیر نے سلف کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ''سلف کا اطلاق

(۱) مختار الصحاح (۳۰۹) المعجم الوسیط (۴۴۴/۱) مصباح اللغات (ص ۳۹۰)
(۲) لسان العرب (۱۵۹/۹) (۳) المعجم الوسیط (۴۴۴/۱) (۴) تفسیر بغوی (معالم التنزیل) (۱۴۲/۴)

کسی بھی فرد کے ان آباء واجداد اور دیگر قرابت داروں پر ہوتا ہے جو پہلے وفات پا چکے ہیں، اسی لئے تابعین عظام کی اولین جماعت کو ''سلف صالح'' کہا جاتا ہے۔(۱)

اس مختصر لغوی تشریح سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ لغت میں سلف کا اطلاق عموماً گزرے ہوئے آباء واجداد (پرکھوں) پر ہوتا ہے خواہ وہ نیک ہوں یا بد، اسی وجہ سے بسا اوقات اس کے ساتھ لفظ ''صالح'' کا بطور صفت اضافہ کیا جاتا ہے تاکہ غیر صالح لوگ اس کے مفہوم سے خارج ہو جائیں۔

اسی لفظ ''سلف'' کی طرف نسبت کر کے لفظ ''سلفی'' مستعمل ہے۔المعجم الوسیط میں لفظ ''سلفی'' کو ذکر کر کے اس کے حسب ذیل معنی بتائے گئے ہیں: من يرجع في الأحكام الشرعية الى الكتاب والسنة، ويهدر ما سواهما" (۲)

سلفی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو شرعی احکام میں کتاب وسنت کی طرف رجوع کرتا ہے ان دونوں کے علاوہ کو حجت نہیں مانتا۔

علامہ سمعانی (م ۵۶۲ھ) نے نسبتوں اور ان کی تشریحات سے متعلق مخصوص کتاب ''الانساب'' میں لفظ ''سلفی'' کو ذکر کیا ہے اور اس کا ضبط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ سین ولام کے فتحہ (زبر) کے ساتھ ہے، اور اس کے آخر میں یاء ہے، سلف اور اتباع مذاہب سلف کی طرف منسوب ہے، جیسا کہ میں نے ان لوگوں سے سنا ہے۔(۳)

علامہ ابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) سمعانی کے کلام پر مزید اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اور اس نسبت سے ایک جماعت معروف ہے''۔(۴)

علامہ طاش کبری زادہ سلفی نسبت سے معروف ابو اسحاق ابراہیم بن عمر الجعبری کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: " السلفي : بفتحتين نسبة إلى طريقة السلف "۔(۵)

شیخ محمد ابراہیم شقرہ لفظ ''سلفیت'' پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سلفیۃ مصدر صناعی ہے، جس کے آخر میں یاء نسبت تاء تانیث کے ساتھ مل کر

---

(۱) النہایۃ فی غریب الحدیث (۳۹۰/۲)　(۲) المعجم الوسیط (۴۴۴/۱)　(۳) الانساب (۲۷۳/۷)

(۴) اللباب (۱۲۶/۲) نیز ملاحظہ ہو: الاکمال لابن ماکولا (۴/ ۴۷۰-۴۷۱)، التکملہ فی الرجال (۳۶۴/۱)

(۵) مفتاح السعادۃ (۴۶/۲)

لاحق ہوتی ہے، اگر اس لفظ پر وقف کیا جائے گا تو اس کی ادائیگی یاء ساکن کی شکل میں ہوگی، اور وصل (یعنی اگلے کلمے سے ملا کر پڑھنے) کی صورت میں اس کو تاء کی شکل میں ادا کیا جائے گا، اور یہ سلف کی طرف منسوب ہو کر مستعمل ہے، اور سلف ہر اس عمل صالح یا خیر و بھلائی کو کہا جاتا ہے جسے انسان نے اپنے آگے بھیج رکھا ہو، اسی طرح کسی شخص کے ان آباء و اجداد اور قرابتداروں کو بھی سلف کہا جاتا ہے جو پہلے گذر چکے ہیں"۔(۱)

سلف: اصطلاح میں

سلف کے اصطلاحی مفہوم کی تعیین وتحدید میں علماء کی مختلف آراء بیان کی جاتی ہیں لیکن جملہ تعریفات کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ سلف کا اطلاق اصطلاح میں صحابہ کرام، یا صحابہ کرام وتابعین عظام، یا صحابہ وتابعین کے ساتھ تبع تابعین اور ان ائمہ پر ہوتا ہے جن کے علم وفضل، امامت اور اتباع کتاب وسنت کی شہادت دی گئی ہو۔ ذیل میں علماء کی بعض آراء کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱- سلف سے مراد صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہیں۔ مشہور مغربی عالم ابن ابی زید القیروانی کی کتاب "الرسالۃ" کے بیشتر شارحین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

چنانچہ قلشانی لکھتے ہیں:

"سلف صالح صدر اول کی وہ جماعت ہے جس کو علم ومعرفت میں قدم راسخ حاصل ہے، جو رسول اکرم ﷺ کے طریق پر گامزن ہے، سنت نبوی کی حفاظت کرنے والی ہے جس کو اللہ تبارک وتعالی نے اپنے نبی ﷺ کی رفاقت کے لئے منتخب کیا اور اپنے دین کی اقامت کے لئے چنا ہے، جس سے امت کے مقتدا اور پیشوا کی حیثیت سے راضی ہوا اور جس نے راہ حق میں جہاد کیا، امت کی خیر خواہی اور اس کو نفع پہونچانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا اور اللہ تعالی کی رضا جوئی میں اپنی جان ومال خرچ کئے، جس کی اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں تعریف کی ہے، لہذا اس جماعت نے جو کچھ نقل کیا اس میں اس کی اتباع، اور جو عمل کیا اس میں اس کی پیروی، نیز اس کے لئے اللہ تعالی سے

(۱) ... السلفیۃ (ص۱۷)

مغفرت طلب کرنا واجب وضروری ہے"۔(۱)

علامہ عدوی اپنے حاشیہ میں رقم طراز ہیں:

ابن ناجی کے اس قول "سلف صالح ایسا لازمی وصف ہے جو عندالاطلاق صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص ہے، اس میں دوسرے شریک نہیں ہوسکتے" کی بنا پر اس کو صحابہ کرام کی جماعت میں منحصر کرنا ضروری ہے۔(۲)

۲- سلف سے مراد صحابہ کرام اور تابعین عظام ہیں، علامہ غزالی صاحب احیاء علوم الدین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، متکلمین کے مقابلہ میں مذہب سلف کی حقانیت اور اس کی برتری کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مذہب سلف سے میری مراد صحابہ وتابعین کا مذہب ہے"۔(۳)

۳- سلف سے مراد صحابہ کرام، تابعین عظام اور اتباع تابعین ہیں، یعنی اسلام کی ابتدائی تین صدیاں؛ جن کی افضلیت و برتری کی شہادت خود رسول اکرم ﷺ نے دی ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: "میری امت کا بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر اس کے بعد کا زمانہ ہے، پھر اس کے بعد کا زمانہ ہے"۔ راوی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے یاد نہیں رہا کہ آپ نے اپنے بعد دو صدیاں ذکر کیں یا تین۔(۴)

علامہ شوکانی، سفارینی وغیرہ (۵) بلکہ اکثر اہل علم نے اسی قول کو ترجیح دیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے انداز تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بھی اسی جانب میلان رکھتے ہیں۔(۶) لیکن بعض دیگر مواقع پر آپ نے اتباع تابعین کے بعد آنے والے بعض ائمہ مثلاً احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ کو بھی سلف کے مفہوم میں شامل مانا ہے۔(۷)

---

(۱) تحریر المقالۃ فی شرح الرسالۃ (ص ۳۶) منقول از المفسرون بین الاثبات والتاویل ۱/۱۸۔

(۲) حاشیۃ العدوی (ص ۱۰۶) منقول از اهل السنۃ والجماعۃ معالم الانطلاقۃ الکبری (ص ۵۱)

(۳) الجام العوام عن علم الکلام (ص ۳)

(۴) ملاحظہ ہو: صحیح بخاری، فضائل اصحاب النبی ﷺ (۷/۳ حدیث نمبر ۳۶۵۰)

(۵) التحف فی مذهب السلف (ص ۷، ۱۱۸)، لوامع الانوار (۱/۲۰)

(۶) درء تعارض العقل والنقل (۷/۱۳۴)

(۷) ایضا (۱/۲۰۷)

مشہور حنبلی عالم علامہ ابن رجب (م ۷۹۵ھ) نے بھی امام احمد بن حنبل اور ان کے عہد تک کے ائمہ کرام کو سلف قرار دیا ہے جو بعد کے لوگوں کے لئے قدوہ اور نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

"امام شافعی (م ۲۰۴ھ) امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) امام اسحاق بن راہویہ (م ۲۲۱ھ) امام ابو عبید ہروی (م ۲۲۴ھ) رحمہم اللہ یا ان موصوفین کے عہد تک پائے جانے والے علماء ہی متعین طور پر ایسے قابل اقتداء سلف شمار کئے جا سکتے ہیں جن کے زریں اقوال کو اس زمانہ میں قلم بند کرنا ضروری ہے، چونکہ ان موصوفین کے بعد بے شمار ناخوشگوار واقعات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، اس لئے ہر شخص کو مکمل طور پر محتاط رہنا ضروری ہو گیا ہے"۔(۱)

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے اپنے پیش رو علامہ آجری (م ۳۶۰ھ) سے متاثر ہو کر یہ بات کہی ہے۔ کیونکہ انہوں نے بھی تقریباً یہی بات تحریر فرمائی ہے، اور لائق اتباع سلف امام احمد اور ان کے دور تک پائے جانے والے علماء کرام کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ کسی بھی شخص کے ہدایت یاب ہونے اور راہ حق پر گامزن ہونے کی علامت اور پہچان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کسی بھی فرد کے لئے اس راہ راست کا اختیار کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالی نے اس کے حق میں خوش بختی مقدر فرما دی ہے، یعنی کتاب وسنت کی اتباع، صحابہ کرام اور تابعین عظام کے نقش قدم کی پیروی، ائمہ اسلام اور علماء امت امام اوزاعی (م ۱۵۷ھ) سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) مالک بن انس (م ۱۷۹ھ) امام شافعی، احمد بن حنبل، قاسم بن سلام رحمہم اللہ وغیرہم کا مذہب اپنانا اور ہر اس مذہب اور طریق کار سے گریز جس کو علماء موصوفین نے اختیار نہ کیا ہو"۔(۲)

بعض معاصر محققین نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے جس میں سلف کو ابتدائی تین صدیوں کے ساتھ مخصوص مانا گیا ہے۔ چنانچہ ایک محقق ڈاکٹر محمد جلیند لکھتے ہیں:

---

(۱) فضل علم السلف علی علم الخلف (ص۶۰) (۲) الشریعۃ (ص۱۴)

''(مذکورہ مسئلے میں) قطعی اور صحیح موقف میرے خیال میں یہ ہے کہ سلف کی تحدید میں پہلی تین صدیوں سے ہمیں تجاوز نہیں کرنا چاہیے، متقدمین کے بارے میں خواہ ہم کتنا ہی حسن ظن رکھیں لیکن تیسری صدی ہجری کے بعد رونما ہونے والے آراء وافکار کو سلفی قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ اسلامی سرمایہ کو تیسری صدی کے بعد سے ہی شدید جھٹکے لگے ہیں اور نفس پرستی کا بازار گرم ہوا ہے''۔(۱)

دوسرے محقق ڈاکٹر محمود خفاجی رقم طراز ہیں:

''میری رائے میں صحابہ وتابعین اور اتباع تابعین کے ساتھ ہی سلف کی تخصیص زیادہ صحیح ہے، کیونکہ لغت اور حدیث دونوں سے ہی اسی کی تائید ہوتی ہے''۔(۲)

۴- سلف کی اصطلاحی مفہوم کی تعیین سے متعلق ایک چوتھا قول بھی ہے جس کو مشہور اشعری عالم ابراہیم بن محمد بیجوری (م ۱۲۷۷ھ) نے اختیار کیا ہے، ان کے قول کے مطابق پانچویں صدی ہجری سے ماقبل علماء کرام پر سلف کا اطلاق ہوتا ہے۔(۳)

شاید موصوف اپنے اس قول کے ذریعہ اشعری علماء کو بھی سلف کے زمرہ میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ اور امر واقع یہ ہے کہ تمام اشعری علماء تیسری صدی ہجری کے بعد ہی پیدا ہوئے ہیں۔ خود امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ جن کی جانب اشاعرہ اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں کی وفات ۳۲۴ھ میں ہوئی۔ بظاہر اور کوئی دوسری وجہ اس قول کی نظر نہیں آتی ہے، اور نہ ہی کسی دلیل سے اس کی تصدیق وتائید ہوتی نظر آتی ہے۔

کیا مفہوم سلف کی تحدید میں محض زمانہ کا اعتبار کافی ہے؟

مذکورہ اقوال پر نظر ڈالنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عمومی طور پر سلف کے مفہوم میں زمانہ کا اعتبار کیا گیا ہے، اور حدیث سے بھی بظاہر یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرون مفضلہ سے متعلق وارد حدیث کو بنیاد بنا کر علی الاطلاق

---

(۱) الإمام ابن تیمیة وقضیة التأویل (ص۵۲)

(۲) العقیدة الاسلامیة بین السلفیة والمعتزلة (ص۲۰)

(۳) تحفة المرید شرح جوهرة التوحید (ص۹۱)

پہلی تین صدیوں کو سلف کا نام دیا جا سکتا ہے؟ اور اس دور میں پائے جانے والے تمام افراد کو لائق اتباع و قابل اقتداء سلف کہا جا سکتا ہے؟

بغیر کسی تردد یا پس و پیش کے اس سوال کا جواب نفی میں ہوگا۔ کیونکہ ہر ایک کو بخوبی یہ معلوم ہے کہ اس عہد میں بھی بہت سے خواہشات نفس کی پیروی کرنے والے، بدعتی سرغنہ، اور اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام اور اسلامی تعلیمات کو گزند پہونچانے والے منافقین کا وجود رہا ہے، جنہوں نے آئینہ کی مانند اسلام کے صاف و شفاف چہرہ کو داغدار بنانے کی کوشش کی۔ خلیفہ راشد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے عہد میں خوارج کا ظہور ہوا، جنہوں نے ۳۷ھ میں واقعۂ تحکیم پر اعتراض کرتے ہوئے خلیفۂ وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے علیحدگی اختیار کی۔ مقام حروراء میں اپنا مرکز قائم کر کے جس طرح اسلامی خلافت پر شب خون مارتے رہے اسی طرح اسلامی تعلیمات پر بھی شب خون مارا۔ اسلامی عقیدہ و عمل میں نئی نئی باتیں داخل کیں۔ اسی زمانے میں آل بیت کی جھوٹی اور پر فریب محبت کے نام پر عبداللہ بن سبا نے رفض و تشیع جیسی بدعت کی بنیاد رکھی، اور وصیت علی، رجعت علی، بلکہ الوہیت علی اور اسی قبیل کی بے شمار خرافات و بدعات کو رواج دیا۔(۱)

اسی طرح معبد جہنی (م ۸۰ھ) نے قدریہ فرقہ کی داغ بیل ڈالی۔ اس نے قضاء وقدر کا انکار کیا۔ اور اسی کے بالمقابل جبر کی بدعت بھی منظر عام پر آئی، جس کی غیلان دمشقی (م ۱۰۵ھ) نے سرپرستی کی۔ اس نے انسان کو مجبور محض بنا کر رکھ دیا۔ اسی دور میں یا اس کے کچھ ہی بعد جہمیہ اور معتزلہ رونما ہوئے۔ جہم بن صفوان (م ۱۲۸ھ) کا استاذ جعد بن درہم (م ۱۲۴ھ) اسی عہد کی پیداوار ہے، جو جہمیہ کے اولین زعماء میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا بڑی شدومد سے انکار کرتے ہیں۔ اعتزال کا بانی واصل بن عطاء (م ۱۳۱ھ) بھی اس زمانے میں تھا۔

معتزلہ کے بارے میں ہر ایک کو معلوم ہے کہ ان کے یہاں تعقل پسندی بالکل

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: راقم کی کتاب "عبداللہ بن سبا: عقائد ونظریات کے آئینہ میں"۔

انتہاء کو پہونچی ہوئی تھی۔اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ''سلف کا مفہوم متعین کرنے کے لئے محض سبقت زمانی کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ کتاب وسنت سے موافقت بھی ضروری ہے۔لہذا کسی ایسے فرد کو سلف میں شمار نہیں کیا جائے گا جس کی رائے یا مذہب کتاب وسنت سے متصادم یا اس کے مخالف ہو۔خواہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم یا تابعین عظام رحمہم اللہ کے درمیان ہی اس نے زندگی گذاری ہو''۔(۱)

یہاں علامہ سفارینیؒ کا حزم واحتیاط قابل داد ہے۔ کیونکہ موصوف نے اس حقیقت کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا، بلکہ قابل اتباع سلف کی تعریف میں اس امر کی بھی قید لگائی ہے کہ لوگوں کے نزدیک ان کی دینداری اور امامت مسلم ہو، کسی بدعت میں ملوث نہ ہوں۔آپ فرماتے ہیں:

''مذہب سلف سے مراد وہ طریقہ ہے جس پر صحابہ کرام، تابعین عظام، اتباع تابعین اور بعد میں آنے والے وہ ائمہ دین گامزن تھے جن کا تدین اعلی درجہ کو پہونچا ہوا ہے، اور جن کی امامت امت کے نزدیک مسلم ہے، اور جن کے اقوال وافعال لوگوں کے نزدیک مقبول ہیں۔نہ کہ ان لوگوں کا راستہ جو بدعت کے کاموں میں ملوث ہیں، لوگوں کے نزدیک ناپسندیدہ القاب سے یاد کئے جاتے ہیں جیسے خوارج، روافض، قدریہ، مرجئہ، جبریہ، جہمیہ اور معتزلہ وغیرہ''۔(۲)

لہذا ہر پیش رو ہمارے لئے قابل اقتداء نہیں ہوسکتا، بلکہ نمونہ اور قدوہ وہی سلف صالح ہوسکتے ہیں جو مذکورہ اوصاف کے حامل ہوں گے، یعنی صحابہ کرام، تابعین عظام، اور اتباع تابعین جنہوں نے ایسے مبارک عہد میں زندگی گذاری جس کی فضیلت وبرتری کی شہادت خود رسول اکرم ﷺ نے دی ہے۔اور ساتھ ہی ان ائمہ دین کو بھی قدوہ ونمونہ کی حیثیت حاصل ہے کہ کتاب وسنت سے جن کا تعلق لوگوں کے نزدیک معروف، اور جن

(۱) الامام ابن تیمیة وقضیة التأویل (ص۵۲)

(۲) لوامع الانوار (۱/۲۰) یہی بات قاضی ابن حجری قطری نے بھی کہی ہے اور ان سے تائیداً نقل کیا ہے ڈاکٹر مصطفی حلمی نے، ملاحظہ ہو: العقائد السلفیة بأدلتها العقلیة والنقلیة (ص۱۱) وقواعد المنهج السلفي (ص۲۵۳)

کی امامت ودیانت داری امت کے نزدیک مسلم ہے۔ جوخود بدعت کے کاموں سے گریز کرتے اورلوگوں کو بازرکھنے کی جدوجہد فرماتے تھے۔اس بناء پر ہروہ شخص جوائمہ مذکورین کے عقائد،فقہ اوراصول کولازمی طور پراپناتا ہے اسے ائمہ سلف کی جانب منسوب کیا جائے گا، زمانی یا مکانی اعتبار سے کتنی ہی دوری کیوں نہ پائی جاتی ہو۔اور ہروہ شخص جوان کی مخالفت کرتا ہے اسے سلف کی جانب نہیں منسوب کیا جائے گا خواہ وہ سلف کے درمیان ہی موجود رہا ہواور زمانی یا مکانی اعتبار سے کوئی بعد اور دوری نہ پائی جاتی ہو۔(۱)

شیخ محمد ابراہیم شقرہ نے بھی یہی مفہوم جمہور اہل علم سے نقل کرتے ہوئے اختیار کیا ہے،چنانچہ فرماتے ہیں:

''سلف کا اطلاق جمہور اہل علم کے نزدیک امت کے ان تمام لوگوں بالخصوص پہلی تین صدیوں کے لوگوں پر ہوتا ہے جو ہم سے پہلے گذر گئے ہیں، اور نبوت کے اس صحیح منہاج پر قائم تھے جس کو اللہ رب العزت سے حاصل کر کے رسول اکرم ﷺ نے لوگوں تک پہونچایا تھا''۔(۲)

علماء سلف اور علماء خلف کے مابین زمانی حد فاصل کیا ہے۔

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے موصوف مزید فرماتے ہیں

''زمانے کے اعتبار سے اگر کوئی ایسی واضح حد موجود ہوتی جو دونوں کے مابین حد فاصل ہوتی تو اس سوال کے اٹھانے کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی۔لیکن اس کا مخفی ہونا ہی درحقیقت مذکورہ سوال کا باعث بنا ہے۔تاہم اس سلسلے میں یہی کہا جائے گا کہ علماء سلف اور علماء خلف کے مابین حد فاصل نہ تو زمانی ہے اور نہ مکانی، بلکہ یہ ایسی ہے جو ذہنی وصف سے متصف ہے۔اسی سے علماء امت، مؤرخین اور مختلف نسلوں کے نزدیک ایک فریق دوسرے فریق سے ممتاز ہوتا، اور پہچانا جاتا ہے۔لہذا سلف وہ جماعت ہے جو منہج کتاب

---

(۱) اهل السنة والجماعة معالم الانطلاقة الكبرى (ص۵۲)

(۲) هي السلفية (ص۱۷)

وسنت کا التزام کرتی ہے اور اس منہج سے ذرہ برابر روگردانی نہیں کرتی۔ مخالفین ان کی سیرتوں کو مسخ کرنے یا چھپانے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں، ان کی کتابیں، رسائل اور تالیفات اس کی واضح اور روشن دلیل کی حیثیت رکھتی ہیں"۔(۱)

سابقہ سطور سے لفظ "سلف"، اس کی طرف منسوب لفظ "سلفی" اور اس کے مصدر صناعی "سلفیت" کی لغوی و اصطلاحی تعریف بخوبی واضح ہوگئی ہوگی۔ اب آیئے ذرا ایک شامی ڈاکٹر محمد سعید رمضان بوطی صاحب سے "سلفی" کی ایک تعریف مزید سن لیں، موصوف لکھتے ہیں:

"آج سلفی ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے چند متعین اجتہادی آراء واقوال کو دانتوں سے پکڑ رکھا ہو، ان کا دفاع کرتا ہو، اس کے خلاف چلنے والوں کو برا بھلا کہتا ہو، اور انہیں بدعتی قرار دیتا ہو"۔(۲)

موصوف نے اپنی اس اچھوتی اور دلنواز تعریف میں کن مصادر پر اعتماد کیا ہے ذرا دل مضبوط کر کے انہیں بھی سماعت فرمالیجئے۔ موصوف نے تین مصادر کا ذکر کیا ہے۔

(۱) ایک رات ہم لوگ ایک عربی ملک میں نماز عشاء باجماعت ادا کر رہے تھے، حاضرین میں سے ایک شخص اٹھا اور جماعت سے الگ ہو کر اس نے نماز پڑھی۔(۳)

(۲) ایک سیمینار میں انہی لوگوں میں سے ایک شخص کو میں نے تقریر کرتے ہوئے سنا جو سلفی مذہب کے خدوخال بیان کر رہا تھا۔(۴)

(۳) عبداللہ بن سلیمان بن منیع کی کتاب "حوار مع المالکی" (علوی مالکی سے دو دو باتیں) میں یہ عبارت وارد ہوئی ہے: "یہ گمراہ اور گمراہ کن شخص اپنی شائع ہونے والی تالیفات کے ذریعہ سلفی عقیدہ کے خلاف مسلسل زہرافشانی کرتا رہا ہے"۔(۵)

---

(۱) ھی السلفیۃ (ص ۴۴)

(۲) السلفیة مرحلة زمنية (ص ۲۳۷) منقول از "التعریف بکتاب السلفیة مرحلة زمنية" (ص ۲۵)

(۳) حوالہ مذکورہ (ص ۲۸۳)

(۴) حوالہ مذکورہ (ص ۲۴۰)

(۵) حوالہ مذکورہ (ص ۲۵۷)

یہاں آپ ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ علم کے میدان میں مذکورہ بالا حوالہ جات سلفی مذہب کی صحیح تعریف کے لئے مصدر بن سکتے ہیں؟ اگر بحث وتحقیق کے نام پر اس قسم کی حرکت روا ہو سکتی ہے تو اس پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ چند مسلمانوں کے احوال کو بنیاد بنا کر ایک دشمن اسلام اگر اسلام کی من مانی تصویر کشی کرتا ہے تو وہ بھی درست ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی حرکت ناشائستہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کا سینہ بغض وعناد اور نفرت وعداوت سے لبریز ہے، اللھم احفظنا۔

مزید یہ کہ موصوف کو شیخ عبداللہ بن سلیمان بن منیع کے کلام میں دشنام طرازی نظر آ گئی مگر اپنے ہم مشرب شیخ علوی مالکی کی زہر افشانی پر نظر نہیں گئی جس کی طرف شیخ ابن منیع نے اشارہ کیا ہے۔ "اللامذھبیة" کی اصطلاح ایجاد کر کے سلفیوں اور اہلحدیثوں کی نیش زنی کرنے والے مذہبیین (۱) مقلدین کا عموماً ہر جگہ یہی شیوہ رہا ہے۔ بدعت کا حکم خود نافذ کریں گے، سب وشتم کی راہ خود اپنائیں گے لیکن تہمت لگائیں گے سلفیوں اور اہلحدیثوں پر۔ برصغیر کے ایک مخصوص حلقے کا بھی یہی طریقہ رہا ہے۔ اگر انفرادی طور پر کسی اہل حدیث سلفی عالم کے کلام میں لہجہ کی درشتی آ گئی، یا از راہ "الدین النصیحة" کسی کے انحراف یا بے راہ روی کا پردہ چاک کیا، یا بالفرض غلط اسلوب اور نامناسب طریقہ اپناتے ہوئے سب وشتم کی راہ اپنائی ـــــــ جس کو ہم خود علمی وتحقیقی منہج کے خلاف تصور کرتے ہیں ـــــــ تو پوری جماعت اہل حدیث یا سلفی جماعت کو بیک قلم گستاخ، بے ادب، بدزبان اور نہ جانے کن کن دل نشیں اور پیارے القاب سے نوازا جاتا ہے، حالانکہ ایسے افراد جو بحث وتحقیق کے صحیح منہج سے ہٹ کر سب وشتم کی راہ اپناتے ہیں، ہر جماعت اور ہر فرقے میں موجود ہیں۔ لیکن الزام صرف اور صرف اہل حدیثوں اور سلفیوں کے سر منڈھا جاتا ہے، اور ان کے حق میں ایسی شستہ اور کوثر وتسنیم سے دھلی ہوئی ستھری زبان استعمال کی جاتی ہے جسے سن کر بھٹیارن بھی انگشت بدنداں رہ جائے۔ ساتھ ہی اپنی مسکینیت اور

(۱) اہل حدیثوں اور سلفیوں کے لئے "اللامذہبیون" کے مقابلہ میں مقلدین کے لئے "مذھبیین" کا استعمال ہی مناسب ہے۔

مظلومیت کا بڑے بھولے انداز میں ڈھنڈھورا پیٹا جاتا ہے۔ " والبادئ أظلم " (ابتداء کرنے والا ہی بڑا ظالم ہوتا ہے) کی آڑ میں اپنے اوچھے اور رکیک حملوں کے لئے وجہ جواز پیش کیا جاتا ہے۔ گویا آج تک ان کی زبانوں سے اہل حدیثوں اور سلفیوں کے خلاف گوہر آبدار جھڑنے کے علاوہ اور کوئی چیز ہی نہیں صادر ہوئی، اور گویا اسی فرقہ شاذہ نے ہمیشہ زہر اگلنے میں پہل کی ہے۔ پہل کس نے کی؟ ''انڈے اور مرغی میں پہلے انڈا یا مرغی'' کی طرح قطعیت کے ساتھ شاید یہ بھی حل نہ ہو، لیکن اتنا طے ہے کہ جب عمل بالکتاب والسنۃ کو برصغیر میں رواج حاصل ہونے لگا تو مخصوص طبقوں میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہوگئی، نیندیں حرام ہوگئیں۔ بہتان تراشی، تہمت بازی اور دشنام طرازی کا بازار گرم ہوگیا۔ اس دعوت کی مخالفت میں مختلف متعدد کتابیں تصنیف کی گئیں۔ مخالف مکاتب فکر کے پاس شکایتی خطوط لکھے گئے اور ان سے فتنہ اہل حدیث کو ختم کرنے میں تعاون کی درخواست کی گئی۔ بعض اہل علم کے خلاف بین الاقوامی طور پر سازش کر کے ان کو قتل کرانے کا منصوبہ بنایا گیا۔ ان پر کفر اور واجب القتل ہونے کا فتوی صادر کیا گیا۔ "جامع الشواهد فی اخراج الوهابيين عن المساجد"، "انتظام المساجد باخراج أهل الفتن والمفاسد" اور " الشهاب الثاقب "جیسی زہر آلود اور خطرناک کتابوں کی تصنیف عمل میں لائی گئی اور ان کے ذریعہ اہل حدیثوں اور سلفیوں پر نہ صرف زمین بلکہ عرصۂ حیات بھی تنگ کیا گیا۔ اتنی سرگرمی کا مظاہرہ کیا گیا کہ شاید ہی اتنی سرگرمی کا مظاہرہ کسی باطل سے باطل تحریک یا فرقے کی مخالفت میں کیا گیا ہو۔ یہاں ان تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا۔ جس کو تفصیل مطلوب ہو اسے برق توحیدی کی جمع کردہ کتاب ''علماء دیوبند اور انگریز'' کا مطالعہ کرنا چاہئے۔(۱)

انگریز نوازی کس نے کی؟ کون ان کے وظیفہ خوار ملازم تھے؟ مذکورہ کتاب کے مطالعہ سے اس حقیقت سے بھی آشنائی حاصل ہوجائے گی۔ ''غیر مقلدین کی ڈائری'' تیار

(۱) خصوصاً صفحات ۵۰-۸۳ ضرور ملاحظہ کئے جائیں۔

کرنے والوں کے لئے اس کا مطالعہ کافی سودمند ہوگا بشرطیکہ حقیقت سے آگاہی مطلوب ہو۔(۱)

الحمدللہ اہل حدیثوں نے بہت پہلے از خود اپنے اعمال وکردار کے ذریعہ اپنی ڈائری پیش کردی ہے جو عنداللہ وعندالناس معروف ہے، اور جس کی شہادت عرب وعجم کے مختلف اہل علم اور اہل قلم نے صاف لفظوں میں دی ہے، جس سے آپ بھی بخوبی واقف ہیں۔اب آپ کی حاسدانہ سعی لاحاصل کا کوئی فائدہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ آپ اور آپ کے ہم مشرب وہم خیال لوگوں کو تھوڑی دیر کے لئے سکون قلبی حاصل ہو جائے۔

قارئین حضرات اگر اجازت دیں اور طبیعت میں کسی طرح کا تکدر محسوس نہ کریں تو (بقول ایک عالم) کوثر وتسنیم سے دھلی ہوئی اور شستہ زبان کے ایک دو نمونے پیش کروں جن کی شگفتگی اور شفافی پر عامر عثمانی رحمہ اللہ مدیر تجلی کو فرط مسرت سے جھوم جانا پڑا تھا۔

مولانا محمد حسن سنبھلیؒ نے درس نظامی کی ایک مشہور کتاب ''شرح العقائد النسفیۃ'' پر نظم الفرائد کے نام سے حاشیہ لکھا ہے، اصل کتاب مع حاشیہ مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے

---

(۱) اہلحدیثوں کو خیانت، نفاق اور موقعہ پرستی کے اوصاف سے نوازا جاتا ہے اور خود ان کے صدق، اخلاص اور دیانتداری کا عالم یہ ہے کہ اس وقت قادیانی تحریک کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں پر روک لگانے کی غرض سے دہلی جامع مسجد کے میدان میں مورخہ ۱۴/۶/۹۷ کو ایک عظیم کانفرنس بنام ''تحفظ ختم نبوت'' کے انعقاد کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں مرکزی جمعیت اہلحدیث کو بھی مدعو کیا گیا تھا اور اس کے ذمہ داران سے اس سلسلہ میں تعاون کی اپیل کی گئی تھی۔حالانکہ اہلحدیثوں کو قادیانیوں کا ہمنوا قرار دیا جاتا ہے، اور تحفظ ختم نبوت کے اسی پنڈال سے ''غیر مقلدین کی ڈائری'' کی خرید وفروخت کا عمل بھی انجام دیا گیا، جو اس بات کی جانب اشارہ تھا کہ غیر مقلدین قادیانیوں کی صف میں شامل ہیں، اور اسی پنڈال سے ''قادیانیوں (احمدیوں) کے کفر وارتداد پر علماء کے فتاویٰ اور فیصلے'' کے نام سے ایک پمفلٹ کی مفت تقسیم کا بھی بندوبست کیا گیا تھا جس میں شیخ الکل میاں نذیر حسینؒ سمیت سات اہل حدیث علماء کے فتوے بھی ذکر کئے گئے ہیں۔یہ ہے دعوت اتفاق واتحاد کی حقیقت۔ضرورت پیش آتی ہے تو اپنی صف میں ان کو شمار کرلیا جاتا ہے اور نہیں تو گمراہ ٹولہ، شیعوں اور قادیانیوں کے ہمنوا قرار دے دیئے جاتے ہیں۔

شائع ہوئی ہے، صفحہ ۱۰۲ کے حاشیہ نمبرا پر موصوف فرماتے ہیں:

"وخلفاء هذه الملة أربعة ابن تيمية وابن القيم والشوكاني، فيقولون ثلاثة رابعهم كلبهم، وإذا انضم إليهم ابن حزم وداود الظاهريان صاروا ستة، ويقولون خمسة سادسهم كلبهم رجما بالغيب وخاتم المكلبين مثله كمثل الكلب إن تحمل عليه يلهث أو تتركه يلهث".

ذرا اس قرآنی زبان (۱) کا ترجمہ بھی سن لیجئے۔ اور اگر شک محسوس ہو تو کسی مذہبی (مقلد) سے ترجمہ کرا لیجئے۔ کیونکہ امانت وصداقت پر انہی لوگوں کی اجارہ داری ہے۔ کچھ بھی کریں، کچھ بھی کہیں امین وصادق ہی کہلائیں گے۔ اور ان کو اکثریت کی قوت بھی حاصل ہے۔ آج کے دور میں اکثریت کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اور سواد اعظم کا جھنڈا بھی انہیں لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ مذکورہ عبارت کا ترجمہ:

"اس ملت کے خلفاء چار ہیں: ابن تیمیہ، ابن القیم، شوکانی، پس وہ کہتے ہیں کہ وہ تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا، اگر ان کے ساتھ ابن حزم اور داؤد ظاہری مل جائیں تو وہ چھ ہو جائیں گے، اور وہ کہتے ہیں: وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا، بن دیکھے تکے چلاتے ہیں، آخری سدھا ہوا کتا، اس کی مثال اس کتے کی طرح ہے جس پر لادو تو زبان نکالے ہانپتا رہتا ہے، نہ لادو تو بھی زبان نکالے ہانپتا رہتا ہے"۔

"البادئ أظلم" (ظلم کی ابتداء کرنے والا ہی بڑا ظالم ہوتا ہے) کی دہائی دینے والے ذرا بتلائیں کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید حافظ ابن القیم رحمہما اللہ نے کس قاسمی دیوبندی یا اس کے اسلاف کو گالی دینے میں یا ان کے خلاف غلط زبان استعمال کرنے میں پہل کی ہے کہ ان دونوں کو بھی اس شریفانہ زبان سے یاد کیا جا رہا ہے۔

---

(۱) میں نے قرآنی اس لئے کہا کہ غایت درجہ دلیری اور جرأت کے ساتھ اس دریدہ دہنی میں قرآنی آیات (سورہ کہف آیت ۲۲، اور سورہ اعراف آیت ۱۷۶) کو فٹ کیا گیا ہے؟؟

اس سے بھی زیادہ مکروہ اور فحش نمونہ مذکورہ کتاب کے صفحہ ۱۴۱ حاشیہ نمبر ۶ پر ملاحظہ فرمائیے:

"وخرجت عليه من الزاوية المنفرجة طائفة باغية كسبية قنوجية مجسمة مشبهة آكلة من أكساب أبضاع نسائها محدثة ضراط البدع وفسائها محترفة الوقيعة فى أئمة الأمة ورؤسائها".

دل مضبوط کر کے قارئین اس بلیغ اور ستھری زبان کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیں، اور اطمینان قلب کی خاطر کسی روشن دماغ قاسمی مقلد سے اس کی تصحیح فرمالیں:

''اس کے خلاف زاویہ منفرجہ سے ایک جماعت نکلی ہے جو (حق سے) باغی ہے (برائیاں) کمانے والی، قنوجی (۱) ہے (اللہ تعالی کے لئے) جسم ثابت کرتی ہے، (اس کو) مخلوق سے مشابہ قرار دیتی ہے، اپنی عورتوں کی شرمگاہوں کی کمائی کھاتی ہے (۲) بدعتوں کا پاد نکالتی ہے، آواز کے ساتھ اور بغیر آواز کے بھی، امت کے ائمہ اور اکابر پر طعن کرنا اس کا پیشہ ہے''۔(۳)

ماشاءاللہ کیا ٹکسالی زبان ہے۔ دشنام طرازی میں اس مہارت تامہ پر جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔ کیا اس شگفتہ زبان پر لکھنؤ کی بھٹیارن کو تعجب اور رشک نہیں ہوگا ؟!

آیئے ذرا ایک تیسرا بالکل تازہ اور اچھوتا نمونہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے اور مذہبین (مقلدین) کے ذہنی ارتقاء اور فکری بلندی پر عش عش کیجئے۔ عصر حاضر کے ایک قلم کار جو اس وقت مختلف طریقوں سے اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور اپنی برادری سے خوب داد

---

(۱) نواب صدیق حسن خاں بخاری قنوجی کی طرف منسوب کر کے پوری جماعت کو (قنوجیہ) کہا گیا ہے۔

(۲) یہ تو محض بدزبانی، سراسر بہتان اور تہمت ہے، جس پر اللہ تعالی ان کا حسیب ہوگا، خود تہمت لگانے والوں کا حال یہ ہے کہ پیسے دے کر اپنی بہن بیٹیوں کا حلالہ کراتے ہیں، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو آج بھی عملی طور پر رائج ہے، بلکہ بعض اداروں میں مخصوص طور پر اس کے لئے آدمی متعین ہوتے ہیں، یہاں تک سننے میں آیا ہے کہ ایک حنفی اکثریت والے شہر میں ایک صاحب نے اپنے مکان پر نمایاں بورڈ آویزاں کر رکھا تھا جس پر یہ لکھ رکھا تھا'' حلالہ کے خواہش مند حضرات ہم سے رجوع کریں'' والله أعلم بصحته۔ بلکہ رانا پسروری صاحب کی کتاب'' حلالہ کی شرعی حیثیت'' میں متعدد واقعی نمونے ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

(۳) ملاحظہ ہو: " انتقاد صحیح بجواب ذیل رکعات تراویح " (ج ا ص ۳۰-۳۲)

لے رہے ہیں، فرماتے ہیں:

''غیر مقلدین شیخ ابن باز کو مارے تملق کے ''والدنا'' کہتے ہیں، یعنی ہمارے والد۔ اب کوئی حیاء کو بالائے طاق رکھ دے تو ان غیر مقلدین سے پوچھے: تمہاری 'ماؤں' سے ان کا کیا رشتہ رہا ہے کہ تم ان کو 'والدنا'' کہتے ہو۔ قرآن تو اس کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی رسول کو بھی ''والدنا'' کہے، پھر یہ ابن باز ''والدنا'' کہاں سے ہو گئے۔ تملق اور چمچہ بننے کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے''۔ (۱)

دن ورات حلالہ اور طہر متخلل جیسے مباحث کے پڑھنے پڑھانے والوں اور فقہ حنفی کی گردان (۲) سے اپنی عقل اور دماغ کو جلا بخشنے والوں سے اسی قسم کی بھلا ئکتی زبان کی توقع کی جا سکتی ہے، جس کو انہوں نے اپنے اسلاف سے سیکھ کر اور تربیت حاصل کر کے مزید پروان چڑھایا ہے۔ لہٰذا اس سے بھی زیادہ گندی اور فحش زبان کا استعمال ان سے مستبعد نہیں ہے۔ اس کا مظاہرہ ایک حنفی اکثریت والے پڑوسی شہر میں عوامی جلسوں کے ذریعہ بڑی دھوم سے کیا جا رہا ہے۔ جس طرح بعض باطل فرقوں کے یہاں ایمان کے ساتھ کوئی معصیت نقصان دہ نہیں ہو سکتی اسی طرح ان لوگوں کے یہاں سواد اعظم ہونے کے ناطے کسی قسم کی روا و ناروا حرکت سے ان کے صدق وصفا اور امانت و دیانت پر کوئی آنچ نہیں آ سکتی۔

اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ (فداہ أبي وأمي) کے کلام میں آپ کو اختیار ہے کہ مجاز و استعارہ کا سہارا لیکر من مانی تاویل فرمالیں اور رب العزت کو عرش سے لا کر فرش پر بیٹھا دیں۔ مگر ایک اہل حدیث، سلفی یا بقول آپ کے غیر مقلدین کا شیخ ابن باز کو ''والدنا'' کہنا اتنا گراں گذرا کہ اس میں آپ کو تاویل کی ادنی گنجائش نظر نہیں آئی۔ جبکہ قرآن کریم میں متعدد مثالیں ایسی ملیں گی جن میں مضاف کو حذف کر کے اس کی جگہ

---

(۱) مسائل غیر مقلدین (ص ۷۱)

(۲) یہاں میں معذرت چاہوں گا، بڑے فخر کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے ''......فقہ حنفی کی گردان سے عقل زیادہ روشن ہوگی'' مسائل غیر مقلدین (ص ۲۶۵)

مضاف الیہ کو رکھ دیا گیا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: " واسأل القرية التي كنا فيها والعير التي أقبلنا فيها " (۱) جلالین میں آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

" أي أرسل إلى أهلها فاسألهم (والعير) أي أصحاب العير ..... " (۲)

لہذا "والدنا" سے مراد "مقام والدنا" یا "بمنزلة والدنا" بھی ہوسکتا ہے، جس سے تملق یا حسب ونسب میں ہیر پھیر نہیں بلکہ ادب وتکریم اور تعظیم واحترام مقصود ہے۔ اگر آپ کی نظر میں شیخ ابن بازؒ قابل احترام شخصیت کے مالک نہیں ہیں تو اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ دوسرے لوگوں کے نزدیک بھی وہ قابل احترام نہیں ہیں۔ احترام وتملق کی حد کی تعیین آپ کے ہاتھ میں نہیں بلکہ عرف عام کے ہاتھ میں ہے۔ کسی کی بزرگی کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے دادا، چچا اور بھائی وغیرہ کہنا عام طور پر رائج ہے۔ کیا آپ کے محلّہ کے کم عمر اور چھوٹے اپنے سے بڑے اور بزرگ لوگوں کو دادا، ابا، چچا اور بھائی نہیں کہتے؟ اسی طرح آپ کے خاندان کی عورتیں اپنے شوہروں کے والدین اور چچا وغیرہ کو ابا، اماں اور چچا کہہ کر نہیں پکارتی ہیں؟ بالکل پکارتی ہیں اس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ یہی سوال آپ وہاں دہرایئے، اور اپنے محلّہ کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے رشتہ کی نوعیت معلوم کرنے کی کوشش کیجئے، اور انجام بھی ملاحظہ کیجئے۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ آپ ایسا اپنے محلّہ کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ نہیں کریں گے، کیونکہ یہاں مسئلہ غیر مقلدین کا نہیں ہے۔ اور وہاں غیر مقلدین کا تھا اس لئے حیاء کا دبیز لبادہ اوڑھ کر اس قسم کا سوال پیدا کرنے اور بغض وحسد کی آگ میں جلنے والے دلوں کو سکون بہم پہنچانے میں کوئی عار نہیں محسوس ہوئی اور نہ ضمیر وایمان مانع ہوا۔ اگر یہی مسألہ اپنی برادری (مذہبین)

---

(۱) سورہ یوسف آیت نمبر ۸۲۔

(۲) تفسیر جلالین (ص ۱۹۷)

مقلدین کا ہو تو قول و عمل اور فکر و سوچ کا انداز یکسر تبدیل ہو جائے گا، غور فرمائیے!

ادباً و احتراماً غیر مقلدین شیخ ابن باز کو ''والدنا'' کہہ دیں تو ان کی ماؤں کی پاکدامنی پر سوالیہ نشان قائم ہو جائے گا لیکن ایک مقلد اور اس کی منکوحہ مقلدہ کے مابین بعد المشرقین والمغربین پایا جائے، دونوں کے درمیان اجتماع نہ ہوا ہو اور عورت بچہ جنم دے دے تو وہ اسی مقلد کا بچہ مانا جائے گا اور عورت کی پاکدامنی پر ذرہ برابر آنچ نہیں آسکتی۔ اس کے لئے ایسے دور از کار احتمالات بیان کئے جاتے ہیں جن کو سن کر شیاطین جن و انس بھی شرما جائیں۔(۱) رسول اکرم ﷺ کے ''باپ'' ہونے کی قرآن کریم میں نفی کی گئی ہے، ارشاد باری ہے: " ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله " (۲)

ترجمہ: محمد (ﷺ) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں البتہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔

اس کو بنیاد بنا کر یہ کہا گیا کہ جب رسول اکرم ﷺ کو ''والدنا'' نہیں کہا جا سکتا تو شیخ ابن باز کیونکر کسی کے ''والدنا'' بن سکتے ہیں۔ قیاس ہو تو ایسا! رسول اکرم ﷺ کی مثال نظر آ گئی۔ اس کی چنداں ضرورت نہیں محسوس کی گئی کہ معلوم کیا جائے کہ کس پس منظر میں یہ بات کہی گئی ہے اور اس نفی کا کیا معنی و مفہوم ہے؟ کیا دونوں صورتوں میں مشابہت

(۱) تاج بہشتی زیور (۴/۴۳) (لڑکے کے حلالی ہونے کا بیان) میں مذکور ہے:

''مسالہ نمبر ۱۰ میاں پردیس میں ہے اور مدت ہوگئی، برسیں گذر گئیں کہ گھر نہیں آیا اور یہاں لڑکا پیدا ہو گیا، (اور شوہر اس کو اپنا ہی بتاتا ہے) تب بھی وہ از روئے قانون شرع حرامی نہیں اسی شوہر کا ہے، البتہ اگر شوہر خبر پا کر انکار کر دے گا تو لعان کا حکم ہوگا''۔

جب مذکورہ مسالہ پر مختلف جہات سے اعتراضات کئے گئے تو ضمیمہ ثانیہ مسماۃ بہ تصحیح الاغلاط (۴/۷۱) میں مزید توضیح کی گئی ہے، اور توضیح میں جن امکانات کا اظہار کیا گیا ہے وہ حد درجہ مضحکہ خیز ہیں، ان امکانات میں بذریعہ کسی عمل مثل تسخیر جن وغیرہ کے یا بذریعہ کرامت کسی بزرگ کے وہ اپنی بیوی کے پاس پہونچ گیا ہو، یا اپنی بیوی کو اپنے پاس بلا لیا ہو اور کسی کو اس کی خبر نہ ہوئی ہو..........؟؟

(۲) سورۃ الاحزاب آیت ۴۰۔

پائی جاتی ہے؟ کہیں قیاس مع الفارق تو نہیں؟ آپ تو اپنے آپ کو قیاس کا ماہر اور اس کا ٹھیکیدار سمجھتے ہیں۔ اور فقہ حنفی کی گردان کرتے رہنے سے آپ کی عقل کے چودہ طبق روشن ہیں۔ اس کا آپ کو پورے فخر کے ساتھ اعتراف ہے۔ اَزواج مطہرات کی مثال کو بھی آپ سامنے رکھتے، جن کو قرآن کریم میں " وأزواجه أمهاتهم " (۱) کہا گیا ہے، اور شروع اسلام سے ہی تمام مسلمان آپ کی ازواج مطہرات کو ''اُمہات المومنین'' کہتے چلے آئے ہیں۔ حالانکہ ایک دوسری آیت میں بصراحت وارد ہوا ہے کہ ماں وہی ہے جس کے بطن سے انسان تولد ہوا ہے:

" إن أمهاتهم الا اللائی ولدنهم " (۲)

کیا اس آیت کو بنیاد بنا کر آپ جیسے پیکر شرم وحیاء حیاء کا لبادہ اوڑھ کر کچھ ارشاد فرمانے کی جسارت کریں گے؟ کیونکہ جو سوال آپ نے والد کہنے میں پیدا کیا ہے وہی سوال کسی کو ماں کہنے میں بھی اٹھایا جا سکتا ہے، اور شاید یہاں یہ ذکر کر دینا بیجا نہیں ہوگا کہ بعض شاذ قرأتوں میں " وأزواجه أمهاتهم " کے ماقبل یا مابعد " هو أب لهم " کا بھی ذکر ملتا ہے۔ (۳) شاذ قرأتوں کی بنیاد پر مسائل کا استنباط نہیں کیا جا سکتا لیکن آیات کی تفسیر میں ان سے استئناس کیا جا سکتا ہے اور مدد لی جا سکتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کی طرف بھی اشارہ حدیث اور علم حدیث کے شائقین کے لئے مفید ہوگا (ان شاء اللہ) جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " انما أنا لكم مثل الوالد لولده ...." الحديث.

(میں تمہارے لئے ایسے ہی ہوں جیسے باپ اپنے بیٹے کے لئے ہوتا ہے)

---

(۱) سورۃ الاحزاب (آیت ۶)، علامہ شوکانی مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "أي مثل أمهاتهم في الحكم بالتحريم ومنزلات منزلتهن في استحقاق التعظيم " اور امومت کو تعلق نہیں بلکہ ان سے حرمت نکاح اور ان کی تعظیم وتوقیر کے ساتھ مختص مانتے ہیں، ملاحظہ ہو فتح القدیر (ص ۴/۲۶۲)

(۲) سورۃ المجادلۃ (آیت ۲)

(۳) ملاحظہ ہو: تفسیر ابن جریر الطبری (۲۱/۱۲۲)، تفسیر القرطبی (۱۴/۱۳۳)، فتح القدیر (۴/۲۶۲)

دوسری روایت میں (مثل الوالد) کے بجائے (بمنزلة الوالد) ہے۔(۱)

ان نصوص کے بارے میں حضرات مذہبین (مقلدین) کا اللہ جانے کیا موقف ہوگا ؟ ہم اپنے لئے اللہ تعالی سے یہی دعا کرتے ہیں کہ کسی کی نفرت وعداوت میں ہمیں اندھا نہ بنائے اور اپنے حفظ وامان میں رکھے، آمین۔

شیخ ابن باز کی چمچہ گیری اور تملق کا غیر مقلدین (اہل حدیثوں) کو طعنہ دیا جاتا ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ شیخ ابن باز اور نجد وحجاز کے دیگر سلفی علماء کے گرد یہی طعنہ دینے والے موقع شناس اور موقع پرست حضرات زیادہ تعداد میں منڈلاتے، اور ان کے دسترخوان پر مع اپنے جبہ ودستار خوشہ چینی کرتے، نیز برصغیر کے اہل حدیثوں کے خلاف کان بھرتے نظر آتے ہیں۔ اور ضرورت پڑی تو خالص سلفی بن کر ان سے توصیہ وتزکیہ حاصل کرتے ہیں اور وہی کام انجام دینے کی تگ ودو میں مصروف نظر آتے ہیں جس کا مختلف محاذوں سے اہل حدیثوں کو طعنہ دیا جاتا ہے۔ اس کے لئے واضح ثبوت اور قطعی دلائل موجود ہیں، ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں یہاں جو بات عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ غیر مقلدین (اہل حدیث) شیخ ابن باز رحمہ اللہ کو "والدنا" کہیں تو اس میں ان کو (یعنی مقلدین کو) حد سے زیادہ تملق اور چمچہ گیری نظر آجاتی ہے لیکن انہی کے اسلاف میں سے کوئی اپنے پیرومرشد سے یہ آرزو وتمنا کرے کہ (کاش میں عورت ہوتا حضور کے نکاح میں) تو اسے عقیدت ومحبت کا نام دیا جاتا ہے اور ثواب کی بشارت بھی ملتی ہے۔(۲)

---

(۱) اس حدیث کو ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی اور ابوعوانہ وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند کو حسن قرار دیا گیا ہے، ملاحظہ ہو: مشکاۃ المصابیح (۱/۱۱۲ حدیث نمبر ۳۴۷ مع تعلیقات البانی)

(۲) آپ جانتے ہیں یہ "با سعادت مرید" کون ہیں؟ اور کس صاحب کمال ہستی کی منکوحہ بننے کی تمنا اور خواہش رکھتے ہیں، یہ ہیں خواجہ عزیز الحسن اشرف السوانح کے مصنف، جو مولانا تھانوی صاحب کے نہایت چہیتے مرید تھے، ان کی مذکورہ خواہش انہی کی زبان میں سماعت فرمالیجئے: "ایک بار میں نے شرماتے لجاتے حضرت سے عرض کیا، کہا: میرے دل =

ہم بھی انہی باحیا لوگوں کی طرح حیا کا لبادہ اوڑھ کر بہت کچھ کہہ اور لکھ سکتے ہیں لیکن ضمیر گوارا نہیں کرتا، دین وایمان اجازت نہیں دیتے، ورنہ آج کے ترقی یافتہ دور میں سرجری کا سہارا لیکر اس آرزو وتمنا کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کی تلقین کرتے۔ لیکن ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔ بدزبان، بے ادب، بے لگام اور دیگر شیریں القاب سے نوازے جائیں گے۔

قارئین کرام سے معذرت کے ساتھ اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اس مبحث کو یہیں ختم کرتا ہوں، اور یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں " مكره أخاك لا بطل " یہاں جو کچھ عرض کیا گیا بدرجہ مجبوری اور بادل نخواستہ کیا گیا ہے۔ اس قسم کی غیر مفید باتوں سے کچھ حاصل نہیں اور نہ ہم انہیں پسند کرتے ہیں، لیکن صبر کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ محض اہل حدیثوں سے اس طرح کے سلسلے کو بند کرنے کی اپیل کرنے والوں کو ذرا اس جانب بھی توجہ مبذول کرنا چاہئے، کیونکہ تالی صرف ایک ہاتھ سے نہیں بجتی، اور حدود کے اندر بحث ومناقشہ اور مسائل کی تنقیح وتمحیص ہمیشہ سے رہی ہے، اور رہے گی، اس کو ختم نہیں کیا جا سکتا، البتہ اس کے اثرات کو وسعت نہیں دینا چاہئے۔

سلف کی اتباع کیسے؟

جب ہم ائمہ سلف کی اقتداء اور ان کی اتباع کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو کسی ایک شخصیت کا پابند بنائے بغیر کتاب وسنت سے جن مسائل واحکام کو سلف نے سمجھا اور مستنبط کیا ہے انہیں اختیار کرنا۔ عقیدہ وسلوک، عبادات ومعاملات تمام دینی امور میں، بالخصوص ان امور میں جو بعد میں چل کر غیر اسلامی

= میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ (کاش میں عورت ہوتا حضرت کے نکاح میں) اس اظہار محبت پر حضرت والا غایت درجہ مسرور ہوکر بے اختیار ہنسنے لگے، اور یہ فرماتے ہوئے مسجد کے اندر تشریف لے گئے، یہ آپ کی محبت ہے، ثواب ملے گا، ثواب ملے گا''۔

اشرف السوانح (۲/ ۱۲۸ ادارہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون) نیز ملاحظہ ہو: ''تبلیغی جماعت حقائق ومعلومات کے اجالے میں'' مولفہ ارشد القادری (ص ۶۲)

تاثیرات کا شکار ہو کر مختلف فیہ مسائل بن گئے، ان کے افکار ونظریات، آراء واقوال کو نہ صرف تسلیم کرنا بلکہ کتاب وسنت کا فہم حاصل کرنے کے لئے انہیں مشعل راہ بنانا، عملی زندگی میں ان کے طور وطریق کو اپنانا اور ان کے نقش قدم پر چلنا۔

معمولی صلاحیت رکھنے والا شخص بھی اتباع سلف یا اقتداء سلف کا یہی مفہوم جانتا اور سمجھتا ہے، اور یہی سلفی نسبت رکھنے والوں کا دعوی بھی ہے۔ لیکن شامی عالم ڈاکٹر محمد سعید رمضان بوطی نے اتباع سلف یا اقتداء سلف کا کچھ اور ہی مفہوم بتلایا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''اتباع سلف کا مطلب یہ نہیں کہ سلف کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات یا مسائل میں یا ان کے اختیار کردہ جزوی مواقف میں اپنے کو محصور کرلیا جائے۔ اس لئے کہ خود سلف نے ایسا نہیں کیا ہے۔ بلکہ سلف کی اتباع نصوص کی تفسیر وتاویل میں جن اصول وضوابط کو فیصل کے طور پر انہوں نے تسلیم کیا ہے، اور اساسیات وفروع میں اجتہادات واستنباطات کے جو اصول وضوابط انہوں نے متعین کئے ہیں ان کو اپنا کر ہو سکتی ہے''۔

یہاں ایک ضروری سوال از خود پیدا ہوتا ہے کہ مشار الیہ اصول وضوابط اور قواعد کی حقیقت کیا ہے؟ اور کب ان کی تشکیل ہوئی؟ اس سوال کا جواب موصوف خود ہی بڑی وضاحت سے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مذکورہ قواعد اصول فقہ کے قواعد ہیں جو مکمل طریقے سے عربی زبان اور اس کے اسلوب ومزاج پر اعتماد کرتے ہیں، اور ان قواعد کا استنباط اور ان کی تشکیل امام محمد بن ادریس شافعی (۱۵۰-۲۰۴ھ) کے عہد میں ہوئی''۔(۱)

یہ حقیقت ہے کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ نے ہی سب سے پہلے اصول فقہ کے قواعد وضع کئے ہیں۔ اور امام موصوف کا زمانہ ان پہلی تین صدیوں میں جن کو بعد کی تمام صدیوں پر افضلیت وبرتری حاصل ہے اور جن کو لائق اقتداء سلف کے زمانے کی حیثیت سے جانا

---

(۱) السلفية مرحلة زمنية (ص ۱۲) مطبوعہ دار الفکر دمشق ۱۴۰۸ھ۔

جاتا ہے سب سے آخری کڑی ہے۔ لہذا ایک مزید دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ تمام قواعد کہاں گئے جن پر امام شافعی سے پہلے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین اعتماد کرتے تھے، تاکہ ہم یہ کہہ سکیں کہ انہی قواعد وضوابط کی روشنی میں صحابہ کی اقتداء کرتے ہیں۔

کاش ڈاکٹر بوطی صاحب قدرے توقف فرما کر امام شافعی رحمہ اللہ کے وضع کردہ اصول وضوابط پر غور کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ امام شافعی بھی ائمہ سلف میں سے ہی ایک امام ہیں، جنہوں نے اپنے پیش رو علماء کے نہج اور اصول پر کتاب وسنت کی دعوت وتبلیغ میں پوری زندگی صرف کردی۔ لیکن توقع کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر بوطی صاحب خود ایک علمی منہج پیش کررہے ہیں جس کے بارے میں موصوف کا اعتقاد ہے کہ اسلامی تعلیمات کی بجا آوری اور کامل طور سے اسلام پر عمل پیرا ہونے کے لئے اس منہج کا اپنانا اشد ضروری ہے۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

''عقیدہ وسلوک دونوں اعتبار سے اسلام کو بجالانے کے لئے تین مرحلوں سے گذرنا لازم ہے'':

۱۔ رسول اکرم ﷺ سے وارد اور ثابت شدہ نصوص (خواہ قرآن کریم کی شکل میں ہو یا احادیث کی شکل میں) کی صحت پر مکمل اطمینان حاصل کر لینا، تاکہ ان کے بارے میں یقین کامل ہو جائے کہ ان کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی جانب درست ہے، اور آپ پر گھڑے ہوئے نہیں ہیں۔(۱)

---

(۱) موصوف سلفیت سے عداوت ودشمنی میں اس حد کو پہونچے ہوئے ہیں کہ ان کو یہ احساس ہی نہیں رہا کہ وہ اپنی نوک قلم سے کیا لکھ رہے ہیں۔ کیا قرآن کریم کے بارے میں بھی اس بات کی ضرورت باقی ہے کہ اس کی صحت کی معرفت حاصل کر کے اطمینان حاصل کیا جائے؟ ایسے شخص کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو اس بات کا عقیدہ رکھتا ہو کہ آیات قرآنیہ کی تمحیص وتمییز پر عقل کو قدرت حاصل ہے؟ کیا ایسے دو شخصوں کی کوششوں کو یکساں طور پر صحیح قرار دیا جائے گا جن میں سے ایک قرآن کریم کے صحیح نصوص کی معرفت کا خواہاں ہے، اور دوسرا سنت کے صحیح نصوص کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے، موصوف کی سلفیت دشمنی معلوم کرنی ہو تو عید عباسی کی تالیف کردہ کتاب " بدعة التعصب المذهبي " ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

۲- دوسرا مرحلہ: نصوص کے معانی و مفاہیم سے پوری دقت کے ساتھ اس حد تک آگاہی حاصل کر لینا ہے کہ اطمینان کامل ہو جائے کہ ان نصوص سے یہی معانی اور مفاہیم مقصود ہیں۔

۳- تیسرا مرحلہ: نصوص کے معانی و مفاہیم کی بحث و تمحیص اور چھان پھٹک اور ان کے بارے میں عقل کا موقف معلوم کرنے کے لئے ان کے خلاصہ اور نتائج کو عقل و منطق کے معیار پر پرکھنا ہے۔ اور منطق سے میری مراد درایت و معرفت کے قواعد ہیں۔(۱)

اس کے بعد موصوف نے ہر مرحلہ کی مختلف جزئیات پر تفصیلی بحث کی ہے اور پورے مجموعہ کو علمی منہج کا نام دے کر اسے کتاب و سنت کے نصوص کو سمجھنے میں ضروری قرار دیا ہے۔ مذکورہ منہج اور طریق کار کی جزئیات پر غور کرنے سے بغیر کسی شک و شبہ کے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نصوص کی تفسیر و تشریح یا ان کے قبول یا عدم قبول میں آخری فیصلہ کا اختیار عقل و منطق کو حاصل ہے۔ درحقیقت یہ طریق کار اور منہج متکلمین مبتدعین (خوارج و معتزلہ، اشاعرہ وغیرہ) کا ہے جو شرعی نصوص کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ جن نصوص کو عقل جائز قرار دیتی ہے ان کو قبول کرتے ہیں، اور جو ان کی عقل سے یا ان کے خود ساختہ منطقی اصول و ضوابط ــــــ جن کو وہ قواعد مسلمہ کا نام دیتے ہیں ــــــ سے متصادم معلوم ہوتے ہیں، ان میں تاویل، ان کے معانی کے ابطال، اور بعض ابواب میں ان پر عمل سے توقف یا اسی جیسے مختلف تصرفات سے کام لیتے ہیں بلکہ ان کو رد کر دینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ائمہ سلف کا کبھی بھی یہ موقف نہیں رہا ہے۔

حدیث کی متواتر اور آحاد کی تقسیم کے وقت بھی ڈاکٹر بوطی صاحب نے شرعی نصوص کے مقابلہ میں اپنے تعقل پسندانہ رویہ کا اعادہ کیا ہے۔ خبر آحاد کے سلسلے میں عقل کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) السلفية مرحلة زمنية (ص ۶۳)

''خبر کی اس دوسری قسم کو صحیح کہا جاتا ہے، ترجیحی اعتبار سے نہ کہ جزم ویقین کے اعتبار سے۔ اس پر عقل مطمئن ہوتی ہے اور اعتماد کرتی ہے۔ لیکن اس قسم کی احادیث میں بعض راویوں کی بھول چوک، غلطی اور غفلت کا احتمال عقلاً برقرار رہتا ہے۔ شروط صحت کے پیش نظر اگر چہ یہ احتمال حد درجہ ضعیف ہوتا ہے پھر بھی یہ احتمال قائم رہتا ہے''۔

اور اسی احتمال کی وجہ سے ڈاکٹر بوطی صاحب اور ان کے ہم نوا خبر آحاد کے بارے میں شروط صحت پائے جانے کے باوجود یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں:

''عقائد کے باب میں خبر آحاد کی بنیاد پر لازمی حجت قائم نہیں ہوسکتی، لہذا اس طرح کی صحیح احادیث کے مفہوم ومضمون پر یقین نہ رکھنے کی انسان کو گنجائش رہتی ہے، اور اس سے اس کے ایمان واسلام پر کوئی آنچ نہیں آسکتی۔ البتہ عدالت وثقاہت مجروح ہوسکتی ہے، اور اس کا یہ عمل موجب فسق ہوسکتا ہے''۔

اور اس کی علت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''چونکہ اعتقاد ایک غیر ارادی انفعال کا نام ہے، وہ کوئی اختیاری عمل نہیں ہے اس لئے اگر عقل اپنے سامنے کوئی چیز پاتی ہے جو اسے کسی امر پر منفعل ہونے اور اس کے یقین کرنے پر مجبور کرتی ہے تو عقل لامحالہ غیر ارادی طور پر اس یقین کے رنگ میں رنگ جاتی ہے۔ اس میں اس کے اپنے ارادہ واختیار کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اور اگر اپنے سامنے ایسی کوئی چیز نہیں پاتی جو اس کو منفعل کر کے یقین واذعان پر مجبور کرے تو ضروری طور پر وہ شک وشبہ اور ظن وتخمین کے مقام پر توقف کرے گی''۔(۱)

یہاں قارئین خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ایسے ایمان وعقیدہ کی کیا اہمیت ہوسکتی ہے جس میں انسان کو اپنے ارادہ یا اختیار کی گنجائش نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس ایمان وعقیدہ پر اپنے آپ کو مجبور اور غیر ارادی طور پر منفعل پاتا ہے۔ اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو کس بنیاد پر اس کو جزا وثواب حاصل ہوگا۔ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور جملہ علماء سلف کا

(۱) السلفية مرحلة زمنية (ص ٦٦)

ایمان رسول اکرم ﷺ کے لائے ہوئے پیغام کی تسلیم وتصدیق نہیں تھا؟؟ کبھی جانتے ہیں کہ انہوں نے زبردستی کسی خارجی دباؤ میں آکر اسلام نہیں قبول کیا تھا اور نہ ہی انہوں نے اپنے آپ کو ایمان لانے پر مجبور پایا تھا، بلکہ ان کے پاس رب کی کتاب اور رسول کی سنت خود انہی کی زبان میں پہونچی جس کو انہوں نے سمجھا اور پرکھا، اس میں انہیں صداقت وحقانیت نظر آئی لہذا وہ مشرف بہ ایمان واسلام ہوئے، ایمان لائے اور اس کی تصدیق کی اور کہا:

"ربنا إننا سمعنا مناديا ينادي للايمان أن آمنوا بربكم فآمنا ربنا فاغفر لنا ذنوبنا وكفر عنا سيئاتنا وتوفنا مع الأبرار" (آل عمران:۱۹۳)

ترجمہ: مالک ہمارے! ہم نے ایک پکارنے والے کی سنی (یعنی حضرت محمد یا قرآن کی) جو ایمان کی منادی کرتا ہے (کہتا ہے) ایمان لاؤ اپنے پروردگار پر، تو ہم ایمان لائے، مالک ہمارے! ہمارے گناہوں کو بخش دے، اور ہماری برائیاں اتار دے، اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمیں موت دے۔

اللہ تعالی نے ان کے ایمان کو شرف قبولیت بخشا اور ان سے اجر وثواب کا وعدہ فرمایا: "فاستجاب لهم ربهم أني لا أضيع عمل عامل منكم من ذكر أو أنثى ، بعضكم من بعض" (آل عمران:۱۹۵)

ترجمہ: پھر اللہ تعالی نے ان کی دعا اس طرح سے قبول کی (فرمایا) میں تم میں سے کسی کام کرنے والے کا (نیک) کام اکارت (ضائع) نہیں کرنے کا، مرد ہو یا عورت، سب برابر ہیں۔

اور فرعون کا ایمان قابل قبول نہیں ہوا جس وقت اس نے اضطراری طور پر ایمان قبول کیا اور موسی علیہ السلام کے رسالت کی تصدیق اس وقت کی جب اس نے اپنے آپ کو انفعالی طور پر یقین وایمان پر مجبور پایا۔ لہذا اس کو نہ تو ثواب ہی حاصل ہوا اور نہ اس کا

ایمان ہی مقبول ہوا۔ارشاد ربانی ہے:

"وجاوزنا ببني إسرائيل البحر ، فأتبعهم فرعون وجنوده بغيا وعدوا حتى إذا أدركه الغرق ، قال : آمنت أنه لا اله الا الذى آمنت به بنو إسرائيل ، وأنا من المسلمين ، الآن وقد عصيت قبل ، وكنت من المفسدين". (یونس:۹۰-۹۱)

ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا، پھر فرعون اور اس کا لشکر شرارت اور زیادتی کے لئے ان کے پیچھے لگا، جب ڈوبنے لگا تو کہہ اٹھا (اب) میں ایمان لایا کہ نہیں ہے کوئی معبود (برحق) مگر وہی ذات جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔ اور میں (اس کا) تابعدار ہوں، کیا اب (ایمان لایا) اور پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فسادیوں میں کا ایک فسادی تھا"۔

ڈاکٹر بوطی صاحب کے کلام سے کوئی بھی شخص واضح طور پر یہی نتیجہ اخذ کرسکتا ہے کہ موصوف خلف کے طریقۂ کار اور منہج کو جس میں عقل کو کتاب وسنت پر فوقیت حاصل ہے، سلف کا منہج اور طریقۂ کار بنا کر پیش کرنا اور مسلط کرنا چاہتے ہیں جبکہ خلف کا منہج سلف کے منہج کے بالکل منافی ومخالف ہے۔منہج سلف میں عقل کو کبھی بھی کتاب وسنت کے نصوص پر فوقیت نہیں حاصل ہوسکتی، کیونکہ دین کے معاملات میں عقل کا کوئی دخل نہیں ہے۔جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے واضح طور پر فرمادیا ہے:

"لو كان الدين بالرأى لكان أسفل الخف أولى بالمسح من أعلاه وقد رأيت رسول الله ﷺ يمسح على ظاهر خفيه". (۱)

ترجمہ: اگر دین عقل ورائی کے ذریعہ ثابت ہوتا تو موزے کا نچلا حصہ بہ نسبت اوپری حصہ کے مسح کا زیادہ مستحق ہوتا حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزے کے اوپری حصے پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(۱) ابوداؤد، کتاب الطہارۃ (۱/۱۱۴-۱۱۵، حدیث نمبر ۱۶۲)

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام میں بعض دیگر ادیان کی طرح عقل کو بیکار اور مہمل قرار دے دیا گیا ہے۔ ہر گز نہیں، بلکہ اسلام میں عقل کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر آیات کریمہ میں عقل کو استعمال کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اس کی ایک حد اور اس کا دائرۂ عمل ہے، اسی حد اور دائرہ میں رہ کر ہی اس کو استعمال کیا جا سکتا ہے دینی امور کی تشریع یا دینی قوانین وضوابط کی تشکیل عقل کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ لہذا اس کی بنیاد پر کوئی مسئلہ نہیں قائم کیا جا سکتا ہے یا اس کی بنیاد پر کسی آیت یا صحیح حدیث کی قبولیت یا عدم قبولیت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا ہے۔

''سلفی'' نسبت جائز یا ناجائز؟

اس وضاحت کے بعد کہ سلف کی اتباع ضروری اور لازم ہے مناسب ہوگا کہ اس نقطہ پر بھی روشنی ڈال دی جائے کہ ''سلف'' کی نسبت کر کے اپنے آپ کو انفرادی یا اجتماعی طور پر ''سلفی'' کہنا شرعی حیثیت سے جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ یہ بھی لوگوں کے لئے موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ خاص طور سے ان حضرات کے لئے جو ائمہ سلف یا خلف، عرب یا عجم میں سے کسی ایک شخصیت کو اپنا آئڈیل بنا کر اسی میں اپنے آپ کو محصور کئے ہوئے ہیں۔ ان کو اس نسبت پر بڑا اعتراض ہے، کیونکہ اس سے بدعت کی بو آتی ہے۔ ان کے خیال کے مطابق اس سے تحزب، گروہ بندی اور امت اسلامیہ کی صفوں میں انتشار وافتراق کو ہوا ملتی ہے۔

کتنی مضحکہ خیز اور ساتھ ہی مبنی بر ظلم بات ہے کہ پوری امت کے افراد کو عقائد واعمال، اخلاقیات وسلوکیات کے اعتبار سے مختلف فرقوں، جماعتوں، شخصیتوں اور شہروں میں تقسیم کر دیا جائے، تو وہ عین اسلام ہے اس سے امت کی وحدت پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ چنانچہ امت کا ایک فرد بیک وقت فروعی مسائل میں حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی، عقائد میں اشعری، ماتریدی، معتزلی یا کلابی وغیرہ؛ سلوک وطریقت میں قادری، نقشبندی،

سہروردی یا چشتی وغیرہ؛ اس کے بعد بھی مزید قاسمی، دیوبندی، رضاخانی، بریلوی یا کچھوچھوی وغیرہ سبھی کچھ ہوسکتا ہے۔ اس سے نہ تو بدعت کی بو آتی ہے اور نہ ہی امت کی صفوں میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر اصول وفروع، اخلاقیات وسلوکیات ہر اعتبار سے امت کو اتباع سلف کی دعوت دی جائے، اور ان کی طرف اپنے آپ کو منسوب کر کے سلفی نسبت اختیار کرلی جائے تو ساری قباحتیں یکجا طور پر لوگوں کو نظر آنے لگتی ہیں۔ اس سے بدعت کی بو بھی آنے لگتی ہے اور امت کا شیرازہ بھی منتشر ہونے لگتا ہے۔ "

ڈاکٹر محمد سعید رمضان بوطی صاحب نے اس سلسلے میں "السلفية مرحلة زمنية مباركة لا مذهب إسلامي" (۱) کے نام سے ایک کتاب ہی لکھ ڈالی ہے۔ موصوف نے اس کتاب میں بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ "یہ بات نہایت غلط ہے کہ لفظ "سلف" گھڑ کر "سلفیت" کی اصطلاح اسلامی شریعت کی تاریخ میں رائج کیا جائے، اور اسے مابہ الامتیاز عنوان کی حیثیت دے کر اس کے تحت مسلمانوں کی ایک مخصوص جماعت کو شامل مانا جائے"۔

یہی نہیں بلکہ موصوف نے اس کو واضح طور پر بدعت شمار کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"اگر ہم یہ کہیں تو حقیقت سے تجاوز نہیں کریں گے کہ مذکورہ اصطلاح اپنے ان جدید مفاہیم کے ساتھ جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا دین میں ایک بدعت ہے، جس سے سلف وخلف میں سے کوئی بھی آشنا نہیں ہے"۔ (۲)

اس جرأت قلمی پر بے ساختہ زبان سے یہی نکلتا ہے: سلفیت کی اصطلاح یا سلف کی طرف انتساب کو غلط قرار دے کر اسے بدعت کا نام دینا، اور دین کا تیا پانچا کر کے اصول وفروع اور سلوک ومعرفت میں مختلف شخصیات کے ناموں سے امت محمدیہ کی لاتعداد فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کو عین اسلام تصور کرنا، اور اسلامی شریعت کی تاریخ کا

---

(۱) یعنی "سلفیت نام ہے ایک بابرکت تاریخی عہد کا نہ کہ کسی اسلامی مذہب کا" اس کتاب پر صوت الامۃ میں ایک عربی اہل قلم نے نقد وتبصرہ کیا ہے جو قابل دید ہے، جامعہ سلفیہ نے اسے کتابی شکل میں بھی شائع کیا ہے۔

(۲) السلفية مرحلة زمنية ..... (ص ۱۳)

جزء قرار دینا حد درجہ تعجب خیز ہونے کے ساتھ نہایت ہی مبنی بر ظلم حکم ہے، جو دلی خلش کی بنیاد پر صادر کیا گیا ہے۔

یہ ایک قرآنی حقیقت ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے آخری دین کے لئے اسلام کا نام پسند فرمایا ہے۔ ارشاد فرماتا ہے:

" الیوم أکملت لکم دینکم وأتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا " (سورۃ المائدہ:۳)

ترجمہ: ''آج میں نے تمہارا دین پورا کر دیا، تم پر اپنا احسان تمام کر دیا، اور دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا''۔

اور اسلام کے ماننے والوں کو ''مسلمین'' کے نام سے یاد کیا ہے۔ ایک جگہ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

" ملة أبیکم إبراھیم ھو سماکم المسلمین من قبل وفی ھذا " الآیــة (سورۃ الحج:۷۸)

ترجمہ: یہ دین تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے، اسی نے پہلے سے (قرآن اترنے سے پہلے) تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، اور اس (قرآن) میں بھی۔

حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

" تداعوا بدعوی اللہ الذی سماکم المسلمین المؤمنین عباد اللہ " (۱)

ترجمہ: ''اللہ تعالی کے رکھے ہوئے ناموں ''مسلمین''، مومنین، عباد اللہ'' کے ذریعہ آپس میں ایک دوسرے کو پکارو''۔

جب اللہ رب العزت نے امت محمدیہ کے لئے اسلام، اور اس سے مشتق

(۱) ترمذی، کتاب الامثال (۵/ ۱۴۸ حدیث نمبر ۲۸۶۳، ۲۸۶۴)، مسند ابی یعلی ۳/ ۱۴۰-۱۴۲ حدیث نمبر ۱۵۷۱)، یہ حدیث صحیح ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مشکاۃ المصابیح مع تعلیق الالبانی (۲/ ۱۰۹۴ نمبر ۳۶۹۴) والسنن الواردۃ فی الفتن للدانی (۱/ ۴۰۰ حدیث نمبر ۱۴۰)

''مسلم'' (مسلمان) کا لقب منتخب کیا اور پسند فرمایا ہے، تو اس لقب کے بعد مزید کسی دوسرے لقب کی ضرورت کیسے اور کیوں پیش آئی؟

اس کی معرفت کے لئے ہمیں پیچھے لوٹ کر فتنۂ کبری خلیفہ راشد سوم حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اس پر مرتب ہونے والے اثرات پر غور کرنا ہوگا۔ اس کی جانب تمہید میں اجمالی طور پر اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد امت مسلمہ مختلف جماعتوں اور کیمپوں میں منقسم ہوگئی، ابتداءً یہ اختلافات سیاسی نوعیت کے تھے جو بعد میں چل کر دینی شکل اختیار کر گئے، اور اسی کے بعد سے نئی نئی جماعتوں اور فرقوں کا ظہور ہونے لگا۔

ہر جماعت اور ہر فرقہ اپنے آپ کو اسلام کا علمبردار کہتا اور اسلام سے وابستگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے کو حق ثابت کرتا۔ لہذا علماء کرام نے باطل فرقوں اور راہ حق سے برگشتہ جماعتوں سے اہل حق کو ممتاز کرنے کے لئے ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کی اصطلاح ایجاد کی۔ اس اصطلاح سے خوارج، اہل تشیع، روافض اور معتزلہ وغیرہ سے تمیز مقصود تھی۔ اس اصطلاح سے تمام علماء حق راضی اور متفق تھے۔ لیکن ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کے مابین بھی اختلافات رونما ہوئے۔ فلسفہ اور علم الکلام سے اشتغال رکھنے کی وجہ سے مختلف مکاتب فکر اور جماعتیں ظہور پذیر ہوئیں جنہوں نے اپنے لئے الگ الگ اصول وضوابط متعین کئے، اور ''اہل السنۃ والجماعۃ'' سے وابستگی ظاہر کرتے ہوئے ہر ایک نے اپنے آپ کو کتاب وسنت کا حامل وعلمبردار قرار دیا۔ لہذا ان تمام باطل اور منحرف جماعتوں اور مکاتب فکر سے امتیاز کے لئے اہل حق نے لفظ ''سلف'' کا انتخاب کرتے ہوئے اس کی طرف اپنی نسبت کی۔ تو جس طرح ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کی اصطلاح ایک ضرورت کے تحت ایجاد کی گئی تھی اسی طرح ''سلف'' اور ''سلفی'' کی اصطلاح بھی ایک ضرورت کے تحت ایجاد کی گئی ہے۔

اگر ہم اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ سلفیت یا سلفی دعوت کا مفہوم خالص اسلام اور سنت نبوی کی دعوت ہے، اس اسلام کی طرف واپس لوٹنے کی دعوت ہے جو اسلام نبی

اکرم ﷺ لیکر اس دنیا میں تشریف لائے تھے اور جس کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے آپ سے حاصل کیا تھا۔ اگر سلفیت کا یہی مفہوم ہے اور حقیقتاً یہی ہے بھی، تو سلفی دعوت حق ہے۔ اس کی طرف انتساب بھی حق ہے۔ لہذا سلفی نسبت اختیار کرنے میں شرعی اعتبار سے کوئی قباحت نہیں۔ ایسے شخص کے بارے میں جو یہ کہتا ہے: میں مذہب سلفی پر قائم ہوں، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''ایسے شخص کو مطعون نہیں کیا جائے گا جو مذہب سلف کے التزام کو ظاہر کرتا ہے اور مذہب سلف کی طرف اپنا انتساب کرتا ہے، باتفاق آراء اس کی اس بات کو قبول کیا جائے گا، اس لئے کہ سلف کا مذہب حق ہے''۔(۱)

اور موصوف خود اپنی بعض تصنیفات میں ان لوگوں کو جو اللہ تعالی کی فوقیت یعنی اس کے مستوی علی العرش ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں ''سلفی'' لقب سے یاد کیا ہے۔(۲)

اسی طرح علامہ ذہبی بھی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ولقد نصر السنة المحضة والطريقة السلفية، واحتج لها ببراهين ومقدمات لم يسبق إليها ..... "

یعنی ابن تیمیہؒ نے سنت محضہ اور سلفی طریقہ کی حمایت کی، اور اس کے لئے ایسے دلائل اور مقدمات سے احتجاج کیا جو ان سے پہلے کسی سے بھی بن نہ آئے تھے۔(۳)

علامہ ابن خلدون نے بھی قدیم علماء متکلمین کے کارناموں کو سراہتے ہوئے عقل و منطق کی روشنی میں سلفی عقائد کا دفاع اور ان کی صحت کا اثبات ان کا عظیم کارنامہ بتلایا ہے اور ایک سے زائد بار ''العقائد السلفیۃ'' کا استعمال کیا ہے۔(۴)

---

(۱) مجموع الفتاوی (۱۴۹/۴)

(۲) بیان تلبیس الجهمیة (۱۲۲/۱)

(۳) ملاحظہ ہو: مقالات داؤد غزنوی (ص ۲۵۵، ۲۳۱)

(۴) مقدمہ ابن خلدون (ص ۴۹۶، ط: دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط: ۴، ۱۳۹۸ھ)

کتاب وسنت کا التزام کرنے والے اور دفاع سنت میں شہرت رکھنے والے متعدد معاصر اہل علم وفضل نے "سلفیت" اور "سلفی" نسبت کا استعمال کیا ہے۔

مثال کے طور پر شیخ عبدالرحمٰن بن یحیٰ معلمی رحمہ اللہ (م ۱۳۸۶ھ) نے اپنی کتاب "القائد الی تصحیح العقائد" میں (۱)، محدث عصر علامہ محمد ناصرالدین البانی رحمہ اللہ نے "مختصر العلو" (۲) "التوسل" (۳) نیز "شرح العقیدۃ الطحاویۃ" کے مقدمہ (۴) میں، عصر حاضر کے جلیل القدر عالم باعمل شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ "تنبیهات هامة على ما كتبه محمد على الصابونی فی صفات الله عزوجل" (۵) میں اسی طرح متعدد اہل علم وفضل نے منہج سلف اور طریقۂ سلف پر گامزن لوگوں کے حق میں "سلفی" یا "سلفیین" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ اس میں ان کو شرعی اعتبار سے کوئی حرج نہیں محسوس ہوا اور نہ ہی ان کو کوئی قباحت نظر آئی۔ حائل (سعودی عرب) کے ایک عالم ڈاکٹر عبداللہ بن صالح عبیلان جو دعوت وتبلیغ سے منسلک ہیں اپنے ایک انٹرویو میں اہل حق کی تمیز کے لئے "اہل السنۃ والجماعۃ" کے علاوہ مزید کسی لقب کی ضرورت سے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس سلسلے میں سب سے پہلی بات جس کا جاننا ضروری ہے یہ ہے کہ ہم القاب کو باعث تقرب الی اللہ نہیں سمجھتے، ہم "اہل السنۃ والجماعۃ" کے لقب کو اس لئے اہمیت دیتے ہیں کہ ہمارے سلف صالح نے اس کو اہمیت دی ہے اور حقیقت میں وہی (اہل حق کی) جماعت ہے۔ لہٰذا جو انہوں نے کہا وہی تم بھی کہو، جس سے وہ باز رہے تم بھی اس سے باز رہو۔ انہوں نے اس نام کو مستحسن قرار دیا، اور دیکھا کہ یہ نام ان کو مبتدعہ اور گمراہ لوگوں سے الگ کرتا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں قرآن میں کہا گیا ہے: "هو سماكم المسلمين من قبل وفي هذا" بالکل یہی مسئلہ "لفظ "سلف"،

(۱) صفحات: ۴۷، ۵۱، ۵۵، ۱۱۹۔
(۲) ص ۱۲۲۔
(۳) ص ۱۵۶، ط: الدار السلفیۃ الکویت۔
(۴) ص ۵۷۔
(۵) ص ۳۴-۳۵۔

''سلفی'' اور ''سلفیون'' کا بھی ہے''۔

موصوف نے مزید کہا:

''اگر ہم اپنے آپ کو سلفی کہتے ہیں تو بوقت ضرورت دوسروں سے تمیز کے لئے، جس طرح اللہ رب العزت نے انصار کو لفظ ''انصار'' سے ممتاز کیا، اور مہاجرین کو لفظ مہاجرین'' سے۔ اور اس تمیز پر وہ راضی ہوا۔ جبکہ انصار و مہاجرین دونوں ہی ایک امت تھے، اور سب کے سب مسلمان تھے، لہذا اگر ہم کو تمیز کی ضرورت پیش آئی تو (اپنے آپ کو ''سلفی'' کے لقب سے) ممتاز کر سکتے ہیں''۔(۱)

ایک محقق ڈاکٹر محمد باکریم لفظ سلفیت کے استعمال پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس نسبت کے استعمال پر میں نے قدیم وجدید کسی ایسے عالم کو نکیر یا اعتراض کرتے ہوئے نہیں پایا جو بذات خود سنت کا التزام کرتا ہو اور سنت کی دعوت دیتا ہو۔ اس اصطلاح کو استعمال کرنے یا اس کی طرف انتساب کے جواب میں کم از کم اتنا تو ضرور ہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک اصطلاح ہے، اور اصطلاح کے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، (لا مشاحة فی الاصطلاح) جبکہ واضح طور پر یہ معلوم ہے کہ اصلاً اس کا معنی درست ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے نقل کیا جا چکا ہے''۔(۲)

یہاں محمد ابراہیم شقرہ کا قول نقل کر دینا مناسب ہوگا۔ موصوف لفظ ''سلفیت'' کے استعمال پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''(صورتحال یہ ہے کہ) لفظ ''سلفیت'' نے ایک علمی اصطلاح کی حیثیت سے اپنے آپ کو منوالیا ہے، جس کو تاریخ نے بھی برقرار رکھا اور امت نے بھی مرور زمانہ کے ساتھ اس کو قبول کیا ہے۔ یہاں تک کہ ہم نے کہنے والے کو کہتے ہوئے سنا (حالانکہ ان کا یہ کہنا درست نہیں ہے): "طریقة السلف أسلم، وطریقة الخلف أعلم وأحکم" (۳) لہذا اس لفظ کو بطور ایک ٹھوس، ہمہ گیر علمی اصطلاح کی حیثیت سے

---

(۱) مجلۃ الفرقان، الکویت مجریہ بابت شوال ۱۴۱۷ھ شمارہ ۸۳ (ص ۲۷)

(۲) وسطیۃ اھل السنۃ (ص ۱۰۷) (مقالہ برائے پی، ایچ، ڈی)

(۳) یعنی ''سلف کے طریقہ میں (دین وایمان کی) سلامتی زیادہ پائی جاتی ہے، اور خلف کے طریقہ میں زیادہ علم اور زیادہ =

استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے''۔

جو حضرات ''سلفیت'' کے استعمال پر اس دلیل کی بنیاد پر قدغن لگانا چاہتے ہیں کہ اس سے امت میں اختلاف وانتشار پیدا ہوتا ہے، ان کے جواب میں موصوف لکھتے

= پختگی پائی جاتی ہے''۔ معنی ومفہوم اور نتیجہ پر غور کئے بغیر ایک مسلمہ حقیقت کی حیثیت سے اس مقولہ کو دہرایا جانے لگا۔ مبنی برفساد مذکورہ مقولہ کی بنیاد متاخرین کا یہ نظریہ ہے کہ سلف کتاب وسنت کے الفاظ پر بغیر فہم وادراک کے ایمان رکھتے تھے جبکہ خلف (متاخرین) ان کا فہم وادراک حاصل کرنے کے بعد ہی ان پر ایمان رکھتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خلف کا طریقہ اور منہج جو عقل ومنطق کے معیار پر پورا اترتا ہے سلف کے طریقہ ومنہج سے افضل وبرتر ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مذکورہ مقولہ کی اس کے مفہوم اور اس پر مرتب ہونے والے نتیجہ کی وضاحت کرتے ہوئے سخت ترین لہجے میں تردید کی ہے، لکھتے ہیں: ''اس کا مفہوم یہی نکلتا ہے کہ: اسلام اور اس کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا جائے۔ جن لوگوں نے یہ بات کہی ہے انہوں نے درحقیقت طریقہ سلف پر بہتان تراشی کی ہے اور طریقہ خلف (جو یونانی فلسفہ کا چربہ ہے) کی تصحیح کرکے اپنی جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ اس طرح انہوں نے سلف پر بہتان تراشی کرکے طریقہ سلف سے جہالت وناواقفیت، اور طریقہ خلف کی تصحیح وتصویب کرکے جہالت وگمراہی کو اپنے یہاں اکٹھا کیا ہے''۔ موصوف مزید فرماتے ہیں: ''یہ بالکل محال بات ہے کہ قرون مفضلہ یعنی عہد نبوی، عہد صحابہ اور عہد تابعین کے لوگ عقیدہ کے باب میں حق مبین سے ناواقف اور اس کو زبان سے ادا کرنے والے نہیں تھے۔ کیونکہ اس کا یہی مفہوم نکلتا ہے کہ وہ حق بات سے یا تو جاہل اور حق بات کہنے والے نہیں تھے، یا پھر حق کے خلاف عقیدہ رکھنے والے اور سچ کے خلاف کہنے والے تھے۔ اور یہ دونوں باتیں بالکل ممنوع اور محال ہیں۔ پہلی بات اس لئے محال ہے کہ عقیدہ کے باب میں بحث وجستجو اور حق کی تلاش ومعرفت ہر اس شخص کا اولین مقصد ومطلب حیات ہے جس کے یہاں زندگی کی ادنی رمق، علم کی طلب، اللہ کی عبادت اور اس کے تقرب کی ادنی خواہش پائی جائے گی۔ میری مراد ان امور کی وضاحت ہے جن کو بطور عقیدہ اپنانا ضروری ہے نہ کہ رب اور اس کے صفات کی کیفیت وحقیقت کی وضاحت ہے، آلائشوں سے پاک نفوس امور عقیدہ سے بڑھ کر کسی دوسری چیز کی معرفت کا شوق ہی نہیں رکھتیں، یہ ایسا معاملہ ہے، جس کی فطرت ووجدان بھی شہادت دیتے ہیں، اس قسم کے قوی ترین سبب کے پائے جانے کے باوجود کس طرح یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ یہ پاک طینت نفوس اس مقصد سے پیچھے رہ سکتی ہیں۔ یہ تو بلید ترین شخص اور اللہ تعالی سے اعراض کرنے والا بھی نہیں سوچ سکتا۔ اور دوسری بات کہ وہ حق کے خلاف عقیدہ رکھنے والے اور حق کے خلاف کہنے والے تھے تو اس کا کوئی مسلمان فرد یا صاحب عقل جو ان کی حالت سے واقف ہے نہیں کہہ سکتا.... اس قسم کی بات وہی غبی شخص کہہ سکتا ہے جس کو سلف صالحین کے مقام ومرتبہ بلکہ اللہ ورسول اور مومنین کے مقام ومرتبہ کی صحیح معرفت نہیں حاصل ہے''۔ (الفتوی الحمویۃ الکبری (ص ۱۲-۱۳: بتصرف)۔ بہر حال سلف کا طریقہ اسلم ہونے کے ساتھ اعلم واحکم بھی ہے، اس کے مخالف تمام طرق غلط، راہ حق سے بھٹکے ہوئے اور ناقابل اتباع ہیں۔

ہیں:

''شافعیت اور حنفیت کی نسبت اختیار کرنے میں اختلاف وافتراق کی بو کیونکر نہیں آتی ؟ صرف سلفیت کے استعمال میں ہی اختلاف کی بو کیوں آتی ہے؟ حالانکہ سلفیت جملہ ائمہ کرام اوران کے مذاہب کو شامل ہے۔مختلف اجیال،نسلوں اور صدیوں خواہ وہ گذر چکی ہوں یا آنے والی ہوں سب کو محیط ہے۔ ہر زمانے اور ہر مکان کا احاطہ کئے ہوئے ہے''۔(۱)

موصوف مزید لکھتے ہیں:

''سلفیت کو ایک بابرکت زمانی مرحلہ قرار دینا اور یہ کہنا کہ یہ مبارک مرحلہ پہلی تین صدیوں کے گذر جانے سے ختم ہو گیا ایک قابل نکیر، باطل، دلیل سے عاری دعوی ہے۔ہمیں یقین کی حد تک یہ معلوم ہے کہ سلفیت تمام زمان ومکان کو شامل ہے، جو اپنے خیرات وعطیات کے ساتھ باعزت طریقے سے راہ حق پر اس طرح گامزن ہے کہ اس کے متبعین اللہ کی محافظت ونگرانی میں ہیں، یہاں تک کہ جماعت اپنے مبلغ اول اور آخری رسول حضرت محمد ﷺ سے اپنی دونوں اصل کتاب وسنت کے ساتھ حوض وکوثر پر ملاقات کرے۔(ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض)(۲)

---

(۱) ھی السلفیة (ص۱۹)

(۲) ھی السلفیة (ص۳۴)

(۲)

سلفیت کی ابتداء

اگر ہم اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ سلفیت یا سلفی دعوت کتاب وسنت پر مبنی خالص اسلام کی دعوت ہے، جو اسلام رسول اکرم ﷺ لے کر اس دنیا میں تشریف لائے تھے، اور جس کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ سے حاصل کیا تھا جو ہر طرح کے بیرونی اثرات سے پاک وصاف تھا، اس اسلام کی طرف لوٹنے کی دعوت کا نام سلفیت ہے (اور در حقیقت یہی ہے بھی خواہ ہم تسلیم کریں یا نہ کریں) تو یہ دعوت اتنی ہی پرانی ہے جتنا پرانا اسلام ہے، یہ بعد کی پیداوار نہیں ہے، جیسا کہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ البتہ لفظ "سلفیت" یا "سلفی" کا استعمال بطور اصطلاح "اہل السنۃ والجماعۃ" کی طرح نیا ہے۔ جس ضرورت کے تحت اہل السنۃ والجماعۃ کا وجود عمل میں آیا اسی ضرورت کے تحت سلفیت کا وجود بھی ظہور پذیر ہوا۔ لیکن اس کی تحدید وتعیین کہ کب اور کہاں یہ اصطلاح رائج ہوئی، قدرے مشکل امر ہے۔ تاہم اتنا طے ہے کہ یہ قدیم اصطلاح ہے، اس کو عصر حاضر کی پیداوار بتلانا، یا شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی اصلاحی تحریک سے مربوط کرنا، یا مغربی استعمار سے منسلک کرنا قطعاً ناروا، غیر ذمہ دارانہ اور اوچھی حرکت ہے۔

"سلفی" کی لغوی واصطلاحی تشریح کے وقت علامہ سمعانی (متوفی ۵۶۲ھ) اور علامہ ابن الاثیر (متوفی ۶۳۰ھ) سے نقل کیا جا چکا ہے کہ لفظ (سلفی) "سلف اور اتباع مذاہب سلف کی طرف منسوب ہے"۔ اور دونوں نے ہی اپنے اپنے زمانے میں اس نام سے ایک جماعت کے وجود کی خبر دی ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ چھٹی صدی ہجری میں، بلکہ اس سے بھی ماقبل "سلف" کے نام پر ایک جماعت کا وجود رہا ہے۔ اور اس نسبت سے بعض اہل علم معروف بھی تھے، چنانچہ طاش کبری زادہ نے تاریخ علوم وفنون پر اپنی معروف ومشہور کتاب "مفتاح السعادۃ" میں ابواسحاق ابراہیم بن عمر الربعی الجعبری السلفی کا تذکرہ کیا ہے اور لفظ "السلفی" کا ضبط کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"بفتحتين نسبة إلى طريقة السلف" ابواسحاق ابراہیم بن عمر الجعبری السّلفی کی وفات ۷۳۲ھ میں ہوئی۔ (۱)

ڈاکٹر مصطفیٰ حلمی لکھتے ہیں: ''اصطلاح سلف کا اس وقت ظہور ہوا جب اصول دین (عقائد) کے باب میں متکلمین کے مختلف فرقوں کے مابین نزاع کا ظہور ہوا'' (۲)

سلفی مکتب فکر کے اصول وقواعد کی تحدید وتعیین کے سلسلے میں مزید لکھتے ہیں:

''اہل کلام کے مختلف فرقے جب آپس میں باہم دست وگریبان ہوئے اور ہر ایک کی یہ کوشش رہی کہ اپنے کو سلف سے منسوب کرے تو سلفی مکتب فکر کے لئے ایسے واضح اور دوٹوک اصول وضوابط کی نشاندہی ضروری تھی جس سے مدعیان سلفیت کی تمیز ہو سکے اور جو اسلامی عقائد کا صحیح فہم اور ادراک حاصل کرنے کے لئے رہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہوں''۔ (۳)

اسلامی مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے بعض متاخر اہل قلم نے ''سلفیت'' کی تعریف میں لکھا ہے کہ یہ امتیازی حیثیت رکھنے والی ایک جماعت ہے، جو اس نام سے مشہور ہو گئی ہے، درحقیقت یہ امام احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مکتب فکر کا امتداد ہے جس کا ظہور چوتھی صدی ہجری میں ہوا، اور ساتویں صدی ہجری میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور بارہویں صدی ہجری میں شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے ہاتھوں اس کی تجدید ہوئی۔ ان کا کہنا ہے کہ اس جماعت نے خود اپنے لئے اس نسبت کو منتخب اور اختیار کیا ہے۔ (۴)

لیکن شیخ محمد ابراہیم شقرہ سلفیت کو ایک قدیم اصطلاح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ اصطلاح ان لوگوں کی ایجاد کردہ نہیں ہے جو ابتداءً اس نسبت سے معروف ہوئے۔ اور یہی فرق ہے سلفیت کی نسبت رکھنے والوں اور دیگر اسلامی جماعتوں اور تحریکوں کے مابین جو اپنے مؤسسین اور بانیوں کے اختیار کردہ ناموں سے موسوم کی جاتی ہیں۔

کوئی بھی شخص جس کو سلفیت کی حقیقت اور اس کی تاریخ سے آشنائی حاصل ہو گی

---

(۱) مفتاح السعادة ۲/۴۶

(۲) قواعد المنہج السّلفی (ص ۲۵۳)

(۳) ایضاً

(۴) ملاحظہ ہو: تاریخ المذاہب الاسلامیة مؤلفہ محمد ابوزہرہ (ص ۱۸۷)، اسلام بلا مذہب مؤلفہ ڈاکٹر مصطفیٰ شکعہ (ص ۴۹۹-۵۰۰)

اسے اچھی طرح یہ بھی معلوم ہوگا کہ یہ مکمل اسلام کی جانب نسبت ہے خواہ احکام وآداب کا معاملہ ہو یا اخلاق وعقائد کا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"یا أیها الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافة "(البقرة:۲۰۸)

ترجمہ: مسلمانو! پوری مسلمانی میں آجاؤ۔

اور جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء المهدیین الراشدین من بعدی عضوا علیها بالنواجذ ، وایاکم ومحدثات الأمور ، فان کل محدثة بدعة ؛ وکل بدعة ضلالة "(۱)

ترجمہ: میری سنت اور میرے بعد ہدایت یاب خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، (بلکہ) اسے دانتوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑلو۔ اور (دین میں) نئی باتوں سے بچو، (اس لئے کہ) (دین میں) ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی وضلالت ہے۔

اور اس معنی میں سلفیت پر کسی ایک مخصوص جماعت ـــــ جو اس نام سے از خود یا دوسروں کے دیئے ہوئے لقب کی بنا پر معروف ہے ـــــ کی اجارہ داری نہیں ہے۔

لہٰذا دلائل کی روشنی میں اگر یہ بات پایہ ثبوت کو پہونچ جاتی ہے کہ تمام ائمہ مذاہب سلفی تھے، تو متعصب مقلدین مذاہب کو کسی اچنبھے کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ انہیں سلفی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نقش قدم پر گامزن تھے، اور وہ اس نسبت سے عصر حاضر کی اسلامی جماعتوں اور تحریکوں سے کئی صدیاں پہلے معروف تھے، جبکہ اسلامی ممالک مختلف فرقوں کے فتنوں میں مبتلا تھے۔ لہٰذا ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ اسلام سلفیوں کے رہنما اور سردار ہیں؛ جس طرح وہ ان لوگوں کے رہنما وسردار ہیں جو اس نسبت کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے، بلکہ سلفیوں سے عداوت ودشمنی کو شرعی فریضہ، اخلاقی ذمہ داری اور دینی شرافت تصور کرتے ہیں"۔ (۲)

سابقہ وضاحتوں سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ یہ ایک قدیم اصطلاح ہے، اور زمانہ قدیم سے اس نام سے ایک جماعت کا وجود رہا ہے۔ کم از کم علامہ

---

(۱) ملاحظہ ہو: سنن أبي داؤد، کتاب السنة، باب لزوم السنة (۵/۱۳ حدیث نمبر ۴۶۰۷ تحقیق عزت الدعاس)، وسنن الترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی الأخذ بالسنة (۵/۴۴ حدیث نمبر ۲۶۷۶)۔

(۲) ھی السلفیة (ص ۱۸-۱۹)

سمعانی جن کی وفات سنہ ۵۶۲ھ میں ہوئی ہے کے عہد میں یا اس سے ماقبل سلفیوں کی جماعت موجود تھی۔

اسی سے ڈاکٹر بوطی جیسے لوگوں کے بلند و بانگ دعووں:

☆ ''تلاش بسیار اور بحث و جستجو کے باوجود اسلام کے پچھلے کسی دور میں بھی یہ نام نہیں سنائی دیتا''۔

☆ ''تاریخ اسلام کی چودہ صدیاں گذر گئیں لیکن ہم نے کسی امام یا عالم کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ ایک مسلم فرد کے راہ ہدایت پر گامزن ہونے کی دلیل سلفی مذہب کی طرف اس کے انتساب میں مضمر ہے''(۱) کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

اور اسی سے ان کے ظن و تخمین اور شک و شبہ کی بھی ادنی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے کہ ''اس شعار - یعنی سلفیت - کے ظہور کی ابتداء شاید مصر میں اس وقت ہوئی جب انگریز استعمار ملک پر قابض تھا، جس وقت جمال الدین افغانی اور محمد عبدہؒ کی قیادت والی دینی اصلاحی تحریک کا ظہور ہوا''(۲)

مذکورہ شعار کی مزید توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس اصلاحی تحریک نے جو شعار بلند کیا تھا وہ سلفیت کا شعار تھا، جس کا مطلب تھا ان تمام خرافات و بدعات، عزلت و گوشہ نشینی اور دنیا سے فرار جیسے غلط اور مخالف اسلام امور کو ترک کرنے کی دعوت دینا، جنہوں نے اسلام کی طہارت و پاکیزگی کو مکدر اور گدلا بنا کر رکھ دیا تھا''۔

مزید تحریر فرماتے ہیں:

''ہر زمانے میں حقیقت اسلام کی صحیح ترجمانی کرنے والے ان صاف ستھرے اور

---

(۱) السلفیۃ مرحلۃ زمنیۃ (ص ۲۳۱)

یہاں ڈاکٹر بوطی صاحب کی غلط بیانی ملاحظہ ہو، کسی بھی سلفی عالم نے کبھی بھی یہ نہیں کہا ہے کہ راہ حق پر گامزن ہونے کی دلیل محض سلفیت کی نسبت اختیار کرنے میں مضمر ہے، بلکہ ڈاکٹر جیلان صاحب سے یہ نقل کیا جا چکا ہے کہ ہم اسماء والقاب کو تقرب الی اللہ اور حصول ثواب کا ذریعہ اور وسیلہ نہیں سمجھتے، البتہ طریقہ سلف کو اختیار کرنے کے سلسلے میں علماء سلف کے بیشمار اقوال ملتے ہیں۔ چند اقوال سابقہ سطور میں نقل کئے جا چکے ہیں، ان کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

(۲) ایضاً

عظیم معانی کو لفظ ''سلف'' یا ''سلفیت'' کے بجائے کسی دوسرے شعار سے بھی مربوط کیا جا سکتا تھا۔اور کیا خود لفظ ''اسلام'' سے بھی زیادہ کوئی موزوں اور صحیح لفظ ان معانی کی ترجمانی کے لئے ہو سکتا ہے'' ؟(۱)

کیا یہ تناقض نہیں ہے؟ ''سلفی'' کی تعریف میں موصوف نے کیا کہا ہے، اسے نقل کیا جا چکا ہے، اسے ملاحظہ فرمائیں۔اور یہاں جو کچھ فرما رہے ہیں، اس سے موازنہ کیجئے۔ موصوف کی تضاد بیانی از خود واضح ہو جائے گی۔جن امور کی سلفیت میں دعوت دی جاتی ہے انہیں حقیقت اسلام کی صحیح ترجمانی کرنے والے عظیم اور صاف ستھرے معانی قرار دے رہے ہیں، یہی نہیں بلکہ آگے چل کر موصوف اپنی اسی کتاب میں بالکل برعکس موقف اختیار کر لیتے ہیں، اور جارحانہ تنقید سے رجوع کرتے ہوئے سلفیوں کو برادرانہ طور پر نصیحت اور ان کو اپنے عقیدہ و مذہب پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہنے کی تلقین کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور خود اپنے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ بھی شخصی طور پر انہی آراء و مذاہب پر نہ صرف قانع و مطمئن ہیں بلکہ ان کو اختیار بھی کرتے ہیں اور ان کا دفاع بھی کرتے ہیں''۔(۲)

اس سے بجا طور پر یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ موصوف کو صرف لفظ ''سلفیت'' سے چڑ ہے۔تو کیا موصوف اس بات کی ضمانت دے سکتے ہیں کہ سلفیت کے بجائے اگر کوئی دوسرا لفظ اختیار کیا جاتا تو اسے اپنی منظوری دے دیتے ؟؟

مشاہدات و تجربات کی روشنی میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ سلفیت کے بجائے کوئی دوسرا لفظ بھی اختیار کیا جاتا تو بھی منظوری نہیں حاصل ہوتی، کیونکہ برصغیر کی جماعت نے اپنے لئے اہل حدیث، محمدی، موحد، اہل الاثر وغیرہ جیسے پاکیزہ صاف ستھرے الفاظ جو سلف سے منقول ہیں منتخب کیا پھر بھی بارگاہ تقلید میں ان کو پذیرائی نہیں حاصل ہو سکی، مبغوض ہی رہے، بلکہ منبوذ (اچھوت) قرار پائے (۳) ان ناموں کے اختیار کرنے پر انہیں ڈاکو، غاصب، اور نہ جانے کن کن القاب وآداب سے نوازا گیا بلکہ حد درجہ تیکھے لہجہ میں ان کو

---

(۱) السلفیۃ مرحلۃ زمنیۃ (ص ۲۳۳)

(۲) ایضاً (ص ۲۴۶) نیز ملاحظہ ہو: التعریف بکتاب السلفیۃ مرحلۃ زمنیۃ ۔(ص ۲۵-۲۶)

(۳) مسائل غیر مقلدین (ص ۲۴۹)

مشورہ دیا گیا کہ آپ یہ نام بھی رکھ لیجئے، وہ نام بھی رکھ لیجئے۔ یہاں تک کہا گیا کہ اپنا نام قادیانی رکھ لیجئے، وہ اپنے کو احمدی کہتے ہیں اور آپ محمدی ہیں۔

خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو (۱)

اس مہذب و مخلصانہ مشورہ پر ہم شکریہ ادا کرنے کے علاوہ کچھ عرض کرنے سے بروقت قاصر ہیں۔ ہوسکتا ہے آگے چل کر کچھ عرض کریں۔ اس وقت اتنا ہی عرض کریں گے کہ کیا یہی مشورہ آپ تیسری، چوتھی صدی ہجری کے علماء سلف کو بھی دیں گے اگر حوالہ کے ساتھ آپ کو یہ بتلا دیا جائے کہ وہ بھی اپنے کو محمدی، اہل حدیث، اہل الاثر کہلانا پسند کرتے تھے ؟؟

اسلامی ناموں یا القاب پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے کہ اگر کوئی جماعت یا فرد اپنے لئے کوئی نام منتخب کرے تو دوسرا اس کو ڈاکو، غاصب قرار دے۔ اگر آپ کو یہ نام بھلے لگتے ہیں ـــــ اور الحمدللہ یہ تمام نام دیگر ناموں کے مقابلے میں بہت ہی بھلے ہیں ـــــ تو آپ بھی ان کو اپنا لیجئے۔ کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور نہ ہونا چاہئے۔ لیکن شاید ہی آپ ان کو اختیار کریں، کیونکہ آپ منبوذ بننا پسند نہیں فرمائیں گے۔ آپ نے اپنی گردن میں ایک ایسا جوا پہن رکھا ہے جو کبھی بھی آپ کو ان ناموں کے اختیار کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔

اور جہاں تک لفظ ''اسلام'' کا تعلق ہے، تو اس سے زیادہ موزوں اور صحیح کوئی دوسرا لفظ ہرگز نہیں ہوسکتا، اسی بنا پر اللہ تعالی نے ہمارے لئے بطور دین اسی لفظ کو پسند فرمایا ہے۔ کیا بوطی صاحب اور برصغیر میں ان کی ہم نوائی کرنے والے حضرات اس کی توجیہ بیان کر سکتے ہیں کہ اسلام کی موزونیت اور صحت کے باوجود انہوں نے حنفیت وشافعیت، اشعریت وماتریدیت، نقشبندیت وقادریت، چشتیت وسہروردیت، دیوبندیت وبریلویت، قاسمیت ورضاخانیت وغیرہ وغیرہ القاب کیوں اختیار کئے، صرف اسلام پر کیوں نہیں اکتفا کیا؟؟

---

(۱) غیر مقلدین کی ڈائری (ص ۱۸۷)

جو جواب ان کا ہوگا وہی جواب ان شاء اللہ ہمارا بھی ہوگا۔

لفظ ''سلفیت'' کے رواج پر بحث کرتے ہوئے بوطی صاحب رقم طراز ہیں:

''وہابی مذہب اور مصر میں اٹھنے والی دینی اصلاحی تحریک کی دعوت کے مابین ایک قدر مشترک تھی، دونوں ہی بدعات وخرافات خصوصاً متصوفانہ بکواس کے خلاف برسر پیکار تھے، اس لئے وہابی مذہب کے اساطین علماء کے مابین بھی لفظ سلف اور سلفیت کو رواج حاصل ہوگیا''۔

آگے مزید لکھتے ہیں:

''تاکہ لوگوں کو یہ باور کراسکیں کہ اس مذہب کے افکار ونظریات محمد بن عبدالوہاب پر موقوف نہیں ہیں بلکہ سلف سے ماخوذ ہیں اور انہوں نے اس مذہب کو اختیار کر کے سلف کے افکار ونظریات، ان کے عقائد، اسلام کے فہم اور اس کی تطبیق میں علماء کے منہج وطریق کار کی حفاظت ونگہداشت کی ہے''۔ (۱)

قارئین کرام ڈاکٹر بوطی صاحب کے ان چند اقتباسات سے جو یہاں نقل کئے گئے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ موصوف کو سلفیت کی تردید میں کتنے تقلبات اختیار کرنے پڑے، اور کتنے پینترے بدلنے پڑے ہیں۔ ابتداءً چند مشاہدات کو بنیاد بنا کر ''سلفی'' کی غیر عادلانہ تعریف بیان کی، پھر سلفیت کے اصول ومبادی کو سراہتے ہوئے سلفیوں کو ان پر جمے رہنے کی تلقین کی، اور پھر لفظ سلفیت کے استعمال پر اعتراض کیا، اس کے بعد سلفیت کو استعمار سے مربوط کرنے کی کوشش کی۔ اور جب یہ احساس ہوا کہ سلفیت کا وجود استعمار سے بہت پہلے بھی تھا تو ان کو یہ غم کھا گیا کہ سلفیت کو وہابیوں کے یہاں رواج حاصل ہوا، اور وہابیوں نے سلفیت کا استعمال یہ باور کرانے کے لئے کیا کہ وہ مذہب سلف پر گامزن ہیں۔ منہج سلف کے وہی حامی وپاسدار ہیں۔ اگر سلفیت کا رواج وہابیوں میں ہوگیا تو کیا یہ لفظ مکروہ ہوگیا؟ کتنی پھسپھسی، معیارِ تحقیق سے گری ہوئی غیر علمی بات ہے۔ اور یہ کہ شیخ

---

(۱) السلفیۃ مرحلۃ زمنیۃ (ص ۲۳۵، ۲۳۶)

محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اوران کے اتباع سے بڑھ کر کون بعد کے دور میں علماء سلف کے طریق کار، ان کے اصول ومبادی اوران کے عقائد ونظریات کی حمایت وحفاظت کا دعویدار ہوسکتا ہے؟ اگرانہوں نے اس کا دعوی کیا تو بالکل بجا طور پر کیا بلکہ وہی اس کے حقیقی دعویدار ہیں ۔ بعض غرض مند اہل قلم برصغیر کے اہلحدیثوں کو جنہوں نے علماء سلف کی اختیار کردہ مختلف نسبتوں سمیت سلفیت کو بھی بطور ایک نسبت اختیار کر رکھا ہے نفاق سے متہم کر رہے ہیں ۔ان کا کہنا ہے کہ سعودیہ اور دیگر خلیجی ممالک کی دولت نے ان کی آنکھوں کو خیرہ کردیا ہے، اسی دولت کے حصول کی غرض سے انہوں نے سلفیت کا لبادہ اوڑھ لیا ہے، ورنہ حقیقتاً وہ سلفی نہیں ہیں ۔(۱)

شاید ان حضرات کو برصغیر کے اہلحدیثوں کی تاریخ معلوم نہیں ہے، یا معلوم ہے لیکن غلط پروپیگنڈوں کے ذریعہ لوگوں کو بدظن کرنا اور تاریخ کو مسخ کر کے پیش کرنا مقصود ہے ۔ان کے علم کے لئے عرض ہے کہ ہندوستان کے اہلحدیثوں کا ابتداء ہی سے حکومت سعودیہ عربیہ سے تعلق رہا ہے جو محض تعاون علی البر والتقوی کی بنیاد پر قائم تھا، اور اسی تعلق کی بناء پر انہوں نے ملک عبدالعزیز رحمہ اللہ کی حجاز پر قبضہ مکمل ہوجانے کے بعد مکمل تائید کا نہ صرف اعلان کیا تھا بلکہ مادی ومعنوی تقویت بھی بہم پہونچانے کی کوشش کی تھی، جبکہ دوسرے حضرات ان کے خلاف پروپیگنڈوں میں مصروف تھے ۔ دستاویزات کے ذریعہ اس کے ثبوت فراہم کئے جاسکتے ہیں ۔ ابتداءً اس حکومت کے پاس دولت کی اتنی فراوانی نہیں تھی کہ کہا جاسکے کہ حصول دنیا کی خاطر انہوں نے ایسا کیا تھا ۔اس حکومت کے قیام کے وقت یا اس کے پہلے سے ہی سلفیت کے نام پر افراد کا، تعلیمی وغیر تعلیمی اداروں کا وجود رہا ہے جبکہ پٹرو ڈالر کی چمک دمک پردۂ خفا میں تھی، چنانچہ مدرسہ سلفیہ دربھنگہ کا قیام مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ کے ہاتھوں ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۸ء میں عمل میں آیا تھا اور جب مدرسہ احمدیہ آرہ مولانا عبداللہ غازیپوریؒ کے دہلی چلے جانے کے بعد بے رونق ہوگیا

(۱) ملاحظہ ہو: مسائل غیر مقلدین (۴۵)، وقفۃ مع اللامذھبیۃ (ص ۲۹، ۳۰)

تو مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ نے اسے دربھنگہ منتقل کر کے مدرسہ سلفیہ میں ضم کر دیا اور اس کا نام (دارالعلوم احمدیہ سلفیہ) دربھنگہ رکھا۔(۱) سلفیہ کے اضافے کا سبب احمدیوں (مرزائیوں) سے اشتباہ کو دور کرنا تھا۔اسی طرح مطبع سلفی دربھنگہ کے نام سے ڈاکٹر سید محمد فرید رحمہ اللہ نے ۱۹۳۳ء میں ایک پریس قائم کیا تھا جس میں دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کا ترجمان ماہنامہ مجلّہ سلفیہ شائع ہوتا تھا۔(۲) جو ایک عرصہ تک جاری رہا اور بعد میں (اخبار الہدی) ہفت روزہ میں تبدیل ہو گیا۔

عربی زبان کے نامور ادیب مولانا عبدالعزیز میمنی رحمہ اللہ جنہوں نے تقریباً ۹۰ سال کی عمر میں ۱۹۷۸ء میں وفات پائی اپنی نسبت میں ''سلفی اثری'' لکھا کرتے تھے، جیسا کہ آپ کی مختلف تالیفات اور تحقیقات کے سرورق اور تمہیدی کلمات کے اخیر میں دیکھا جا سکتا ہے۔واضح ہو کہ ان میں بعض کی طباعت ۱۳۴۲ھ، ۱۳۴۳ھ اور ۱۳۴۵ھ میں عمل میں آئی ہے جبکہ آپ کی اپنی تحریرات کی تاریخ اس سے ماقبل کی ہے۔(۳) کیا اس بے لوث شخص کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس نے سلفی نسبت کسی مقصد کے حصول کی خاطر اختیار کی تھی۔

شہر بنارس میں مقیم ریاست ٹونک کے زبردست عالم صاحب علم وفضل مولانا عبدالکریم تھے جو اپنے لئے ''سلفی'' نسبت اختیار کئے ہوئے تھے، سید احمد شہید کے تربیت یافتہ اور اسماعیل شہید (رحمہم اللہ) کے شاگرد تھے۔

۱۸۴۰ء میں بنارس آئے، ۱۸۵۷ء میں بنارس میں رہنا دوبھر ہو گیا تو گجرات چلے گئے، بعض لوگوں کے کہنے کے مطابق بنارس ہی میں ۱۲۸۶ء میں انتقال کیا، آپ اہل حدیث تھے، فن نحو پر آپ نے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔(۴)

---

(۱) تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینے میں (ص ۴۹۲)

(۲) أیضاً (ص ۵۵۱)

(۳) بطور مثال ملاحظہ ہو: رسالة الملائكة، فائتت شعر ابی العلاء، ابن رشیق۔

(۴) رسالہ سہیل بنارس جون ۱۸۸۸ء کے حوالے سے وفیات الاعلام کے حاشیہ نغمۂ دل مؤلفہ صوفی عبداللہ بن محمد بن زاہد=

گرانقدر کتاب ''تحریک آزادئ فکر اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تجدیدی کارنامے'' جو ایک مخصوص طبقے کے لئے حلق کا کانٹا بنی ہوئی ہے کے مؤلف ''مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہؒ'' جن کی وفات پچاس سالہ مجاہدانہ زندگی گزارنے کے بعد ۱۹۶۸ء میں ہوئی، سلفی نسبت رکھتے تھے۔ کیا ان کے بارے میں بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں پٹرو ڈالر کی چمک دمک سے متاثر ہو کر سلفیت کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا؟ اگر اللہ تعالیٰ نے گویائی اور قلم کی طاقت دی ہے تو اس طرح کی ہرزہ سرائی کر کے اس نعمت کا شکر ادا نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح مولانا عبدالحق محدث بنارسیؒ (ف ۱۲۸۶ھ) جو آج تک ایک مخصوص حلقے کی جانب سے مسلسل ناوک افگنی کا نشانہ بنتے چلے آرہے ہیں، بقول مولانا مسعود عالم ندوی رحمہ اللہ ایک ''متبع سنت سلفی عالم'' تھے۔(۱)

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ابھی تو برصغیر کے اہل حدیث ہی متہم تھے اپنی سلفیت میں، اب تمام وہابیوں کی سلفیت (جس کو بجا طور پر اس زمانے میں سلفیت کا علمبردار سمجھا جاتا ہے) کو بھی اتہام کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا گیا۔ باقی بچے وہ حضرات جو بغض وحسد، نفرت وکینہ کے باوجود اہل حدیث وسلفی علماء کے پاس مختلف مقاصد کے تحت توصیہ وتزکیہ لینے آتے ہیں اور ان میں سے بیشتر حضرات توصیہ حاصل کر کے اور سلفی بن کر سعودی جامعات میں داخلہ لیتے ہیں یا تعاقد کرا کر سلفیت کے خلاف دعوت وتبلیغ کے نام پر محاذ کھڑا کرتے ہیں۔ ایک نہیں اس کی دسیوں مثالیں دی جا سکتی ہیں اور اس زمرے میں خود غیر مقلدین کی ڈائری تیار کرنے والے حضرات بھی شامل ہیں۔ دوسروں کو نفاق، یا پٹرو ڈالر کی چمک دمک سے متاثر ہونے کا اتہام لگانے سے قبل اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے اخلاص وتقویٰ کا بھی جائزہ لینا چاہئے، جو محض زبان کی درازی یا جبہ ودستار کی سفیدی

= صدیقی (۱۳۳۲ھ) (ص ۳۶) میں آپ کے حالات زندگی مذکور ہیں، مذکورہ کتاب (نغمۂ دل) جناب سلام اللہ صدیقی، بنارس کے یہاں محفوظ ہے، مذکورہ بالا تفصیلات مولانا محمد یونس مدنی استاذ جامعہ سلفیہ بنارس کے بیاض سے ماخوذ ہیں۔

(۱) مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے افکار وخیالات پر ایک نظر (ص ۷۶)

سے نہیں بلکہ عمل و کردار سے پیدا ہوتا ہے۔ پہلے اپنے اندر اخلاص وتقوی پیدا کیجئے، اس کے بعد دوسروں کو منافق، خائن او غیر دیانتدار قرار دیجئے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر اخلاص ودیانت داری کے وصف سے متصف ہوتے تو اس قسم کے احکام صادر کرنے سے پہلے سوچ لیتے اور غور کر لیتے کہ اس طرح کے احکامات صادر کرنے کا اختیار کس کو حاصل ہے جن کا تعلق دلوں سے (بہ نسبت ظاہر کے) زیادہ ہے۔ اور دلوں کا حال اللہ تعالی کے علاوہ صحیح طور پر کوئی نہیں جان سکتا۔

قارئین حضرات! ڈاکٹر بوطی صاحب سے نقل کئے گئے اقتباسات اور ان نمائندہ تحریروں کے مابین اگر بنظر غائر موازنہ کریں گے؛ جو ہندوستان سے غیر مقلدیت کو ختم کرنے کا خدائی دعوی کرنے والے ٹولہ کی جانب سے آج کل منظر عام پر آرہی ہیں تو ان کے مابین کئی امور میں قدر مشترک نظر آئے گی، جس سے واضح طور پر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس دھما چوکڑی میں اپنی طرف سے کوئی نئی بات نہیں پیش کی جارہی ہے، بلکہ لوگوں کے چبائے ہوئے لقموں کو چبایا جارہا ہے۔ معاملہ اس حد تک پہونچا ہوا ہے کہ نیش زنی اور طعن وتشنیع کے لئے یکساں الفاظ بھی منتخب کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ سلفیت یا عدم تقلید کے رد میں ڈاکٹر بوطی صاحب نے ایک کتاب بنام "اللامذهبية أخطر بدعة تهدد الشريعة" لکھی تھی۔ یہاں بھی ایک کتاب "وقفة مع اللامذهبية" کے نام سے منظر عام پر آئی ہے، جو ایک مخصوص طبقے میں بڑی تحسین کی نگاہ سے دیکھی جارہی ہے اور اسے بڑا سراہا جارہا ہے۔ کتاب میں جن مسائل سے تعرض کیا گیا ہے اور غیر مقلدوں کو آئینہ دکھانے کی جو کوشش کی گئی ہے وہ اپنی جگہ پر، آئندہ کسی موقعہ سے ان کا بھی جائزہ لیا جائے گا، لیکن ان سے کہیں زیادہ کتاب میں اہلحدیثوں کے خلاف مغلظات کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اگر حساب لگایا جائے تو شاید ان کا تناسب دوگنا سے بھی بڑھ جائے۔ ہمیں کتاب میں جو حقائق ہیں ان کے اعتراف میں کوئی پس وپیش نہیں ہوگا، لیکن غیر مقلدین کو آئینہ دکھاتے وقت آئینہ دکھانے والوں نے اپنی آنکھوں پر تقلید ہی کی عینک لگا رکھی تھی، لہذا

یرقان زدہ شخص کی طرح جس کو ہر چیز زرد نظر آتی ہے ان کرم فرما حضرات کو بھی یہی نظر آتا ہے کہ ہم بھی اپنے علماء کے مقلد ہیں یا یہ کہ ہماری نظر میں علماء معصوم ہیں۔ کتاب وسنت پر دعویٔ عمل کے بعد ان سے غلطی کا صدور ممکن نہیں۔ ائمہ اربعہ جن کی تقلید کو آج فرض کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے اگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری جن آراء کو کتاب وسنت سے تم متصادم پاؤ انہیں چھوڑ دو، دیوار پر دے مارو تو متاخرین علماء کے یہاں اس کا امکان بدرجۂ اولی ہوسکتا ہے کہ دعویٔ عمل بالکتاب والسنۃ کے باوجود ایسے بعض اقوال وفتاوی پائے جائیں جو کتاب وسنت کے مخالف ہوں۔ اس سے ان کے دعویٔ عمل بالکتاب والسنۃ پر کوئی آنچ نہیں آسکتی جس طرح ائمہ کرام کے عمل بالکتاب والسنۃ پر کوئی آنچ نہیں آئی۔

میں عرض کر رہا تھا کہ ڈاکٹر بوطی صاحب اور برصغیر کی ایک مخصوص جماعت کے مابین سلفیت یا عدم تقلید کے رد میں کئی امور میں مشابہت پائی جاتی ہے، ذیل میں انہیں بعض امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

الف۔ ڈاکٹر بوطی صاحب نے جس طرح عظیم معانی ومفاہیم پر مشتمل لفظ ''سلف'' اور ''سلفیت'' کے استعمال پر اپنی ناگواری وناراضگی کا اظہار فرمایا ہے اسی طرح ہندوستان میں سواد اعظمیت کی دعویدار ایک مخصوص جماعت نے بھی اہل حدیث، اہل الاثر، محمدی، موحد جیسے بابرکت اور عظیم القاب کے انتخاب کو اپنے غیظ وغضب کا نشانہ بنایا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اپنے آپ کو حنفیت ودیوبندیت جیسے معنویت سے عاری القاب میں محصور کر لینے پر ان کو سخت ندامت اور خفت محسوس ہورہی ہے، اس کا برملا اظہار کرنے کی اپنے اندر ہمت وجرأت نہ پانے کی وجہ سے مختلف اسالیب اور پیرایوں میں ان عظیم القاب کے انتخاب ہی پر برسنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی جھلاہٹ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ ''سلفیت'' کو بطور نسبت اختیار کرنے والوں کو قادیانیوں کے ساتھ مل بیٹھنے کی تلقین کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو (احمدی) کہتے ہیں۔(۱)

(۱) سابقہ سطور میں تھوڑی سی گفتگو اس تعلق سے گذر چکی ہے۔

ب- ڈاکٹر بوطی صاحب نے سلفیت کو جدید فرقہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس سلسلے میں عجیب تناقضات کا مظاہرہ کیا ہے۔ اسی طرح برصغیر میں بھی غیر مقلدین (یعنی اہل حدیث جماعت) کو نوزائیدہ ثابت کرنے کی پوری کوشش ہو رہی ہے۔ اور یہ کوشش نئی نہیں بلکہ قدرے قدیم ہے۔ اس بارے میں ہم اسی نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ اپنی جدت کی پردہ پوشی کے لئے اس جماعت حقہ کو نیا فرقہ بتلایا جارہا ہے۔ اس کی تاریخ پیدائش متعین کرنے میں جو گل افشانی کی گئی یا کی جارہی ہے وہ بھی قابل دید ہے۔ کہیں اس کو شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ سے جوڑا گیا ہے، تو کہیں علامہ شوکانیؒ سے منسلک کیا گیا ہے۔ اور کہیں اسے میاں نذیر حسین رحمہ اللہ سے مربوط کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہیں مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ سے۔ کوئی اسے ڈیڑھ سو سال پرانی جماعت بتلا رہا ہے، تو کوئی ۱۹۲۶ء کو اس کی تاریخ متعین کرتا ہے۔ بدحواسی کا یہ عالم ہے کہ ایک بھاری بھرکم القاب وآداب کے حامل مولانا نے جماعت اہل حدیث کو ڈیڑھ سو صدی پرانی جماعت لکھ مارا ہے۔ چنانچہ اہلحدیثوں کے خلاف ایک دل آزار کتاب کے پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں: ''فرقہ اہل حدیث روافض، معتزلہ، خوارج اور اہل قرآن کی طرح کچھ آزاد خیال لوگوں کی ایک جماعت ہے جو ڈیڑھ سو صدی پیشتر سرزمین ہند و پاک میں وجود میں آئی'' (۱)

اس انوکھی دلپذیر تحقیق کی رو سے جماعت اہل حدیث نعوذ باللہ رسول اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت سے ہزارہا سال پہلے بھی موجود تھی، کیونکہ ڈیڑھ سو صدی کے معنی ہوئے پندرہ ہزار سال۔ حالانکہ نبی اکرم ﷺ کی ولادت کو ابھی پندرہ سو سال بھی نہیں مکمل ہوئے ہیں۔

ہم اس موضوع پر کچھ زیادہ عرض نہیں کریں گے کیونکہ بہت پہلے ہی اس کا جواب دیا جا چکا ہے، اور مجلّہ محدث کے صفحات میں ''گنبد کی صدا'' کے عنوان سے شائع ہونے

---

(۱) غیر مقلدین کی حقیقت (ص۱۲) نیز ملاحظہ ہو: ضمیر کا بحران (ص۴۱۳)

والے مضمون کی بعض قسطوں میں سیر حاصل بحث کی جا چکی ہے۔ جن کو اس سلسلے میں مزید تفصیلات مطلوب ہوں، اور ہندوستان میں اہلحدیثوں کی قدامت پر دلائل دیکھنے ہوں، وہ محدث شمارہ ۶ جلد ۲۶ بابت جون ۱۹۹۶ء میں محولہ بالا مضمون کی دوسری قسط ملاحظہ فرمالیں بعض قدیم مصادر کی روشنی میں اہلحدیثوں کی قدامت کو واضح کیا گیا ہے۔

ہاں اتنا ضرور عرض خدمت کریں گے کہ جماعت اہلحدیث کو ڈیڑھ صدی یا ڈیڑھ سو صدی قدیم جماعت قرار دینے والے اپنے بارے میں کچھ لب کشائی فرمائیں گے کہ وہ کتنی صدی پرانی جماعت ہے؟ دیوبندیت و بریلویت' ان کے علاوہ شخصیات وا ماکن کی طرف منسوب جماعتیں کب وجود میں آئیں؟ اور اگر محض قدامت ہی برحق ہونے کی دلیل ہے تو شرک وکفر کو بھی قدامت حاصل ہے، ان کے بارے میں کیا کہنا پسند کریں گے؟

ج - ڈاکٹر بوطی صاحب نے سلفیت اور استعمار کے تعلق سے جو بات کہی ہے اس سے ہر شخص یہی نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ موصوف سلفیت کو بین السطور استعمار کی پیداوار قرار دینا چاہتے ہیں، کسی وجہ سے کھل کر اس بات کو کہنے سے انہوں نے گریز کیا ہے۔ لیکن برصغیر کی سواد اعظم والی جماعت ڈاکٹر بوطی سے کئی قدم آگے بڑھ کر اللہ تعالی سے ادنی خوف کھائے بغیر بڑی جرأت و بیباکی کے ساتھ اس جماعت حقہ کو انگریز استعمار کی پیداوار اورنوزائیدہ قرار دے رہی ہے جس جماعت نے برصغیر میں اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلام کا پرچم بلند کرنے کے لئے انگریزی استعمار سمیت دیگر متعدد اسلام دشمن عناصر کے خلاف تن من دھن کی بازی لگا دی تھی، سواد اعظمیت کی دعویدار جماعت کی دغابازی کی وجہ سے بالاکوٹ میں ان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا اور بظاہر ان کی تحریک وہیں دفن ہو کر رہ گئی تھی، لیکن چنگاری کی شکل میں سانحۂ بالاکوٹ کے بعد بھی طویل عرصہ تک باقی رہی تھی، جس میں علماء صادقپور اور دیگر جانبازوں نے روح پھونک کر انگریزوں کی ناکوں میں دم کر رکھا تھا۔ جس کی پاداش میں تختۂ دار، جائیداد سے بے دخلی اور دریائے شور کی طرف جلاوطنی کے ساتھ مختلف اذیت ناک سزائیں جھیلنی پڑی تھیں، جن کو انہوں نے خندہ پیشانی کے ساتھ

برداشت کیا اور پایہ ثبات میں لغزش نہیں آنے دی۔ واضح ہو کہ ان کی یہ تحریک خالص اسلامی تھی جس کا مقصد محض اسلام کی سربلندی تھا۔ تمام غیر جانبدار مؤرخین نے کھلے بندوں اس کا اعتراف کیا ہے۔(۱) لیکن اسی جماعت کے بارے میں چند تحریروں اور سپاسناموں کو بنیاد بنا کر تاریخ کے صفحات سے ان انمٹ کارناموں کو کھرچ کر ایک نئی تاریخ مرتب کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اور تحریک جہاد کا سارا کریڈٹ علماء دیوبند کی جھولیوں میں ڈالنے کی ایک عرصہ سے منظم تدبیر کی جارہی ہے، اور اہلحدیثوں کو انگریزوں کا ہم نوا، وظیفہ خوار، پیداوار اور نوزائیدہ کہا جارہا ہے۔ اس سلسلے میں بھی بدحواسی یا عناد و دشمنی اس حد کو پہونچی ہوئی ہے کہ زبان وقلم پر ان کی گرفت برقرار نہیں رہ سکی۔ چنانچہ مشہور زمانہ کتاب ''وقفۃ مع اللامذھبیۃ'' کے مقدمہ میں ایک صاحب بنام نورالدین نوراللہ تحریر فرماتے ہیں:

" ومن هنا قد علم ان غير المقلدية كيف نشأت فى الهندية (كذا) والحرية المذهبية التى هى عبارة عن غير المقلدية، من كان وراء خلقها فى هذه البلاد، فالمسلمون فى الهند عامة كانوا أحنافا، وبعضهم الشوافع فى جنوب الهند، ولم يكن أثر قبل الاستعمار البريطانى لهذه الحرية المذهبية يعنى غير المقلدية، فجاء الاستعمار، فسعى فى خلقها وإيجادها، فطوبى لغير المقلدين هذا الخالق " (۲)

''یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ غیر مقلدیت کو ہندوستان میں کس طرح نشو ونما حاصل ہوئی، اور مذہبی آزادی جس سے مراد غیر مقلدیت ہے کی اس ملک میں تخلیق کے پیچھے کون تھا، ہندوستان میں عموماً مسلمان احناف تھے، جنوبی ہند میں کچھ شوافع تھے، برطانوی سامراج سے پہلے اس مذہبی آزادی یعنی غیر مقلدیت کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا تھا،

---

(۱) اس سلسلے میں ان کتابوں کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے: (۱) ''ہندوستان میں وہابی تحریک'' مؤلفہ ڈاکٹر قیام الدین (۲) علماء دیوبند کا ماضی تاریخ کے آئینے میں'' مؤلفہ حکیم محمود (۳) ''علماء دیوبند اور انگریز'' جمع وترتیب: برق توحیدی (۴) ''تحریک جہاد: اہلحدیث اور احناف'' مؤلفہ: حافظ صلاح الدین یوسف۔

(۲) وقفة مع اللامذهبية (مقدمہ ص ۱۱)

سامراجیت آئی، اس نے اس جماعت کو پیدا کرنے اور وجود بخشنے کی کوشش کی، لہذا غیر مقلدوں کو ان کا پیدا کرنے والا مبارک ہو"۔

قارئین حضرات! خط کشیدہ الفاظ پر ایک بار پھر سے نظر ڈالیں، اور عقیدہ کی رو سے غور کریں۔ کیا ایک صاحب عقیدہ مسلمان کی زبان سے اس قسم کی لچر اور خلاف توحید بات نکل سکتی ہے؟ ہر مسلمان شخص کا عقیدہ ہے کہ صفت خلق صرف اللہ تعالی کے لئے ہی مخصوص ہے، اور یہی وہ صفت ہے جس کی بناء پر وہ ہمارا معبود ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: "یا أیھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون" (سورۃ البقرۃ:٢١)

ترجمہ: "اے لوگو! اپنے مالک کی بندگی کرو، جس نے پیدا کیا تم کو اور تم سے پہلے (اگلے) لوگوں کو، تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ"۔

اس کے علاوہ دیگر متعدد آیات کریمہ میں اللہ رب العزت نے اپنی بندگی کا حکم دیتے ہوئے صفت خلق یا اس کے ہم معنی صفت کا بطور علت وسبب ضرور ذکر کیا ہے۔ لیکن برا ہو عناد ودشمنی کا جس نے اس حد تک حواس باختہ بنا دیا ہے کہ مناسب الفاظ کے انتخاب کی بھی صلاحیت باقی نہیں رہی۔

علماء دیوبند کی انگریز دشمنی (؟) خود ان کی زبانی

غایت درجہ زیرکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تحریک جہاد میں اپنی تہی دامنی پر پردہ پوشی کی غرض سے پوری جماعت اہل حدیث کو انگریزوں کا ہم نوا بلکہ انگریزی استعمار کی پیداوار قرار دیا جا رہا ہے۔ اور اس سلسلے میں بڑی چابکدستی اور چالاکی کے ساتھ تحریک جہاد اور تحریک استخلاص وطن کو گڈمڈ کر کے دونوں کا سہرا علماء دیوبند کے گلے میں باندھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ حالانکہ تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ تحریک جہاد میں علماء دیوبند کا [illegible] اور

اہل حدیثوں نے فروعی اختلافات سے بالاتر ہوکر شانہ بشانہ کام کیا ہے(۱)۔لیکن بعد میں احناف نے اس تحریک سے بالکل علاحدگی اختیار کرلی تھی ،اور جب ۱۸۶۷ء میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا تو اکابرین دیوبند کا سوائے تعلیم وتعلم کے کسی دوسری چیز سے کوئی تعلق اور شغف نہیں رہا تھا حتی کہ تحریک استخلاص وطن (یعنی تحریک آزادی وطن) سے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی ۔انگریز دشمنی مولانا عبیداللہ سندھی کے دارالعلوم دیوبند سے منسلک ہونے کے بعد شروع ہوتی ہے۔اس کی تائید ''تحریک شیخ الہند'' کے درج ذیل دستاویزات سے ہوتی ہے:

''مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں سرکشی کا آغاز عبیداللہ سے ہوتا ہے۔یہ شخص نومسلم سکھ ہے۔اس نے ۱۸۸۱ء - ۱۸۸۹ء کے درمیان مدرسے میں تعلیم پائی ۔ ۱۹۰۹ء میں استاذ بن کر مدرسے میں غداری کے جذبات پیدا کرنے کے ارادے سے شامل ہوا۔ ۱۹۱۳ء میں غیر ملکی مال کا بائیکاٹ کرنے کی تلقین پر اس کو برطرف کردیا گیا۔لیکن اس دوران اس نے صدر مدرس محمود حسن کو اپنا ہم عقیدہ بنالیا'' (۲)۔

مولانا حسین احمد مدنی نے بھی تسلیم کیا ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی کا مدرسہ دیوبند سے اخراج کا ''اصل سبب وہ امر ہے جس کی بناء پر مسٹن گورنر یوپی دیوبند و دارالعلوم میں

(۱) چنانچہ مولانا عبیداللہ سندھی کے اس نظریہ کہ ''سید شہید کی تحریک کی ناکامی کا سبب یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں شوکانیت اور وہابیت یا صریح لفظ میں کہئے کہ غیر مقلدیت کی آمیزش ہوگئی تھی'' کی سخت تردید کرتے ہوئے مولانا سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:

''اس تحریک کے علمبرداروں میں فقہی جنگ وجدال یا آمین اور رفع یدین کے ذریعہ رد بدعت یا اتباع سنت کا خیال کبھی راہ نہیں پایا،سید شہید ،مولانا شہید اور دوسرے وابستگان دامن کی تحریر وتقریر ومناظرہ اور خطوط ومکاتیب وغیرہ موجود ہیں،ان سے استناد کرنا چاہئے،تحریک کا مقصود عقائد کی صحیح اصلاح،اعمال کی اصلاح،توحید کی اشاعت،باطل کا رد،رسوم فاسدہ کا ازالہ اور احکام اسلامی کا اجراء تھا، باقی حکایات وروایات آحاد اس باب میں سند کے قابل نہیں....البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس تحریک نے اتباع سنت کا جو جذبہ پیدا کردیا تھا اس کے اثر سے کچھ لوگوں کو موجودہ کتب احادیث کے دفتر میں جو چیز اول وہلہ میں سنت ثابت ہوتی نظر آئی ہے اس کے قبول کرلینے میں کوئی تقلیدی خیال ان کو باز نہ رکھ سکا'' ماہنامہ معارف اعظم گڈھ فروری ۱۹۴۳ء (ص ۹۹)

(۲) تحریک شیخ الہند ...

گیا تھا اور مہتمم صاحب کو شمس العلماء کا خطاب ملا تھا'' (۱)۔

اہل دیوبند کی سیاست سے لاتعلقی کی مزید وضاحت ملاحظہ ہو:

''دیوبند کا مدرسہ شمس العلماء حافظ محمد احمد پسر مولانا محمد قاسم بانی مدرسہ کے محتاط انتظام میں ماضی کے بہت سے برسوں سے سیاست سے بالکل پاک وصاف رہا تھا، اور اس کے مدرسوں اور معلموں نے جدید سیاست یا امور خارجہ میں نہایت خفیف دلچسپی لی تھی یا مطلق دلچسپی نہ لی تھی۔ عبیداللہ کی آمد سے اور اس کے اثر سے مدرسے کا رنگ بدلنا شروع ہو گیا۔ (۲)

مذکورہ بالا اقتباسات سے پوری طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل دیوبند کی سیاسی تحریک میں دلچسپی مولانا عبیداللہ سندھی کے زمانہ تدریس سے شروع ہوتی ہے، اور اسی سیاسی تگ ودو کی بناء پر مولانا کا دارالعلوم دیوبند سے اخراج ہو جاتا ہے۔ لیکن انہوں نے مولانا محمود الحسن صاحب کو اپنا ہم نوا بنا لیا تھا۔ یہاں ایک بات قابل غور ہے، وہ یہ کہ جس سیاسی تحریک کا مولانا کے عہد سے آغاز ہوا تھا وہ کس نوعیت کی تھی؟ حقیقتاً اس تحریک کا مقصد خالص اسلامی حکومت کا قیام نہیں تھا، بلکہ اس کا مقصد انگریزی حکومت کی بجائے ایک قومی حکومت کا قیام تھا، جس کی بنیاد محض وطن پرستی پر قائم تھی (۳) اس سلسلے میں تفصیل

---

(۱) نقش حیات ۲/۲۴ حاشیہ

(۲) تحریک شیخ الہند ص ۱۹۳ (الجمعیۃ بک ڈپو دہلی)

(۳) مولانا حسین احمد مدنی نے ۹/ جنوری ۱۹۳۸ء کو باڑہ ہندو راؤ دہلی کی تقریر میں کہا تھا ''موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں اس لئے مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ مل کر متحدہ قومیت بنا لیں''۔ یعنی مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد دین اسلام نہیں بلکہ وطن ہے۔ علامہ اقبال کو جب یہ معلوم ہوا تو نہایت ہی رنجیدہ وغمزدہ لہجہ میں انہوں نے مندرجہ ذیل اشعار کہے جن کے بعض مصرعے زبان زد عوام ہیں:

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ — ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است — چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

از مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

(ارمغان حجاز [illegible] ص ۲۸۳)

کے خواہشمند حضرات کے لئے حافظ صلاح الدین یوسف کی کتاب ''تحریک جہاد: اہل حدیث اور احناف'' کا مطالعہ مفید ہوگا۔ اسی طرح مجلّہ ''محدث'' میں بالاقساط شائع ہونے والے مضمون ''گنبد کی صدا'' کی تیسری قسط میں اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

انگریزوں کا پٹھو کون؟

حالات سے مجبور ہو کر سواد اعظمیوں کی ریشہ دوانیوں اور حکومت کے پاس ان کی مخبری سے تنگ آ کر (۱) بعض علماء اہل حدیث نے ـــــ خواہ وہ نواب صدیق حسن خاں ہوں یا مولانا محمد حسین بٹالوی ـــــ تدارک کے لئے جو حکمت عملی اختیار کی اس کی بنیاد پر پوری جماعت اہل حدیث کو انگریزوں کا پٹھو اور ہم نوا قرار دینا، اور جنہوں نے اپنی پوری زندگی انگریزی حکومت کی ملازمت میں گذار دی ان کو انگریزوں کا دشمن قرار دینا، حد درجہ دیدہ دلیری اور ناانصافی کی بات ہے۔ ذیل میں قارئین حضرات کے لئے اکابرین دیوبند کی ''انگریز دشمنی'' کی چند مثالیں خود انہی کی کتابوں سے پیش کر رہے ہیں۔ جن سے وہ خود بآسانی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ انگریزوں کا پٹھو اور وظیفہ خوار حقیقی معنوں میں کون تھا۔

یہاں اس حقیقت سے بھی چشم پوشی نہیں کی جا سکتی کہ موقعہ اور ضرورت پڑنے پر بہت بآسانی اپنے معتبر مآخذ و مصادر کو بھی یہ لوگ جھٹلانے سے گریز نہیں کرتے، جس کی واضح ترین مثال ''وقفۃ مع اللا مذھبیۃ'' کے مقدمہ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے، جس میں مؤلف نے کتاب '' الدیوبندیۃ'' میں پیش کئے جانے والے حقائق و واقعات کو قلم کی ایک ہی جنبش سے غلط اور غیر واقعی قرار دے دیا ہے، اور علماء دیوبند کی جانب منسوب کئے گئے عقائد و نظریات کو افتراء پردازی اور بہتان تراشی پر محمول کیا ہے۔ حالانکہ ''الدیوبندیۃ'' کے مؤلف نے اپنی جانب سے کچھ کہنے کے بجائے ساری باتیں خود انہی کی تالیف کردہ کتابوں سے جلد و صفحہ کی نشاندہی کے ساتھ نقل کی ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ مؤلف ''الدیوبندیۃ'' کا موجودہ حالات میں ''الدیوبندیۃ'' جیسی کتاب کا تالیف کرنا مستحسن

---

(۱) اس سلسلے میں تفصیل ''مولانا آزاد کی کہانی خود ان کی زبانی'' (ص ۱۷) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

قدم ہے یا غیر مستحسن ، اور جماعت اہل حدیث اس کو مفید سمجھ رہی ہے یا غیر مفید (۱)، لیکن اپنی جگہ پر یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مؤلف ''الدیوبندیۃ'' نے اپنی جانب سے زیادہ کچھ کہنے کے بجائے خالص دیوبندی مصادر پر مکمل اعتماد کیا ہے۔ لہذا الدیوبندیۃ میں پیش کردہ معلومات کی تکذیب خود اپنے مصادر و مآخذ کی تکذیب ہے۔ لیکن یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ ''الدیوبندیۃ'' کے حوالہ جات کی صحت وعدم صحت پر سلسلہ جنبانی کرنے کے بجائے مؤلف الدیوبندیۃ کی تکذیب فرمائی گئی ہے، اور ان کو الزام تراشی اور بہتان تراشی وغیرہ سے متصف کیا گیا ہے۔

۱- مولانا مناظر احسن گیلانی سے قارئین بخوبی واقف ہوں گے کہ یہ سوانح قاسمی کے مؤلف ہیں، لکھتے ہیں:

''انگریزوں کے مقابلے میں جو لوگ لڑ رہے تھے ان میں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمہ اللہ بھی تھے۔ اچانک ایک دن مولانا کو دیکھا گیا کہ خود بھاگے جا رہے ہیں اور کسی چوہدری کا نام لے کر جو باغیوں کی فوج کی افسری کر رہے تھے، کہتے جاتے تھے کہ لڑنے کا کیا فائدہ؟ خضر کو تو میں انگریزوں کی صف میں پا رہا ہوں''۔

مولانا مزید لکھتے ہیں:

''غدر کے بعد جب گنج مراد آبادی کی ویران مسجد میں حضرت مولانا (شاید محمد قاسم نانوتوی) جا کر مقیم ہوئے تو اتفاقاً اسی راستے سے جس کے کنارے مسجد ہے کسی وجہ سے انگریزی فوج گذر رہی تھی۔ مولانا مسجد سے دیکھ رہے تھے۔ اچانک مسجد کی سیڑھیوں سے اتر کر دیکھا گیا کہ انگریزی فوج کے ایک سائیس سے جو باگ ڈور کھونٹے وغیرہ گھوڑے کا لئے ہوئے تھا، اس سے باتیں کر کے پھر مسجد آ گئے۔ اب یاد نہیں (۲) رہا کہ پوچھنے پر یا

---

(۱) اس ضمن میں ظن وتخمین کی بنیاد پر بہت اہم اہم فیصلے کئے گئے ہیں، حتی کہ اس کے مؤلف کی تعیین وتحدید میں بھی قیاس آرائی سے کام لیا گیا ہے حالانکہ اس عمل سے (جہاں تک میں نے جانا اور سمجھا ہے) جماعت کا کوئی تعلق نہیں ہے، اور نہ ہی کسی پرچے میں اس کو سراہا گیا ہے۔ یہ محض دو افراد کا عمل ہے جو جماعت اہل حدیث سے منسلک ہیں اور بس۔

(۲) قائل نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی ہیں کیونکہ وہی دونوں حکایات کے راوی ہیں۔

خود بخود فرمانے لگے کہ سائیس جس سے میں نے گفتگو کی یہ خضر تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا حال ہے؟ تو جواب میں کہا کہ حکم یہی ہوا ہے" (۱)

۲- تذکرۃ الرشید کے مؤلف مولانا عاشق الٰہی تحریر فرماتے ہیں:

"ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ حضرت امام ربانی اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم اور طبیب روحانی اعلیٰ حضرت حاجی صاحب و نیز ضامن صاحب ہمراہ تھے، کہ بندوقچیوں سے مقابلہ ہو گیا۔ یہ نبرد آزما دلیر جتھہ اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے یا ہٹ جانے والا نہ تھا، اس لئے اٹل پہاڑ کی طرح پیر جما کر ڈٹ گیا۔ اور سرکار پر جاں نثاری کے لئے طیار (کذا) ہو گیا۔ اللہ رے شجاعت و جوانمردی! کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتہ پانی، اور بہادر سے بہادر کا زہرہ آب ہو جائے، وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلوار لئے جم غفیر بندوقچیوں کے سامنے ایسے جمے رہے گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے ہیں۔ چنانچہ آپ پر فیریں ہوئیں اور حضرت ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیر ناف گولی کھا کر شہید ہوئے"۔

یہ ہے علماء دیوبند کی انگریز دشمنی کی عظیم مثال! شاید ہی اہلحدیثوں کی پوری تاریخ میں انگریز نوازی کی ایسی کوئی مثال موجود ہو۔ یہی نہیں بلکہ اس لڑائی میں بعض محیر العقول واقعات بھی رونما ہوئے اور نقصان نہ ہونے کے برابر رہا۔ کرامات میں سے ایک کرامت یہ ظاہر ہوئی کہ ایک گولی مولانا نانوتوی کے دماغ کو چیرتی ہوئی نکل گئی، تمام کپڑے خون سے تر ہو گئے، لیکن زخم کا نام و نشان تک نہ تھا، حضرت مولانا قاسم العلوم ایک مرتبہ یکا یک سر پکڑ کر بیٹھ گئے جس نے دیکھا جانا کہ کنپٹی میں گولی لگی اور دماغ پار کر کے نکل گئی۔ اعلیٰ حضرت نے لپک کر زخم پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: کیا ہوا؟ میاں! عمامہ اتار کر سر کو جو دیکھا کہیں گولی کا نشان تک نہ ملا، اور تعجب یہ ہے کہ خون سے تمام کپڑے تر" (۲)

(۱) سوانح قاسمی (۲/۱۰۳ حاشیہ) انگریز فوج میں خضر علیہ السلام کی موجودگی کی خبر دینے والے کس حد تک انگریز کے دشمن ہو سکتے تھے، اس کا اندازہ آپ بخوبی لگا سکتے ہیں۔

(۲) تذکرۃ الرشید ۱/۷۴، ۷۵، ملاحظہ ہو یہ عظیم کرامت جو صحابہ کرام بلکہ نبی اکرم ﷺ کی کرامات پر بھی فوقیت رکھتی=

انگریزوں کے خلاف سرگرم عمل ہونے کی دلیل کے طور پر مولانا رشید احمد گنگوہی کی گرفتاری اور چھ ماہ تک حوالات میں بند رہنے کے واقعہ کو بڑی شدومد کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے، حالانکہ بقول مولانا میرٹھی صاحب آپ کی یہ گرفتاری بعض کینہ پرور بدخواہوں کی جھوٹی مخبری کا نتیجہ تھی، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

''جب بغاوت وفساد کا قصہ فرو ہوا اور رحم دل حکومت نے دوبارہ غلبہ پاکر باغیوں کی سرکوبی شروع کی تو جن بزدل مفسدوں کو سوائے اس کے اپنی رہائی کا کوئی چارہ نہ تھا جھوٹی سچی تہمتوں اور مخبری کے پیشہ سے سرکاری خیر خواہ اپنے کو ظاہر کریں۔ انہوں نے اپنا رنگ جمایا اور ان گوشہ نشین حضرات پر بھی بغاوت کا الزام لگایا، اور یہ مخبری کی کہ تھانہ کے فساد میں اصل الاصول یہی لوگ تھے ''(۱)

اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے اپنے متعلق بقول صاحب تذکرۃ الرشید یہ تأثرات تھے:

'' میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بیکا نہ ہوگا، اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے''(۲)

مولانا عاشق الٰہی صاحب مذکورہ بزرگان دیوبند کے خلاف مخبری، پولیس کی تلاشی اور اس کی ناکامی کے متعدد واقعات ذکر کرنے کے بعد تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہرچند کہ یہ حضرات حقیقتاً بے گناہ تھے مگر دشمنوں کی یاوہ گوئی نے ان کو باغی ومفسد اور مجرم اور سرکاری خطاوار ٹھہرا رکھا تھا اس لئے گرفتاری کی تلاش تھی۔ مگر حق تعالیٰ کی

= ہے۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے رسول اکرم ﷺ نے اپنے جانباز ساتھیوں کے ساتھ دشمنان اسلام سے مختلف جنگیں لڑیں اور ان میں مختلف حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسری جنگ ''غزوہ احد'' میں آپ کے عزیز چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ کرام کے ساتھ دردناک طریقے سے شہید کئے گئے، بلکہ خود رسول اکرم ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے اور شدید افراتفری سے مسلمانوں کی یہ اولین جماعت دوچار ہوئی۔ لیکن انگریز سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے دلیر جتھہ پوری جوانمردی کے ساتھ ڈٹا رہا اور ایک بزرگ کے دماغ کو گولی چیرتے ہوئے نکل گئی، خون سے کپڑے لت پت ہو گئے لیکن زخم کا نام ونشان نہیں تھا؟ قربان جایئے ایسے دماغ رکھنے والے اللہ والوں پر۔

(۱) تذکرۃ الرشید ۱/۷۶ (۲) تذکرۃ الرشید ۱/۸۰

حفاظت بر سر تھی، اس لئے کوئی آنچ نہ آئی کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار کے دلی خیر خواہ تھے تازیست خیر خواہ ہی ثابت رہے"۔ (۱)

۳- مولانا مملوک علی کے بھتیجے دیوبندی فکر کے مشہور بزرگ مولانا محمد احسن نانوتوی کے متعلق ایوب قادری لکھتے ہیں:

"۲۲/مئی ۱۸۵۷ء کو نماز جمعہ کے بعد مولانا محمد احسن نے بریلی کی مسجد نومحلہ میں مسلمانوں کے سامنے ایک تقریر کی اور اس میں بتایا کہ حکومت سے بغاوت کرنا خلاف قانون ہے"۔(۲)

اس تقریر کا شدید ردعمل ظاہر ہوا اور آپ کی جان کو خطرہ لاحق ہوا جس کی بناء پر آپ کو کچھ عرصہ کے لئے بریلی چھوڑنا بھی پڑا۔

اسی طرح مولانا مملوک علی کے صاحبزادے اور دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس مولانا محمد یعقوب نانوتوی ان دنوں سہارنپور میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر فائز تھے، ہنگاموں کے وقت آپ گھر پر ہی تھے، ہنگامہ فرو ہوا تو آپ اپنے کام پر تشریف لے گئے، آپ سے برطانوی حکومت کے افسران بالا بڑے خوش تھے، اور آپ کی بڑی قدر کرتے تھے، مفتی عزیز الرحمٰن لکھتے ہیں :

"ایام غدر کی چھ ماہ کی تنخواہ آپ کو پیش کی گئی تو آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جب میں نے کام نہیں کیا تو کیوں لوں "۔(۳)

مولانا عبدالخالق قدوسی اس واقعہ کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اگر یہ سچا واقعہ ہے تو اس سے جہاں آپ کا کمال درجہ کا زہد وورع ثابت ہوتا ہے

---

(۱) تذکرۃ الرشید (۷۹/۱) (۲) مولانا محمد احسن نانوتوی (ص ۵۰)

(۳) تذکرہ مشائخ دیوبند (ص ۱۵۹ ، مدینہ پریس بجنور)

انگریزوں کو غیر مقلدین کا خالق کہنے والے بیباک حضرات اپنے ان بزرگوں کے بارے میں انگریز کے تعلق سے کیا کہنا پسند فرمائیں گے؟؟ اور غیر مقلدین کی ڈائری تیار کرنے والے اس کو کونسی گولی شمار کریں گے، کڑوی یا میٹھی؟ کیا ان تمام حقائق کے باوجود یہ جوانمرد وپیکر عزم واستقلال تحریک آزادی کے سپاہی گردانے جائیں گے؟؟

وہاں یہی واقعہ گورنمنٹ انگریزی سے آپ کی کامل وفاداری کا واضح ثبوت بھی ہے"۔(۱)

۴-آیئے ذرا اکابرین دیوبند کی انگریزی حکومت سے وابستگی کے بارے میں بھی بعض اقتباسات ملاحظہ فرمالیجئے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بیشتر اکابرین دیوبند انگریزی حکومت کی طرف سے مختلف شہروں میں محکمہ تعلیمات کے مختلف عہدوں پر فائز تھے یا پھر دہلی گورنمنٹ کالج میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ چنانچہ مولانا قاری محمد طیب رقم طراز ہیں:

"..... مدرسہ دیوبند کے ارکان میں اکثریت ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے، جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک وشبہ کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی"(۲)

مولانا احسن نانوتوی کے سوانح نگار ایوب قادری لکھتے ہیں:

"مولانا احسن، مولوی مظہر (مظاہر علوم والے) اور مولوی محمد منیر تو بنارس کالج، آگرہ کالج اور دہلی کالج میں ملازم ہوئے، اور مولوی ذوالفقار علی (والد شیخ الہند) مولوی فضل الرحمٰن (والد مولانا شبیر احمد عثمانی) مولوی یعقوب علی نانوتوی (صدر مدرس دیوبند) محکمہ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر رہے۔(۳)

ان تمام لوگوں میں سرفہرست مولانا مملوک علی ہیں۔ دہلی کے سرکاری کالج میں مدرس تھے، آپ کی حسن کارکردگی سے متاثر ہو کر دہلی کالج کے وزیٹر مسٹر ٹامسن کی سفارش پر ۸/ نومبر ۱۸۴۱ء کو آپ صدر مدرس قرار پائے، کالج کے تمام پرنسپلوں کے معتمد رہے، ہر سالانہ رپورٹ پر ان کی تعریف وتوصیف کی گئی، ایک موقع پر گورنر جنرل بہادر نے دہلی میں دربار کیا، ۱۷/ نومبر کے دربار میں ۲۷/ افراد کو انعام واکرام سے نوازا گیا، مولانا مملوک علی کو خلعت سہ پارچہ مرحمت ہوا، دہلی کالج کی نصابی کتابوں کا کام آپ کی زیرنگرانی ہوتا،

(۱) اسلاف دیوبند اور انگریزی حکومت تاریخی حقائق کے آئینہ میں (مطبوع در ضمن علماء دیوبند اور انگریز ص ۲۳-۲۴)

(۲) سوانح قاسمی (۲/ ۲۴۷)

(۳) احسن نانوتوی (ص ۲...)

۱۸۴۲ء میں آپ نے حج کے لئے ایک سال کی رخصت لی، سرکار نے از راہ قدر دانی نصف سال کی تنخواہ پیشگی عنایت فرمادی'' (۱)

مولانا مملوک علی صاحب نے اس سرکاری ملازمت کے فوائد کو اپنی ذات تک ہی محدود نہیں رکھا، بلکہ اپنے اعزہ واقارب اور اپنے اطراف کے لوگوں کے لئے بھی استفادہ کا پورا پورا موقعہ فراہم کیا، جس کا اعتراف مولانا مناظر احسن گیلانی نے سوانح قاسمی میں کیا ہے۔ (۲)

اکابرین دیوبند کی اسی وابستگی کے پیش نظر مولانا عبید اللہ سندھی دار العلوم دیوبند کو دہلی کالج کا ہی ایک حصہ قرار دیتے ہیں:

''۱۸۵۸ء میں اس جماعت (دیوبندی) کی مرکزی قوت میں سلطان دہلی کی طرف داری اور غیر جانبداری کی بناء پر ایک اختلاف رونما ہوا، اور یہ جماعت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ بعد میں اس جماعت کے دہلی کے ایک مرکز کی بجائے دیوبند اور علی گڈھ دو مرکز بن گئے۔ مولانا محمد قاسم دہلی کالج کے عربی حصے کو دیوبند لے گئے، اور سر سید احمد خان نے کالج کے انگریزی حصے کو علی گڈھ پہونچادیا'' (۳)

۵- اس وابستگی کی وجہ سے حکومت مخالف سرگرمیوں میں حصہ لینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اور یہی حقیقت بھی ہے۔ قیام مدرسہ کے چند سال بعد ۳۱/ جنوری ۱۸۷۵ء کو لفٹننٹ گورنر نے اپنے خاص معتمد آدمی مسٹر پامر کو دار العلوم دیوبند کے معائنہ کے لئے بھیجا

---

(۱) مولانا محمد احسن نانوتوی (ص ۱۷۰-۱۷۶)

(۲) (۲۱۰/۱)

(۳) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک (ص ۱۱۲) مولانا سندھی کے اس قول کو ذکر کرنے کے بعد مولانا عبد الخالق قدوسی فرماتے ہیں: ''ہم مانتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کے بعد اس جماعت کے ایک کی جگہ دو مرکز بن گئے اور یوں یہ جماعت دو حصوں میں منقسم ہوگئی۔ لیکن جہاں تک سلطان دہلی کی حمایت یا عدم حمایت کا تعلق ہے، تاریخ اس سلسلے میں مولانا کا ساتھ دینے سے قاصر ہے بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی ملکی لڑائی میں علماء دیوبند نے مولانا مملوک علی کی پالیسی اختیار کرتے ہوئے من حیث الجماعت انگریز کا ساتھ دیا تھا۔ اسلاف دیوبند اور انگریزی حکومت (مطبوع در ضمن علماء دیوبند اور انگریز ص ۲۳)

تو اس نے ان الفاظ میں آ کر رپورٹ دی کہ: ''یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار وممد و معاون سرکار ہے۔ یہاں کے تعلیم یافتہ لوگ ایسے آزاد اور نیک چلن ہیں کہ ایک کو دوسرے سے کچھ واسطہ نہیں''۔(۱)

اس حقیقت کی تائید انگریز مؤرخ ڈبلیو ولیم ہنٹر کی کتاب ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' سے بھی ہوتی ہے۔اس کتاب کا خاص موضوع ہی یہ تھا کہ ان افراد اور جماعتوں کی نشاندہی کی جائے جو انگریز حکومت کی مخالف ہیں اور انگریزی حکومت سے جہاد کو ضروری سمجھتی ہیں۔اس ضمن میں ہنٹر بار بار وہابی علماء، اہل صادق پور اور ان کے ہم نواؤں کو انگریزی حکومت کا دشمن لکھتا ہے اور مختلف انداز سے ان کا تذکرہ کرتا ہے۔لیکن اس انگریز مبصر نے کہیں بھی اکابر دیوبند کا ذکر نہیں کیا ہے۔اگر انہوں نے کسی بھی درجے میں انگریز کی مخالفت کی ہوتی اور تحریک جہاد سے تعاون کیا ہوتا تو یہ ناممکن تھا کہ ہنٹر کی کتاب ان کے ذکر سے خالی رہتی، اور اس کی نظر سے اکابر دیوبند کا کردار مخفی رہ جاتا۔علاوہ ازیں مولانا محمد میاں مصنف'' علماء ہند کا شاندار ماضی'' باوجودیکہ انہوں نے علماء دیوبند کی تاریخ کو خوب رنگ وروغن لگا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے، یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں:

''اس موقع پر تاریخ کے ایک طالب علم کی حیرانی ناقابل بیان ہو جاتی ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ صفحات تاریخ پر مالاگڈھ اور فرخ نگر جیسے گمنام مقامات کے نام موجود ہیں لیکن اس علاقے (یعنی مظفر نگر وسہارنپور جس میں دیوبند واقع ہے) اور اس کے مجاہدین کا کوئی تذکرہ نہیں''(۲)

یہ وہ حقیقت ہے جس کا اظہار بے ساختہ ان کی زبان قلم سے ہو گیا ہے۔

۶۔بعض علماء دیوبند کی تحریک استخلاص وطن میں شمولیت کے بعد بھی دیگر اکابر دیوبند تحریک سے یکسر مختلف راستے پر یعنی انگریزی حکومت کی وفاداری کی پالیسی پر گامزن

(۱) مولانا محمد احسن نانوتوی (ص ۲۱۷)

(۲) علماء ہند کا شاندار ماضی (۴/۲۴۹)

تھے۔اس کا شکوہ ایک مکتوب میں بھی کیا گیا ہے جو تحریک کے ایک رکن نے مولانا محمود الحسن کے نام تحریر کیا تھا:

''مالکان مدرسہ سرکار کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، نمائش کے دربار میں شرکت کا فخر بھی نصیب ہونے لگا''(۱)

مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنی کتاب ''سوانح قاسمی'' میں صاف لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مولانا قاسم نانوتوی اوران کے دینی وعلمی رفقاء کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔انہوں نے اس مسئلے پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے،ان کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

۷-''آج کل فضل وکمال، بڑائی و بزرگی کا سب سے بڑا معیار یہ ٹھہرایا گیا ہے کہ سیاسی کاروبار میں سب سے زیادہ نمایاں حصہ جس نے لیا، وہی سب سے بڑا آدمی ہے۔ اور دوسرے میدانوں میں خواہ کچھ بھی حال ہو۔کسی مقام کا مالک ہو لیکن سیاست کے میدان کا جو اپنے آپ کو کھلاڑی ثابت نہ کر سکا وہ کچھ نہیں ہے۔اسی عام سطحی معیار کو دیکھ کر بے دھڑک یہ مان لینا کہ غدر کے ہنگامے میں سیدنا الامام الکبیر (مولانا نانوتوی) نے تو اسی طرح حصہ لیا تھا جیسے اس ملک کے عام باشندے اس کی آگ میں کود پڑے تھے۔سیدنا الامام الکبیر کی شان ہی کے مطابق اس قسم کا عاجلانہ فیصلہ درست ہوسکتا ہے اور نہ واقعات ہی سے اس کی تائید ہوتی ہے''(۲)

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

''اتنی بات بہر حال یقینی ہے اوران نا قابل انکار چشم دید گواہوں کا کھلا اقتضاء ہے

---

(۱) تحریک شیخ الہند (ص ۲۶۹) مرتب اس پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''دارالعلوم جو انہیں حضرات کے بزرگوں کی ساٹھ سالہ امانت تھی،اس کی مصلحت کا تقاضا یہی تھا۔یہ مصلحت خود حضرت شیخ الہند کے پیش نظر تھی،چنانچہ آپ سرحدی آزاد قبائل میں تشریف نہیں لے گئے،اوراس علاقے کے **بجائے** مدینہ منورہ تشریف لے گئے''۔گویا مصلحت پر انہی کی اجارہ داری ہے؟

(۲) سوانح قاسمی ۲/۸۹

کہ مالیخولیا سے زیادہ اس قسم کی افواہوں کی کوئی قیمت نہیں کہ غدر کے ہنگامے کے برپا کرانے میں دوسروں کے ساتھ سیدنا الامام الکبیر اور آپ کے علمی و دینی رفقاء کے بھی ہاتھ تھے۔ بلکہ واقعہ وہی ہے جو مصنف امام نے لکھا ہے کہ ''مولانا فسادوں سے کوسوں دور تھے''(۱)

انہی چند اقتباسات پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ ان جیسے بیسیوں اقتباسات قارئین کی نذر کئے جا سکتے ہیں جن سے وہ خود اکابرین دیوبند کی ''انگریز دشمنی'' کی حقیقت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں، اور بآسانی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کون انگریز نواز تھا۔(۲)

اگر علماء دیوبند نے حالات وظروف کے پیش نظر غیر جانبداری، یا انگریز موافقت کا موقف اپنایا تو اس موقف کی بنیاد پر ہمیں انہیں مطعون کرنے کا یا ان کے اخلاص پر بٹہ لگانے کا حق نہیں پہونچتا کیونکہ اس وقت کے حالات زیادہ سنگین تھے۔ لیکن تاریخ سازی کا سہارا لیکر تحریک جہاد یا تحریک آزادی کا سارا کریڈٹ علماء دیوبند کو دیدینا اور اہلحدیثوں کو انگریز سامراجیت کی پیداوار قرار دینا تاریخ کے ساتھ ظلم کے مترادف ہے۔

یہاں غور کرنے کی ایک بات یہ بھی ہے کہ مرکز دیوبندیت بتمامہ وکمالہ انگریز نوازی کی پالیسی اختیار کئے ہوئے تھی، اس کے باوجود تحریک آزادی کا سہرا علماء دیوبند ہی کے گلے میں ڈالا جارہا ہے۔ جبکہ نواب صدیق حسن خاں، مولانا بٹالوی وغیرہ چند افراد کی انفرادی طور پر انگریز حکومت کی ظاہری اور وقتی حمایت کو بنیاد بنا کر پوری جماعت اہلحدیث کو انگریزوں کا ہم نوا، پٹھو اور ان کا پروردہ قرار دیا جارہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ انگریزوں کو اہلحدیثوں کا خالق بھی کہا جارہا ہے۔ جرأت علی اللہ کی شاید ہی ایسی کوئی نظیر ملاحظہ فرمانے کے لئے آپ کو نصیب ہو۔

شاید قارئین کو یاد ہو پچھلے صفحات میں یہ بات گذر چکی ہے کہ صدق وصفا والی یہ

---

(۱) حوالہ مذکور (۱۰۹/۲)

(۲) اس سلسلے میں مزید حقائق مطلوب ہوں تو ''تحریک جہاد: اہلحدیث اور احناف'' مولفہ حافظ صلاح الدین یوسف، ''علماء دیوبند اور انگریز'' جمع و ترتیب: [illegible] کا مطالعہ مفید ہوگا۔

جماعت جب اپنا کوئی معاملہ آتا ہے تو اس کا انداز فکر کچھ ہوتا ہے اور جب اہلحدیثوں کا معاملہ آتا ہے تو اس کے انداز فکر میں یکا یک تبدیلی آجاتی ہے۔ مذکورہ حقائق جن سے تمام علماء دیوبند کی ''انگریز دشمنی'' کی قلعی کھل کر سامنے آجاتی ہے ان کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ انگریزی حکومت سے ارباب مدرسہ کی یہ وفاداری مصلحت وحکمت پر مبنی تھی تاکہ حکومت مدرسے کو نقصان نہ پہونچا سکے۔ یہ کسی ایرے غیرے کا قول نہیں بلکہ مولانا حسین احمد مدنی کا ارشاد مبارک (؟) ہے (۱)

مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے بھی اس جانب اشارہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ:

''اس حلقہ کی ایک جماعت پر مدرسہ کے مصالح مقدم تھے، دوسرے پر اسلام کے مصالح۔ مولانا محمود حسن صاحب دل سے دوسری جماعت میں شریک تھے'' (۲)

مرتب ''تحریک شیخ الہند'' مولانا محمد میاں صاحب نے بھی مصلحت کی بات کہی ہے جیسا کہ سابقہ سطور میں موصوف سے نقل کیا جاچکا ہے۔

آپ نے دیکھا! جب اپنی بات آئی تو حکمت ومصلحت کی بیساکھی لگادی گئی، مولانا

---

(۱) نقش حیات (۱۴۴/۲)، مولف نقش حیات مولانا سندھی صاحب کے دارالعلوم دیوبند سے علاحدگی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ''واقعہ یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے ارباب اہتمام کے سامنے دارالعلوم کی بقاء وتحفظ سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ ۱۸۵۷ء کے واقعات اور اس کے بعد انگریزی پالیسی ان کے سامنے تھی۔ انہوں نے مولانا عبیداللہ سندھی کی سرگرمیوں کو نہ صرف دارالعلوم دیوبند بلکہ عام مسلمانوں کے لئے بھی خطرناک تصور کیا، اور اپنے خیالات کے مطابق ضروری سمجھا کہ مولانا سندھی کا تعلق اس مرکز سے بند ہے۔ اسی زمانے میں اتفاق سے چند علمی مسائلوں میں مولانا سندھی اور دارالعلوم کے دوسرے علماء کے درمیان اختلاف پیدا کرادیا گیا (؟) اسی اختلاف کو وجہ قرار دے کر مولانا سندھی کو دارالعلوم سے علیحدہ کردیا گیا''۔ مؤلف نقش حیات ہی کی زبانی یہ نقل کیا جاچکا ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی کی سیاسی سرگرمیاں ہی دارالعلوم سے ان کے اخراج کا سبب بنیں، اور اس اخراج کا صلہ بھی اس وقت کے مہتمم صاحب کو حکومت وقت کی طرف سے دیا گیا تھا۔

حافظ صلاح الدین یوسف اس توجیہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: لیکن یہ توجیہ واقعات کے مطابق نہیں، واقعہ یہی ہے کہ اکابر دیوبند کی اکثریت تعلیم وتدریس سے منسلک رہی ہے، اور انگریز کے خلاف سرگرم جماعتوں اور گروہوں سے اس نے کوئی تعلق نہیں رکھا'' تحریک جہاد: اہلحدیث اور احناف (ص ۷۵، ۷۶)

(۲) یادرفتگاں: ۳۸۹۔

محمد حسین بٹالوی یا نواب صدیق حسن خانؒ کی بات آتی ہے تو اس میں کسی حکمت و مصلحت کی گنجائش نظر نہیں آتی، ان کے رویے کو محض انگریزوں کی غلامی و ہمنوائی پر ہی محمول کیا جاتا ہے، بلکہ پوری جماعت اہلحدیث کو انگریزوں کی پیداوار قرار دے دیا جاتا ہے۔ سینہ زوری اور ڈھٹائی کی ایک حد ہوتی ہے، لیکن یہ حضرات اس حد کو بھی پار کر چکے ہیں۔

مولانا محمد حسین بٹالویؒ کے سپاسنامے کی بعض تحریروں کو بنیاد بنا کر پوری جماعت کو انگریزوں کی پیداوار بتلایا جاتا ہے، یا ان کی ہم نوائی کا الزام عاید کیا جاتا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ مولانا نے کیوں یہ سپاسنامہ پیش کیا تھا ؟ اور کس ضرورت کے تحت جماعت کا نام سرکاری دفاتر میں ''اہلحدیث'' منظور کرایا تھا؟ تحریک جہاد یا ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ کا ادنی علم رکھنے والا ایک عام آدمی بھی اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ لفظ ''وہابی'' انگریزوں کے نزدیک ''باغی'' کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت ہندوستان کے اہلحدیثوں کو ''وہابیوں'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اسی بنیاد پر اہلحدیثوں کو بلا دریغ بلا کسی تفریق کے محض ان کی وہابیت کی وجہ سے تختۂ دار پر کھینچا جا رہا تھا۔

وہاں صرف دارالعلوم دیو بند اور اس سے وابستہ لوگوں کی بات تھی اور مصلحت سے کام لیا گیا۔ یہاں پوری جماعت کا مسئلہ تھا، اور وہابی کوئی ایسا منزل من اللہ نام نہیں تھا کہ اس سے دست برداری پر ایمان واسلام کے متاثر ہونے کا سوال پیدا ہوتا، لہذا انہوں نے حکمت و مصلحت کے پیش نظر اور پوری جماعت کو محض نام کی بنیاد پر انگریزوں کے ظلم وستم سے بچانے کی غرض سے ''وہابی'' کے بجائے ''اہلحدیث'' نام منظور کرنے کی درخواست دی۔ اور منظوری مل جانے پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ چونکہ مصلحت وحکمت مخصوص ہے سواد اعظم کے دعویداروں کے لئے، اہلحدیث کیوں کر حکمت و مصلحت اختیار کر سکتے ہیں اس لئے ان کا یہ عمل انگریزوں کی ہم نوائی کے علاوہ کسی اور چیز کا متحمل ہو ہی نہیں سکتا ؟

غلط رپورٹ کی بنا پر شیخ الہند محمود الحسن کی گرفتاری اور ان کی حوالات میں نظر بندی کے موقعہ پر سواد اعظم نے کیا کیا جتن نہیں کئے۔ انگریز خان بہادروں کی خدمت عالیہ

میں متعدد عرضیاں گذاریں، رحم کی درخواست کی۔ انگریز سرکار کے تعلق سے بالکل اسی طرح کی زبان ان عرضیوں میں بھی استعمال کی گئی ہے جس زبان کی وجہ سے نہ صرف مولانا بٹالوی بلکہ جماعت اہل حدیث کو انگریزوں کا ہمنوا اور پروردہ قرار دیا جاتا ہے، بلکہ اس سے کہیں زیادہ متملقانہ انداز اختیار کیا گیا۔ ذیل میں ہم ایک عرضداشت کی نقل درج کررہے ہیں، تاکہ قارئین پروپیگنڈوں سے متاثر نہ ہوکر حقیقی صورتحال سے آگاہ ہوجائیں۔

نقل عرضداشت وفد علماء دیوبند جو بتاریخ ۶/نومبر ۱۹۱۷ء، ہزآنر سر جیمس میسٹن بہادر کے، سی، ایس، آئی لفٹننٹ گورنر صوبہ متحدہ آگرہ واودھ بمقام میرٹھ پیش کی گئی اور سنائی گئی:

''بحضور عالی جناب معلی القاب ہزآنر سر جیمس اسکارجی میسٹن صاحب بہادر کے، سی، ایس، آئی لفٹننٹ گورنر ممالک متحدہ آگرہ واودھ:

حضور والا! ہم چند خدام دارالعلوم دیوبند بحیثیت یک خالص مذہبی جماعت کی مرکزی نمائندگی کے آج ایک ایسے اہم مسئلہ کی طرف ہزآنر کی توجہ گرامی منعطف کرانا چاہتے ہیں، جو اپنی بعض سیاسی حیثیات سے اگرچہ ہمارے دائرہ بحث کے اندر داخل نہ ہو، لیکن اس کا وہ مذہبی پہلو جس کا تعلق دارالعلوم سے اور دارالعلوم کی کارکن جماعت سے اور دارالعلوم کی مدد کرنے والے عام مسلمانوں سے ہے، کسی وقت بھی نظرانداز نہیں ہوسکتا۔

حضور والا! ہم اپنی اسی فطری سادگی اور صفائی کی راہ سے (جس نے ایک دور از تکلف مذہب کے سایہ میں تربیت پائی ہے اور جس کو ہزآنر کی مہربانی سے گورنمنٹ کے عمل نے بھی آج تک مرہون ضوابط نہیں بنایا) اس وقت جو کچھ نہایت مؤدبانہ گزارش کریں گے، ممکن ہے کہ وہ حالات حاضرہ پر نظر کرتے ہوئے تھوڑی دیر کے لئے ہزآنر کے، یا گورنمنٹ کے بعض دوسرے اعلیٰ حکام کے مزاج کو منغص (۱) بنادے، لیکن سچ یہ ہے (اور سچ ہی ہم کو ہمیشہ کہنا چاہئے) کہ حالات حاضرہ ہی وہ چیزیں ہیں جنہوں نے ہم کو ایک ایسے معاملے میں دخل دینے کی ہدایت کی ہے، جس میں اگر ہم کامیاب ہوجائیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ

(۱) منغص: [illegible]

مسلمانان ہند کے واحد مذہبی مرکز کا سب سے بڑا اعزاز اور ہندوستان کی عام پبلک کے حق میں نہایت ہی تسکین واطمینان کا باعث اور خود حکام گورنمنٹ کے لئے بھی بجائے اس وقتی تکدر کے بڑی حد تک حقیقی راحت وسہولت حاصل ہونے کی ضمانت اور اس کی مدبرانہ حکمت عملی کا جس سے عام اہل اسلام کے قلوب مسخر ہو جائیں ایک گہرا ثبوت ہوگا۔

ہماری جماعت کے محسن شفیق ہز آنر سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب مدرس کی غیر متوقع نظر بندی سے (خواہ وہ گورنمنٹ کے نزدیک کیسی ہی قوی دلیل پر مبنی ہو) دارالعلوم کی اجتماعی حالت کو ایک صدمہ عظیم برداشت کرنا پڑا ہے، اور اب بار باران کی رہائی کی امیدیں قائم کرتے رہنے کے بعد دارالعلوم کے دوست اور اس کے کثیر التعداد مستفیدین ان کی طویل مفارقت سے نہایت ہی بے چین اور شکستہ خاطر ہو کر دارالعلوم کی مرکزی حیثیت اور اس کے وفد کے سالار قافلہ شمس العلماء مولانا مولوی حافظ محمد احمد صاحب کے رسوخ ووجاہت خداداد سے اپنی آخری امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہیں جس میں اولاً خدا کی رحمت اور ثانیاً ہز آنر کی عنایات خاصہ سے توقع ہے کہ وہ مایوس نہ کئے جائیں گے۔

اس بات کے اظہار کی ہم چنداں ضرورت نہیں سمجھتے کہ ہماری جماعت ایک قدامت پسند جماعت ہے، جس کو قدرتی طور پر طلب حقوق یا عرض مدعا کے نئے نئے طور طریق سے جو آج کل مروج ہیں قطعاً مناسبت نہیں "۔

اس کے بعد عرضداشت میں آئینی یا غیر آئینی ایجی ٹیشن برپا کرنے کی قباحتوں کا ذکر کرتے ہوئے اسے نامناسب عمل بتلایا گیا ہے، مسز اینی بسنٹ کی رہائی کا تذکرہ ہے پھر ان کے اور شیخ الہند کے معاملوں کے مابین موازنہ کیا گیا ہے۔

اس کے بعد یہ عبارت وارد ہوئی ہے:

"حضور والا! یہ نکتہ خاص طور پر ہز آنر جیسے بیدار مغز حاکم کی توجہ کے قابل ہے کہ

مسز اینی بسنٹ کے واقعہ سے جو یورپین ایسوسی ایشن کے ذہین ارکان کو یہ خیال پھیل جانے کا اندیشہ پیدا ہوا ہے کہ گورنمنٹ کے دربار میں بے ادب شوروغل مچانے اور ایجی ٹیشن برپا کرنے والے بہ نسبت اعتدال پسندوں کے زیادہ کامیاب ہوتے ہیں اگر یہ اندیشہ کسی درجے میں وزن رکھتا ہے تو اس کی تلافی کا طریقہ بھی غالباً اس سے بہتر اس وقت کوئی نہ ہوگا کہ گورنمنٹ ایک بالکل خاموش اور سیاسیات سے محض بے گانہ جماعت کی استدعا پر حضرت مولانا محمود حسن صاحب کو فوری آزادی مرحمت فرما کر ہماری کل جماعت بلکہ کل اسلامی پبلک کے قلوب سے خراج منت پذیری واحسان شناسی وصول کرے اور اپنے اس طریق عمل سے عام طور پر ثابت کردے کہ خاموش امن پسند بھی ایجیٹروں سے زیادہ کامیاب ہوسکتے ہیں۔

حضور والا! تیس چالیس برس کے کامل تجربے کے بعد ہم کو یہ کہنے میں ذرا بھی پس وپیش نہیں کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب ساری عمر تمام جماعت دیوبند ہی کی طرح سیاسی الجھنوں سے الگ تھلگ رہے، نہ تو وہ کوئی وطن پرست آدمی ہیں اور نہ قوم پرست، بلکہ ایک سچے خدا پرست انسان ہیں، انسان جب تک انسان ہے، سہو ونسیان اور غلط فہمی کا شکار ہوسکتا ہے، لیکن ایک پاکباز انسان بدنیت نہیں ہوسکتا، اسی لئے ہمارے واسطے اپنے سابق چہل سالہ تجربہ اور حضرت مولانا کے قلم کی لکھی ہوئی بعض تحریروں پر نظر کرتے ہوئے گورنمنٹ صوبہ جات متحدہ کا یہ اعلان کہ ''تحریری اور دوسری قسم کی شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا محمود حسن صاحب نے ہز مجسٹی ملک معظم کے دشمنوں کو ان کی فوجی تجاویز میں مدد دی'' اگرچہ نہایت حیرت انگیز اور رنجیدہ ہے لیکن جبکہ ان تحریری اور دوسری قسم کی شہادتوں سے واقف ہونے اور ان کے پرکھنے کا ہمارے لئے کوئی موقع نہیں ہے، تو ہم راستہ کو مختصر کرنے کے لئے صرف اسی قدر گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ اگر مولانا ممدوح کی آواز گورنمنٹ کے کانوں میں چند سیاسی لوگوں کی آواز کے ساتھ ملتبس ہوکر پہونچی ہے تب بھی وہ از راہ کرم گستری ورعایا نوازی ایک ایسی شخصیت کے آزاد کرنے میں دریغ نہ

کرے، جس کی آزادی سے ایک عظیم الشان جماعت اسلام کے جذبات اسیر احسان ہو جائیں گے اور دارالعلوم کے درودیوار میں سے عمیق شکر گزاری کا ایک ایسا ابلتا ہوا جوش نظر آئے گا جو شاید اس سے پہلے کبھی نظر نہ آیا ہو۔

ہم کو ہزآنر کے ان وسیع اخلاق والطاف سے جو آج تک ہماری جماعت کی نسبت کام فرمائے گئے ہیں (۱)، کامل یقین ہے کہ ہماری یہ عرضداشت بے اثر نہیں جائے گی، اور ہزآنر کوئی ممکن مہربانی اس معاملہ میں اٹھا کر نہیں رکھیں گے۔

اخیر میں ہم سمع خراشی کی معافی چاہتے ہیں، دعاء کامیابی وفلاح (۲) پر اس ناچیز تحریر کو ختم کرتے ہیں۔

ہم ہیں آپ کے صادق خیر اندیش اور وفا کیش (۳)

علماء دیوبند

۱۸/محرم ۱۳۳۶ھ = ۶/نومبر ۱۹۱۷ء (۴)

قارئین مذکورہ بالا عرضداشت کی زبان، خصوصاً خط کشیدہ الفاظ کے تحکمانہ اسلوب (؟) کو ملاحظہ فرمائیں اور مولانا بٹالوی کے سپاس نامہ کی زبان سے ان کا موازنہ کریں، اور خود فیصلہ کرلیں کہ انگریزوں کا ہم نوا کون ہے اور کون نہیں؟ شاید یہاں بھی حکمت و مصلحت کی بیساکھی کے ذریعہ اس تحریر کے ظاہری مفہوم کو بدلنے کی کوشش کی جائے تو واضح ہونا چاہئے کہ تحریک جہاد اور جنگ آزادی کا سارا کریڈٹ اپنے کھاتہ میں ڈالنے کا شوق بھی ہے اور ہر جگہ مصلحت آمیزی بھی ہے۔ یہ ہیں تحریک آزادی کے سپوت، نہیں بلکہ عظیم سپوت، جو

(۱) ہزآنر خان بہادر کے یہ وسیع اخلاق والطاف جو آپ کی جماعت کی نسبت کام فرما گئے تھے آخر کس خدمت کی پاداش میں؟ کیا انگریز سرکار کے خلاف سرگرم عمل ہونے کی وجہ سے آپ کی جماعت کو خان بہادر کی یہ نوازشات حاصل تھیں؟؟!!

(۲) فرمایئے! کامیابی وفلاح کی دعا کس کے لئے کی جارہی ہے؟ تحریک آزادی کے لئے یا انگریز سرکار کے لئے ؟؟

(۳) یہاں ہم مولوی ابوبکر غازی پوری سے پوچھنا چاہیں گے کہ بتلایئے یہ گولی میٹھی ہے یا کڑوی۔ خواہ کیسی بھی ہو اس کو آپ بآسانی ہضم کر سکتے ہیں اور ہضم کر کے اس طرح ڈکار لے لیں گے کہ گویا اس نوعیت کا کوئی معاملہ ہوا ہی نہیں۔

(۴) منقول از "الرشید" دیوبند، ص ۱۳۳۶ھ بحوالہ تحریک جہاد: اہلحدیث اور احناف ص ۸۶-۸۹

محض ایک شخص کی رہائی کے لئے انگریز خان بہادر کے سامنے چاپلوسی اور تملق کی آخری حدود کو بھی تجاوز کر گئے اور ان کی سپوتیت بھی برقرار رہی ۔ یہاں یہ واضح کر دینا مناسب ہوگا کہ جس شخص کی رہائی کے لئے اتنے سارے جتن کئے گئے ان کو عرش خداوندی تک رسائی حاصل تھی ۔ انگریزوں کو ہندوستان سے جلد از جلد نکالنے کی اصرار پر مبنی درخواست لیکر وہاں تک تشریف لے گئے تھے، نقش حیات کا مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

''ایام تحریک خلافت میں ایک بزرگ نقشبندی صاحب کشف دیوبند آئے، مولانا کا وصال ہو چکا تھا، حضرت نانوتوی کے مزار پر حاضر ہو کر مراقب ہوئے، دیر تک مراقبہ میں رہے، بعد کو فرمایا کہ میں نے مراقبہ میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت کی تحریک میں حکام کی سختیوں کا تذکرہ کیا تو حضرت مولانا محمود حسن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ مولوی محمود حسن عرش خداوندی کو پکڑے ہوئے اصرار کر رہے ہیں کہ انگریزوں کو جلد ہندوستان سے نکال دیا جائے''۔

اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد مؤلف نقش حیات تبصرہ فرماتے ہیں:

''واقعہ یہی ہے کہ مولانا مرحوم کی معنوی اور روحانی جدوجہد انگریزوں کے نکالنے اور ہند کے آزاد کرانے میں ظاہری اور مادی جدوجہد سے بدرجہا زائد اور فائق تھی''(۱)

اگر جماعت اہلحدیث کے افراد حالات اور غیروں کی ریشہ دوانیوں سے مجبور ہو کر یہی اسلوب ورویہ اختیار کرتے ہیں تو ان کو بلکہ پوری جماعت کو انگریزوں کا نہ صرف ہم نوا بلکہ پروردہ قرار دے دیا جاتا ہے، اور ان کی عظیم سے عظیم تر قربانیوں کو دریا برد کر دیا جاتا ہے ۔ مولانا محمد حسین بٹالوی ؒ کی کتاب ''الاقتصاد فی مسائل الجہاد'' نیز نواب صدیق حسن خاں بھوپالی ؒ کی کتاب ''ترجمان وہابیہ'' کو بھی اہلحدیثوں کی انگریز نوازی کے لئے بطور

---

(۱) نقش حیات (۲/۶۳)۔

یہ خواب کی بات نہیں بلکہ حالت بیداری اور مراقبہ کی بات ہے، رسول اکرم ﷺ کو شب معراج میں سدرہ منتہی تک ہی رسائی حاصل ہو سکی، ان کے علماء کرام عرش خداوندی تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں، اور اصرار کے ساتھ اپنی بات منوا لیتے ہیں، گویا رسول اکرم ﷺ سے بھی اعلی وارفع مقام ان کو حاصل ہے، موت کے بعد بھی ان کے علماء کرام کلام کرتے ہیں۔

ثبوت پیش کیا جاتا ہے (۱) مذکورہ دونوں کتابوں کے مشتملات سے دلائل کی روشنی میں اختلاف کیا جا سکتا ہے، لیکن ان دونوں کتابوں کو پوری جماعت اہل حدیث کی انگریز نوازی کے لئے دلیل بنانا سراسر زیادتی ہے۔ان دونوں کتابوں کی تالیف جن حالات وظروف کے پیش نظر عمل میں آئی ان کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہیۓ۔اس کے باوجود خود علماء احناف بلکہ علماء دیوبند کے لٹریچر میں آپ کو بے شمار ایسی تحریریں ملیں گی جو مذکورہ دونوں کتابوں کی تحریروں سے اگر افزوں نہیں تو فروتر بھی نہیں ہیں۔بعض کا تذکرہ پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے، بعض دیگر تحریریں مزید ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) مولوی محبوب علی دہلوی: تحریک جہاد میں سید احمد شہید رحمہ اللہ کے ساتھ تھے۔ بعد میں الگ ہو کر تحریک جہاد کے خلاف ایک محاذ کھول لیا، اور خاصا نقصان پہونچایا۔ چنانچہ مولانا جعفر تھانیسری لکھتے ہیں: ''مولوی محبوب علی کے اغواء سے کاروبار جہاد کو جو صدمہ پہونچا ویسا صدمہ اس لشکر کو آج تک کسی سکھ یا درانی کے ہاتھ سے نہیں پہونچا تھا''۔(۲)

(۲) مولانا کرامت علی جونپوری حنفی مکتب فکر کے مشہور بزرگ ہیں۔سید احمد شہید کے خلفاء میں سے تھے، لیکن تحریک سے الگ ہو کر انہوں نے حکومت کی موافقت میں جہاد کے خلاف فتوی دیا تھا۔(۳) آپ کا یہ فتوی دراصل ایک تقریر ہے جو ایک مذاکرہ علمیہ میں موصوف نے کی تھی ، اس تقریر میں موصوف نے اس قول کو کہ ''ہندوستان دارالحرب ہے'' صرف وہابیوں کا عقیدہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ تمام حنفیوں کے نزدیک

---

(۱) اول الذکر کتاب کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ اس میں مولانا بٹالوی صاحب نے منسوخی جہاد کا فتوی دیا ہے، جو سراسر غلط اور بہتان تراشی ہے۔ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ مولانا نے حالات سے مجبور ہو کر یہ کتاب لکھی اور اپنے طور پر جہاد کی تعریف، اس کی ضرورت اور شرائط پر بحث کی ہے، اور انگریز مبصر ہنٹر کی اسلام اور جہاد کے متعلق غلط بیانی کا جواب دیا ہے۔تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں برق توحیدی کی جمع کردہ کتاب ''علماء دیوبند اور انگریز'' (ص ۶۷) اور مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی کی کتاب ''شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے بارے میں دو متضاد نظریے''۔

(۲) حیات سید احمد شہید (ص ۲۳۶ ،نفیس اکیڈمی کراچی)

(۳) تذکرہ علماء ہند (اردو ترجمہ از محمد ایوب قادری، ص ۳۹۶)

دارالاسلام ہے۔(۱)

(۳) انگریز سرکار کے خلاف جدوجہد کو مولانا رشید احمد گنگوہی فساد سے تعبیر کرتے تھے۔ غلط رپورٹ کی بنا پر جب موصوف کو گرفتار کیا گیا اور ان پر مقدمہ چلا تو انہوں نے عدالت میں یہی بیان دیا کہ "ہمارا کام فساد نہیں، نہ ہم مفسدوں کے ساتھی"۔(۲)۔

---

(۱) مذاکرہ علمیہ ص ۹ (نول کشور لکھنؤ ۱۸۷۰ء)

(۲) اگر آپ سے دریافت کیا جاتا: تم نے سرکار کے مقابلے میں ہتھیار اٹھائے؟ آپ اپنی تسبیح کی طرف اشارہ کرکے فرماتے کہ: ہمارا ہتھیار تو یہ ہے"۔

مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں: "آپ نے کبھی کوئی کلمہ دبا کر یا زبان کو موڑ کر نہیں کہا کسی وقت جان بچانے کے لئے تقیہ نہیں کیا جو بات کہی سچ کہی اور جس بات کا جواب دیا خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر بالکل واقع کے مطابق اور حقیقت حال کے موافق....."، تذکرۃ الرشید (۸۴/۱-۸۵)

اس اقتباس کو ذہن نشین کرنے کے بعد نقش حیات (۵۹/۲) کا یہ اقتباس بھی ملاحظہ فرمالیں، اور تضاد بیانی یا صدق بیانی کا خود فیصلہ کریں۔ ہم کچھ عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔ مؤلف نقش حیات مذکورہ بالا واقعہ کو کچھ اس طرح نقل فرماتے ہیں: "آپ پر (یعنی مولانا رشید احمد گنگوہی پر) علاوہ شرکت جہاد شاملی یہ الزام بھی تھا کہ سپاہیوں کی رائفل ان کے پاس ہے، آپ نے دونوں سے بالفاظ توریہ انکار کیا، حاکم نے پوچھا کہ تم نے خلاف گورنمنٹ ہتھیار اٹھایا: آپ نے فوراً جیب سے تسبیح نکالی، اور فرمایا: یہ میرا ہتھیار ہے، اس نے کہا: وہ بندوق کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: مجھ کو بندوق سے کیا سروکار؟ غرضیکہ اس کے تمام الفاظ کا جواب اسی طرح دیتے رہے"۔

میرے ناقص خیال میں اس سے بڑھ کر تضاد بیانی کی اور کوئی مثال نہیں ہوگی، الا یہ کہ اس میں بھی کوئی توریہ کیا گیا ہو؟ اور حقیقت کو نظروں سے اوجھل کرنا مقصود ہو کہ اس قسم کے متضاد بیانات میں اصل حقیقت گم ہو کر رہ جائے کسی کو اصل حقیقت کا پتہ نہ چل سکے۔ کیونکہ ہم کو علمائے پنجتن (مولانا حاجی امداد اللہ، مولانا نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمود الحسن، مولانا حسین احمد مدنی رحمہم اللہ) سے متعلق تذکروں میں متعدد تضاد بیانی نظر آئی، بالخصوص اہم واقعات کے سلسلے میں کافی اختلافات دیکھنے کو ملے۔ طوالت کے پیش نظر صرف ایک اہم واقعہ بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

گذشتہ صفحات میں تذکرۃ الرشید کے حوالے سے حضرت ضامن صاحب کی شہادت اور شجاعت و جوانمردی کے ساتھ امام ربانی، رفیق جانی اور طبیب روحانی کی سرکار مخالف باغیوں سے مڈبھیڑ کا واقعہ نقل کیا گیا ہے جس میں پوری وضاحت کے ساتھ انگریز سرکار کے مخالف باغیوں کے ساتھ مقابلہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعینہ یہی واقعہ تذکرہ مشائخ دیوبند (ص ۷۱) میں اس کے بالکل برعکس انگریز پلٹن سے مقابلہ کی بات کہی گئی ہے۔ اور اسی معرکہ میں حافظ ضامن صاحب کی شہادت بھی بتلائی گئی ہے، اور کچھ مزید تفصیلات کے ساتھ اسی واقعہ کو بالکل دوسرے ڈھنگ سے تاریخ دارالعلوم دیوبند (۵۰۶/۱ - ۵۰۷) میں بیان کیا گیا ہے جس میں انگریز فوج کے قلعہ بند ہونے، مولانا نانوتوی صاحب =

(۴) ان تمام شہادتوں سے قطع نظر اکابرین دیوبند انگریزوں کی صفوں میں خضر علیہ السلام کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔ اور پھر انگریز سرکار کی جانب جدید ہتھیار سے مسلح باغیوں کے خلاف صرف تلوار لیکر ڈٹ جاتے ہیں، اور اپنی جانب نقصان نہ ہونے کے برابر برداشت کرتے ہوئے باغیوں کو کافی نقصان پہونچاتے ہیں، اور ان کے ہاتھوں ایسے محیر العقول از قبیل کرامات واقعات رونما ہوتے ہیں جو رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے عہد میں بھی نہیں رونما ہوئے تھے۔

اہلحدیثوں نے بقول آپ کے انگریز نوازی کی تمام حدود کو پار کر لیا تھا مگر آپ ایسی کوئی مثال نہیں پیش کر سکتے جس میں اہلحدیث اپنے ہم وطنوں کے مقابلے میں انگریز سرکار کی موافقت اور دفاع میں محاذ جنگ پر صف بستہ ہو گئے ہوں اور ان کے ہاتھوں محیر العقول کرامتیں رونما ہوئی ہوں۔ تعجب ہوتا ہے کہ آپ کے اکابرین کس قدر پختہ جذبہ حریت سے سرشار تھے کہ انگریز سرکار کے لئے اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی ان کے جذبۂ حریت پر کوئی آنچ نہیں آئی، اور تحریک آزادی کے جانباز سپاہی شمار کئے گئے۔ لیکن اہلحدیثوں نے من حیث الجماعت تحریک جہاد میں اپنا سب کچھ لٹا دیا، اپنی جائدادیں ضبط کرادیں، تختۂ دار پر

= کے تحصیل کے پھاٹک کو آگ لگانے اور انگریز فوج کے ہتھیار ڈالنے کا تذکرہ ہے، اور ہتھیار ڈالتے وقت انگریز فوج کی گولی سے ضامن صاحب کی شہادت کا ذکر ہے، جبکہ ان دونوں کتابوں میں حضرت نانوتوی کے کرامت کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

اور اسی واقعہ کی تیسری بالکل جداگانہ تفصیل اگر دیکھنا چاہیں تو نقش حیات (۲/۴۳-۴۴) میں ملاحظہ فرمالیں۔ اس کے مطابق مولانا رشید احمد گنگوہی نے (جن کو حاجی امداد اللہ صاحب نے تیس چالیس افراد پر افسر مقرر کیا تھا) اپنی جنگی مہارت سے کام لیتے ہوئے انگریز فوج کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا جس سے وہ اپنا توپخانہ چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے، حضرت گنگوہی صاحب نے وہ توپخانہ حاجی امداد اللہ صاحب کی مسجد کے سامنے کھینچ کر لا ڈالا، اسی میں حضرت ضامن کی شہادت بھی ہوئی، اور ان کی شہادت کے بعد حالات کا نقشہ بالکل تبدیل ہو کر رہ گیا، اور جنگ کی کایا پلٹ گئی۔ تنہا ایک عورت کھیت میں چھپے انگریز کو اپنے اوزار سے قتل کر دیتی تھی، مگر حضرت ضامن کا شہید ہونا تھا کہ انگریز کی جرأت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ اور ایک چوتھی مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کی بیان کردہ تفصیل بھی ہے جو مقدمہ سوانح قاسمی (۱/۴۷) میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ اہلحدیثوں کی ڈائری تیار کرنے والے بناوٹی محققین ہی اس راز سے پردہ اٹھا سکتے ہیں کہ

کھینچے گئے، کالا پانی کی سزائیں جھیلیں، ان کے مکانات کو زمین بوس کر دیا گیا لیکن چند افراد کی بعض تحریروں کو بنیاد بنا کر ان کے سارے کارناموں پر پانی پھیر دیا گیا، اور ان کا جذبہ حریت ہم نوائی میں تبدیل کر دیا گیا۔

اسی طرح انگریز سرکار کی جانب سے بعض علماء اہلحدیث کو "شمس العلماء" وغیرہ کا جو خطاب ملا تھا اسے بھی اہلحدیثوں کی انگریز نوازی اور انگریز پروری کے لئے بطور ثبوت پیش کیا جاتا ہے کہ انگریزی حکومت نے اپنی ہمنوائی اور موافقت وتائید کے صلہ میں اہلحدیث علماء کو خطابات سے نوازا تھا۔ یہاں یہی کہا جا سکتا ہے کہ دوسروں کی آنکھوں کا تنکا تو نظر آ گیا مگر اپنی آنکھوں کا شہتیر نظر نہیں آیا؟ اللہ معلوم آپ کو اپنے گھر کی خبر ہے یا نہیں، اگر ہے تو اسے شاید میٹھی گولی سمجھ کر نگل لیا اور یوں ہضم کر گئے گویا کوئی غیر معمولی بات ہی نہیں ہوئی۔ اگر خبر نہیں ہے تو اپنی معلومات میں اضافہ کر لیجئے، اسے میٹھی یا کڑوی گولی سمجھ کر حلق سے نیچے اتار لیجئے یا حلق ہی میں رہنے دیجئے یہ آپ کے اوپر منحصر ہے۔ لیکن اتنا کرم ضرور کیجئے کہ غیروں پر اتنا زیادہ کیچڑ اچھالنے کی کوشش نہ کیجئے کہ مبادا وہ کیچڑ آپ کے دامن شفاف کو داغدار بنا دے۔ تو آیئے ملاحظہ فرمایئے: تحریک شیخ الہند کے مرتب مولانا سید محمد میاں صاحب فرماتے ہیں:

"اسی تحریک کے زمانے میں مہتمم صاحبان نے حکومت کے ذمہ داروں سے تعلق رکھا حتی کہ گورنر یوپی کو دارالعلوم دیوبند میں مدعو کیا، اس کو ایڈریس بھی پیش کیا، (۱) اور اس تعلق کا نتیجہ تھا کہ حافظ صاحب (حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند) کو شمس العلماء کا خطاب دیا گیا"۔ (۲)

دوسری جگہ مدرسہ دیوبند اور اس کے اس وقت کے مہتمم کا حسب ذیل الفاظ میں

---

(۱) اللہ معلوم گھر میں دعوت دیکر خان بہادر انگریز کو پیش کئے جانے والے ایڈریس کی زبان مولانا محمود الحسن صاحب کی رہائی کے لئے پیش کی جانے والی عرضی کی زبان کی طرح حکیمانہ اور درشت تھی یا مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب کے سپاسنامے کی زبان کی طرح متملقانہ اور مؤیدانہ تھی، یہ آپ ہی بتلا سکتے ہیں اور شاید اس ایڈریس میں آپ لوگوں نے خان بہادر انگریز کو ہندوستان چھوڑنے کا حکم بھی دیا ہوگا، اور عدم موالات کی دھمکی بھی دی ہوگی۔ لیکن آپ کی کثرت اور سواد اعظمیت بلکہ محیر العقول کارناموں سے ڈر کر آپ کے اکابرین کو انگریز حکومت نے خطابات سے نوازا ہوگا؟

(۲) تحریک شیخ الہند ص ۱۰۹

ذکر کیا گیا ہے: ''مدرسہ یہ دیوبند کے عربی مدرسے کی طرف اشارہ ہے جو دیوبند ضلع سہارنپور میں قائم ہے.......... مدرسے کے پرنسپل شمس العلماء مولوی حافظ محمد احمد ہیں جو اس ادارے کے مرحوم بانی (مولانا محمد قاسم نانوتوی) کے فرزند ہیں وہ وفادار اور شریف آدمی ہیں''۔(۱)

ریشمی تحریک کی دستاویزات میں آپ کا ذکر اس طرح وارد ہوا ہے:

محمد احمد حافظ شمس العلماء ، پسر محمد قاسم بانی مدرسہ دیوبند، یہ مدرسہ کا مہتمم یا پرنسپل ہے اور وفادار ہے۔(۲)

یہی نہیں بلکہ موصوف کو انگریز دربار شاہی میں کافی اثر ورسوخ بھی حاصل تھا، جس کی ایک جھلک آپ انگریز خان بہادر میسٹن کی خدمت عالیہ میں پیش کی جانیوالی علماء دیوبند کی عرضداشت میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔اسی اثر ورسوخ کی بناء پر آپ کو سالار قافلہ بنایا گیا تھا، اور اہالیان دار العلوم دیوبند نے آپ سے مولانا محمود الحسن کی رہائی کے لئے آخری امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔

اس حاصل شدہ اثر ورسوخ کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ دسمبر ۱۹۱۱ء میں جارج پنجم کی ہندوستان آمد کے موقع پر دہلی میں ایک بہت بڑے دربار شاہی کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں ملک معظم اور ملکہ معظمہ نے اپنے وفاداروں کو قریب سے دیدار کا موقع دیا تھا۔اس موقع پر عظیم درسگاہ دار العلوم دیوبند کے مہتمم مولانا قاسم نانوتوی کے فرزند ارجمند قاری محمد طیب کے والد بزرگوار جناب شمس العلماء مولانا حافظ محمد احمد صاحب بھی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔دربار شاہی میں آپ کی کرسی مولانا شبلی کے بالکل قریب تھی ۔

اسی طرح مولانا محمد احسن نانوتوی کے ربیب مولانا عبدالاحد مالک مطبع مجتبائی کو بھی گورنمنٹ کی طرف سے خلعت اور خان بہادر کا خطاب عطا کیا گیا تھا۔(۳)

---

(۱) تحریک شیخ الہند (ص۵۳-الجمعیۃ بک ڈپو دہلی)

(۲) ریشمی خطوط سازش کیس کا تعارفی حصہ (ص۶۲ - الجمعیۃ بک ڈپو، دہلی)

(۳) ملاحظہ ہو''اسلاف دیوبند اور انگریز حکومت تاریخی حقائق کے آئینے میں''از عبدالخالق قدوسی مطبوعہ در ضمن=

اصل حقیقت سے سواد اعظم کے دعویدار حضرات ہی پردہ اٹھا سکتے ہیں جن کو غیروں سے متعلق معاملات کے اسرار و رموز اور اصل حقائق کا کچھ زیادہ ہی علم حاصل ہوا کرتا ہے تو اپنے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور ہی واقفیت رکھتے ہوں گے۔ اب یہی لوگ بتلائیں ان علماء ربانیین اور تحریک جہاد و تحریک آزادی کے عظیم سپوتوں پر کن خدمات جلیلہ کے صلے میں انعامات و اکرامات (اگر یہی فی الحقیقت انعامات و اکرامات کی معراج تصور کیے جاتے ہوں) کی بارش ہوئی تھی؟ انگریز خان بہادر کے خلاف سرگرمیوں میں حصہ لینے کے صلہ میں یا ان کی موافقت و ہمنوائی کے صلہ میں ؟ یہ آپ متعین کیجئے، اور ساتھ ہی اتنا کرم کیجئے کہ اگر اس کو آپ تحریک جہاد اور تحریک آزادی کا حصہ سمجھتے ہیں تو علماء اہلحدیث (جن کو غیر مقلدین کہتے کہتے آپ کی زبان نہیں سوکھتی) کے حق میں بھی وہی سمجھئے جو اپنے علماء کے حق میں سمجھتے ہیں۔ ایسا نہ کیجئے کہ ان خطابات و نوازشات کو اپنے اور اپنے اکابرین کے حق میں انگریزوں کے خلاف کی جانے والی سرگرمیوں میں شمار کیجئے اور علماء اہلحدیث کے حق میں انگریز پروری و انگریز نوازی کا نام دیجئے۔

اس کوچہ جاناں میں اور بھی راہ گیر مل سکتے ہیں جو گرچہ دیوبندی مکتب فکر کے مکمل طور سے حامل نہ ہوں لیکن حنفی مکتب فکر سے ضرور وابستہ ہیں۔ غیر مقلدین کے بالمقابل آپ سے زیادہ قربت رکھتے ہیں، اللہ جانے کس وجہ سے یہ حسن التفات صرف علماء غیر مقلدین ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

مثال کے طور پر مولانا شبلی نعمانی سیرۃ النعمان کے مؤلف جو اس اعتراف کے ساتھ کہ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل نہیں ہیں (۱) لیکن ایک بلند پایہ حنفی عالم ضرور

= ''علماء دیوبند اور انگریز'' (ص ۸۴)

(۱) الدیوبندیۃ کے مؤلف نے مولانا شبلی نعمانی کو دیوبندی شمار کر دیا ہے جس پر ''وقفۃ مع اللامذھبیۃ'' کے مؤلف حد سے زیادہ چراغ پا ہوئے ہیں (ص ۳۸)، حالانکہ انہیں خود پتہ ہے کہ دیوبندیت کا اطلاق فضلائے دیوبند کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ عرف عام میں بریلویوں کے مقابلے میں ان تمام احناف پر دیوبندیت کا اطلاق ہوتا ہے جو بظاہر=

ہیں ، ان کو بھی شمس العلماء کا خطاب بڑے ہی دھوم دھام سے ملا تھا۔ اب پتہ نہیں سواد اعظم کے دعویدار اور تحریک آزادی کے تاریخ ساز ان کو کس زمرہ میں شمار کرتے ہیں۔

جامع مسجد دہلی کے پیش امام سید احمد نے ایک دن صبح کی نماز خلاف معمول ذرا جلدی پڑھا دی، مقتدیوں کی تعداد کوئی تیس ہزار کے قریب تھی، کیونکہ قیصر ہند ملک معظم اور ملکہ معظمہ دہلی تشریف لا رہے ہیں، امام صاحب کے ہاتھ خود بخود دعا کے لئے اٹھ جاتے ہیں، ایک ایک جملہ پر آمین گونج رہی ہے، امام صاحب بڑے خشوع وخضوع اور عاجزی کے ساتھ اللہ تعالی کے حضور کچھ یوں دعاء فرما رہے ہیں:

"یارب العالمین! اعلیٰ حضرت اور حضرت شہنشاہ معظم اور شہنشاہ بیگم کی عمر دراز فرما۔

یارب العالمین! اعلیٰ حضرت اور عالیہ حضرت شہنشاہ معظم اور شہنشاہ بیگم کو ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھ۔

یارب العالمین! ہم تمام ہندوستانی رعایا کو اعلیٰ حضرت اور عالیہ حضرت کی جانب وفاداری میں ثابت قدم رکھ۔

یارب العالمین! ہمارے رحیم وکریم شہنشاہ معظم کے زمان حکومت کو کامیابی عطا فرما، اور اس کو ایک چشمہ فیض بنا۔

یارب العالمین! حضور اقدس شہنشاہ معظم بیگم کو افضل ترین جاہ وجلال اور شاہی خاندان کو دولتہائے گوناگوں واقبال فراواں عطا فرما"۔(۱)

اسے امام صاحب کا خلوص کہہ لیجئے یا تیس ہزار کے سواد اعظم کی آمین کا اثر، دعا فوراً قبول ہوئی، اور ملک معظم کی طرف سے "شمس العلماء" کا خطاب ملا۔(۲)

=مشرکانہ رسم ورواج سے گریز کرتے ہیں اور اکابرین دیوبند کے عقائد ونظریات سے اصولی طور پر متفق ہوتے ہیں۔ ویسے یہ گذر چکا ہے کہ مصلحت کے پیش نظر آپ اہلحدیثوں کو بھی اپنے ساتھ شمار کر لیتے ہیں اور موقعہ آتا ہے تو ملت اسلامیہ سے خارج قرار دے دیتے ہیں۔

(۱) ورود شہنشاہی (ص ۲۸۷)

(۲) ایضاً (۵۸۶)

یہاں ایک امر کی جانب قارئین کی توجہ مبذول کرانا چاہوں گا، وہ یہ کہ جس وقت شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی کو "شمس العلماء" کا خطاب ملا تو آپ کا کیا تاثر رہا اسے بھی نظر میں رکھنا چاہئے۔

"جب لوگ خلعت وخطاب کے ساتھ میاں صاحب سے ملے اور آپ کو اس سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا: "ہم غریب آدمی خلعت وخطاب لے کر کیا کریں گے؟ خلعت وخطاب بڑے آدمیوں کو ملنا چاہئے، ہم کو دنیا لا حاصل ہے"۔ بعد اس گفت وشنید کے آپ نے اسی قدر فرمایا: "اچھا صاحب آپ حاکم ہو، جو چاہو کہو"۔(۱)

اس عبارت کا ایک ایک لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ نے اس خطاب پر بادل نخواستہ سکوت فرمایا اور اسے کوئی اہمیت نہیں دی۔ صاف لفظوں میں فرمادیا: "ہم کو دنیا لا حاصل ہے" اگر کوئی انگریز ڈپلومیسی تھی تو آپ کی اس شان بے نیازی نے اسے بالکل ناکام بنادیا "اچھا صاحب آپ حاکم ہو جو چاہو کہو"۔ اس کے برعکس مولانا شبلی صاحب کے لئے کوششیں کی گئیں، درخواستیں بھیجی گئیں، سفارشات کا سہارا لیا گیا تب کہیں جاکر جنوری ۱۸۹۴ء میں "شمس العلماء" کا خطاب ملا۔

اس کی خوشی میں دعوتیں، استقبالیے اور جلسے منعقد کئے گئے جن میں عربی، اردو، فارسی میں قصیدے پیش کئے گئے، زیادہ سے زیادہ مؤثر انداز میں عیسائی گورنمنٹ کا شکریہ ادا کیا گیا۔ (تفصیلات حیات شبلی ص ۲۲۶ و مابعدھا میں ملاحظہ ہو)

"اس جلسہ کے بعد ۱۷/فروری روز شنبہ کو اسٹریچی ہال میں لیڈیز یورپین افسران، رؤسائے علی گڈھ اور طلبائے کالج کا ایک (۲) اور عظیم الشان جلسہ ہوا، جس میں سرکاری

---

(۱) تاریخ اہلحدیث (۴۳) اس خطاب کے بعد رسالہ "دلگداز" لکھنؤ کے ایڈیٹر نے بعنوان "شمس العلماء" ایک مضمون لکھا جس کا ماحصل یہ ہے "مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کی عزت افزائی تو اس خطاب سے ہو ہی نہیں سکتی، لیکن اس خطاب کو عزت وشرف اس نام کی برکت سے ضرور حاصل ہوا" حوالہ مذکور۔

(۲) اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ماقبل بھی جلسے منعقد کئے گئے تھے، بلکہ عملاً منعقد کئے گئے تھے، درج ذیل حوالہ ملاحظہ ہو۔

طور پر رسم خلعت وعطائے خطاب ادا کی گئی، اور مسٹر ہونگٹن کمشنر قسمت میرٹھ نے مولانا کو اپنے ہاتھ سے عمامہ، عباء اور تمغہ حوالہ کیا"۔(۱)

مولانا شبلی کے تاثرات کچھ اس طرح تھے:

"میں انگریز گورنمنٹ کی نہایت قدر اور عزت کرتا ہوں، اور سمجھتا ہوں کہ اس کے تمام احکام اور قاعدے سیاست اور انتظام کے اعلیٰ اصولوں پر مبنی ہیں اور اس بناء پر اس خطاب کی جو گورنمنٹ نے مہربانی سے مجھ کو عطا کیا ہے، نہایت قدر اور منزلت کرتا ہوں"۔(۲)

مزید فرماتے ہیں:

"حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ جب کسی ملک میں انقلاب حکومت ہوتا ہے تو نئی حکومت پرانی حکومت کے تمام آثار کو، علوم کو، فنون کو، تمدن کو مٹا دینا چاہتی ہے ....لیکن انگریز حکومت نے بخلاف اس کے پرانی حکومت یعنی اسلامی حکومت اور نہ صرف اسلامی حکومت بلکہ ہندوؤں کی حکومت کے آثار کو بھی محفوظ رکھنا چاہا ہے"۔(۳)

خلاصہ کلام اینکہ حصول خطاب کی خوشی میں جو جلسے جلوس، دعوتیں اور استقبالیے عمل میں آئے ان کی کاروائی لکھتے ہوئے مولانا سید سلیمان ندویؒ جیسے مختصر نویس بھی ۲۵ صفحات سے کم میں مکمل نہیں کر سکے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بھی اس خطاب کے قدردان تھے۔ جامع مسجد دہلی کے امام سید احمد کے بارے میں یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ موصوف نے حصول خطاب کی خوشی میں تقریبات کا اہتمام کیا تھا یا نہیں؟ لیکن اس میں شک نہیں کہ اس خطاب سے ان کو بڑی محبت تھی، ایسی محبت جس پر اپنے مال و جان خویش و اقارب کو قربان کیا جا سکتا ہے۔

---

(۱) حیات شبلی (ص ۲۵۸)

(۲) ایضاً (ص ۲۵٦)

(۳) حیات شبلی (ص ۲۵۷)

اس کا اندازہ ایک واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جس کو آپ کے بھتیجے سید یوسف بخاری نے روایت کیا ہے۔ اور ان سے پروفیسر محمد ایوب قادری نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ واقعہ ہے کہ مسلمان ایک مردہ پرست قوم ہے، لیکن اس مردہ پرست قوم کی مردہ پرستی کا ذرا یہ رنگ بھی ملاحظہ ہو، ۱۹۲۰ء میں جب تحریک خلافت اپنے شباب پر تھی، حکیم اجمل خاں ترک موالات کے سلسلے میں اپنا خاندانی خطاب ''حاذق الملک''........حکومت کو واپس کر چکے تھے .... حکیم صاحب کے خطاب واپس کرتے ہی امام صاحب (جامع مسجد دہلی) پر یورش ہوئی ان کی اقتداء میں نماز ترک کی گئی، ان کے برادر خورد راقم کے والد سید حامد (م ۲۵/ جمادی الاولی ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۴/ اگست ۱۹۲۶ء) کو منبر مسجد کے روبرو خون میں نہلا دیا گیا''۔(۱)

چھوٹے بھائی کا خون میں لت پت ہونا گوارا لیکن خطاب کی جدائی برداشت نہیں۔ کیا اہلحدیثوں میں بھی ایسے قدردان ملیں گے؟

علماء اہل حدیث کی انگریز دوستی کی حقیقت

مولانا محمد حسین بٹالوی اور نواب صدیق حسن خانؒ نے بظاہر انگریز دوستی کا موقف اپنایا تو کیوں اپنایا؟ یہ اپنی جگہ ایک مستقل غور طلب موضوع ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہمارے پاس کچھ ایسے ثبوت بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں حضرات خفیہ طریقے سے تحریک جہاد کے ساتھ وابستہ تھے۔ چنانچہ ''ہندوستان میں وہابی تحریک'' کے مصنف پٹنہ کے ایک خفیہ اجتماع کے بابت لکھتے ہیں:

''ایک پولیس رپورٹ میں کمشنر پٹنہ کو اطلاع دی گئی کہ ممتاز وہابیوں کا ایک (۲) اور جلسہ سراج گنج میں منعقد ہوا، جہاں نذیر حسین اپنی بھانجی کی شادی میں شرکت کے

---

(۱) مولانا محمد احسن نانوتوی (ص ۱۶۶ بحوالہ یہ دلی ہے ص ۱۰۳)

(۲) اس عبارت سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ اس سے پہلے اور بھی جلسے اسی قبیل کے منعقد ہوئے تھے۔

بہانے سے گئے ہوئے تھے۔اس تقریب نے وہابیوں کے اجتماع کے لئے ایک آسان حیلہ مہیا کر دیا۔سربرآوردہ حاضرین میں نذیر حسین، محمد حسین لاہوری (بٹالوی) اور ابراہیم آروی تھے۔ جلسے کے بانی و مہتمم ابراہیم تھے۔اور مقصد یہ تھا کہ ان کا تعاون حاصل کیا جائے، اور اس ملک کے دار الحرب ہونے کا اعلان کر دیا جائے۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ سرحد پر وہابی ریاست کا ہندوستان سے رابطہ اور اعانت نسبتاً بہت کمزور پڑ گئی ہے، ہندوستان سے مزید رضا کاروں اور امداد کی ترسیل کی کوششیں کرنا چاہئیں"۔(۱)

نواب صدیق حسن خانؒ کے متعلق تحریک جہاد کے ایک باخبر اور غیر جانبدار مورخ مولانا مسعود عالم ندوی نے یہ اعتراف کیا ہے کہ نواب صاحب دل سے اہل صادق پور کے ساتھ تھے، لیکن رقیبوں کے ڈر سے اظہار اس کے برعکس کرتے تھے۔(۲)

علاوہ ازیں کتاب "اقبال اور بھوپال" میں نواب صاحب کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے :

"علامہ جمال الدین افغانی، مصر کے مفتی محمد عبدہ، اور سید احمد شہید کے رفقاء کار سے آپ کا قریبی ربط و تعلق تھا، اور آپ پان اسلام ازم کی تحریک کے بڑے حامی تھے۔ چنانچہ اسی بناء پر برطانوی حکومت نے آپ کا نوابی کا خطاب واپس لے لیا اور آپ کو کچھ عرصے تک بند رکھا"۔(۳)

بلکہ (لقد شهد شاهد من أهله) کے تحت مولانا عبیداللہ سندھی کا اعتراف بھی ملاحظہ فرمالیجئے، مولانا سندھی لکھتے ہیں:

"جب مولانا محمد اسماعیل شہید نے "حجۃ اللہ" امام عبدالعزیز سے پڑھی، تو اپنے جد امجد کے طریقے پر عمل شروع کر دیا۔انہوں نے اپنی ایک خاص جماعت تیار کی، جو

---

(۱) ہندوستان میں وہابی تحریک (ص ۳۳۴-۳۳۵)

(۲) مولانا سندھی اور ان کے افکار وخیالات پر ایک نظر (ص ۱۰۰)

(۳) اقبال اور بھوپال (ص ۵۷-۵۸) خطاب کی واپسی اور حوالات میں نظر بندی شاید آپ کے اظہار وفاداری اور بقول بعض دریدہ دہن معترضین "انگریزوں کی ٹانگوں کے بیچ پناہ لینے" کی پاداش میں عمل میں آئی تھی؟

''حجۃ اللہ البالغۃ'' پر عمل کرے۔ یہ لوگ شافعیہ کی طرح رفع یدین اور آمین بالجہر کرتے تھے، جیسا کہ سنن میں مروی ہے''۔(۱)

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

'' مولانا ولایت علی کی تحریک کے متعلق ہمارا اپنا خیال یہ ہے کہ وہ مولانا اسماعیل شہید کی اس خاص جماعت کو جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے زندہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، اسی لئے مولانا نذیر حسین اور نواب صدیق حسن جیسے عالم بھی ان کا ساتھ دیتے ہیں''۔(۲)

نیز فرماتے ہیں:

''مولانا نذیر حسین دہلوی اور مولانا عبداللہ غزنوی بھی مولانا ولایت علی کی پارٹی سے خاص تعلق رکھتے تھے''۔(۳)

اسی طرح ''تاریخ دارالعلوم دیوبند'' میں تحریک آزادی میں مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے حصہ لینے کا اعتراف کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

''ہندوستان کی تحریک آزادی کی جدوجہد میں ہمیشہ شریک رہے، جنود ربانیہ کی فہرست میں انہیں میجر جنرل لکھا ہے''۔(۴)

سواد اعظم کے دعویداروں اور تحریک جہاد کے تاریخ سازوں کو مولانا محمد حسین بٹالوی اور نواب صدیق حسن خانؒ کی بعض تحریریں نظر آ گئیں، جن کی بنیاد پر پوری جماعت اہل حدیث کو انگریز حکومت کی وفاداری اور انگریز نوازی کا سرٹیفکیٹ دے دیا گیا۔ لیکن اپنے گھر گھرانہ کے ان وفاداروں پر ان کی نظر نہیں گئی جنہوں نے پوری زندگی انگریز حکومت کی ملازمت میں گذار دی اور تاحیات انگریزوں کے پنشنر (وظیفہ خوار) رہے،

---

(۱) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۱۰۵، نیز ۱۳۰۔

(۲) '' '' ص ۱۳۲۔

(۳) '' '' ص ۱۳۲۔

(۴) تاریخ دارالعلوم [illegible]

اوران جانباز جیالوں پر بھی نظر نہیں گئی جو انگریزی حکومت کے باغیوں کے خلاف نبرد آزما رہے، اور ڈٹ کران کا مقابلہ کیا، خوارق عادت کی قبیل سے بعض کرامات کا بھی ان کے ہاتھوں ظہور ہوا، اپنے ان علماء ربانیین کو بھی وہ نہیں یاد رکھ سکے جنہوں نے انگریزوں کی فوج ظفر موج میں خضر علیہ السلام کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا۔ چند علماء کی چند تحریریں پوری جماعت اہل حدیث کے لئے انگریز نوازی وانگریز پروری کی سند بن گئیں، مگر ان اکابرین کے یہ عظیم کارنامے انگریز وفاداری کی دلیل بننا تو درکنار، تحریک جہاد اور تحریک آزادی کے سرفروشانہ اعمال میں شمار کیے گئے، اللہ جانے یہ تاریخ ساز کونسی عینک لگا کر تاریخی واقعات کا مطالعہ کرتے اور تاریخ مرتب کرتے ہیں، اس طرح کی واضح جعل سازی اور خیانت دشمنان اسلام نے بھی نہیں کی ہوگی۔ حالانکہ جماعت اہلحدیث کے ان چند افراد کو چھوڑ کر پوری جماعت انگریز کے خلاف مصروف جہاد رہی۔ کیا علماء صادق پور اہلحدیث نہیں تھے؟ جنہوں نے سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی شہادت کے بعد ان کی تحریک جہاد کو پورے عزم وحوصلہ کے ساتھ آگے بڑھایا؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد جس جماعت کے افراد سب سے زیادہ انگریز مظالم کا شکار بنے وہ اسی جماعت کے افراد تھے۔ صرف ۱۸۶۳ء سے لیکر ۱۸۷۰ء تک کے سات سالہ مختصر سے عرصہ میں اس جماعت کے سرکردہ افراد کے خلاف پانچ عظیم مقدمات قائم کیے گئے، انبالہ (۱۸۶۴ء)، پٹنہ میں دو مرتبہ (۱۸۶۵ء) اور (۱۸۷۰ء)، مالدہ (۱۸۷۰ء)، راج محل (۱۸۷۰ء)۔ ان مقدمات میں جماعت کے امراء وعلماء کو تختہ دار پر لٹکایا گیا۔ اس کے علاوہ کالا پانی، ضبطیٔ جائیداد وغیرہ کی انہیں سزائیں دی گئیں۔ جیل کی تاریک کوٹھریوں کو اس جماعت کے دیوانوں نے آباد کیا۔ ان مجاہدین کی سرگرمیوں نے انگریز کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا جن کو وہابی کہا جاتا تھا۔ یہ وہابی کون تھے؟ ہنٹر کی کتاب پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ وہ اسی جماعت کے افراد تھے۔(۱)

---

(۱) تحریک جہاد: اہلحدیث اور احناف (ص ۱۲۳)

علماء اہل حدیث کی سرفروشانہ سرگرمیاں اکابرین دیوبند کی نظر میں

علماء اہلحدیث کی ان سرفروشانہ سرگرمیوں کا تذکرہ اکابرین دیوبند یا ان کے پٹی داروں اور غیر جانبداروں نے بھی کیا ہے۔

۱- آغا شورش کاشمیری جو خود انگریزی استبداد سے نبرد آزما اور راہ جہاد کے راہی رہے ہیں، ان کے سامنے جماعت اہل حدیث کی جہادی سرگرمیوں کا پورا نقشہ ہے۔ انہوں نے جماعت کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ ہندوستان کی جنگ آزادی میں سب سے زیادہ خون اسی جماعت کے افراد کا بہا ہے۔ موصوف کی مبنی بر حقیقت گرانقدر، بصیرت افروز تقریر کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''میں اہلحدیث کا اس لحاظ سے معترف ہوں اور مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اس قسم کے گوہر یک دانہ بھی مسلمانوں میں موجود رہے ہیں جنہوں نے دین کو صحیح کیا، لیکن خود رسوا ہوئے۔ جنہوں نے اسلام کو بالا کیا، لیکن خود غضب کا شکار ہوگئے، جنہوں نے غیر ملکی استعمار کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن اپنوں کے ہاتھوں اور پرایوں کے خنجروں سے گھائل ہوتے رہے''۔(۱)

اور آج تک اس کا سلسلہ جاری ہے۔ اور ان بیچارے اللہ والوں پر انگریزوں کی کاسہ لیسی اور ان کی دونوں ٹانگوں کے بیچ پناہ لینے کا الزام بڑی جرأت و بے باکی کے ساتھ عاید کیا جاتا ہے۔ اللہ غارت کرے ایسی کوڑھ مغزی اور دریدہ ذہنی اختیار کرنے والوں کو۔

۲- مولانا عبید اللہ سندھی بھی اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ تحریک جہاد میں غیر مقلدیت کی آمیزش ہوگئی تھی۔ بلکہ ان کے خیال میں تحریک جہاد میں ناکامی کا سبب بھی یہی چیز ہے، مولانا سید سلیمان ندوی نے مولانا سندھی کے خیالات پر نقد کرتے ہوئے اس نظریہ کی سخت تردید کی ہے، اور لکھا ہے کہ تحریک کے علمبرداروں میں جنگ و جدال کے ذریعہ رد بدعت یا اتباع سنت کا خیال کبھی راہ نہیں پایا۔(۲)

---

(۱) ہفت روزہ چٹان ۱۳/نومبر ۱۹۶۷ء منقول از تحریک جہاد: اہلحدیث اور احناف (۱۶)

(۲) ماہنامہ معارف اعظم گڑھ [illegible]

۳- دار العلوم دیوبند کی ایک فاضل اور نامور شخصیت مولانا سعید اکبر آبادی مدیر ماہنامہ "برہان" دہلی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

"ہندوستان میں جماعت اہلحدیث کے علماء بھی بڑی اہمیت کے مالک رہے ہیں اور خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کی شرعی حیثیت کے بارے میں ان علماء اسلام کی آراء اس لئے اور بھی لائق توجہ ہیں کہ اس جماعت نے ہی سب سے زیادہ سرگرمی اور جوش کے ساتھ حضرت سید احمد شہید کے زیر قیادت انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے میں حصہ لیا تھا، اور اسی بناء پر انہیں بدنام کرنے کی غرض سے وہابی کہتے تھے ۔(۱)

موصوف اکبر آبادی مولانا بٹالوی کی انگریز نوازی یا ہندوستان کو دار الحرب تسلیم نہ کرنے کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے ذکر کرتے ہیں:

" مولانا بٹالوی ہندوستان کو دار الحرب نہیں تسلیم کرتے تھے، بلکہ یہ کہتے تھے: "مسلمانوں کو انہی (اقوام غیر) کی طرف سے ادائے شعائر مذہب کی آزادی ملی ہو تو وہ بھی دار السلام اور کم سے کم دار السلم والامان کے نام سے موسوم ہونے کا مستحق ہے"۔ (الاقتصاد فی مسائل الجہاد ص ۱۹)

اس اقتباس کو نقل کرنے کے بعد مولانا سعید احمد اکبر آبادی تحریر فرماتے ہیں:

"یہ واضح رہنا چاہئے کہ مولانا محمد حسین صاحب (بٹالوی) نے جو کچھ اس رسالے میں لکھا ہے وہ اس میں منفرد نہیں ہیں"۔(۲)

۴- مولانا ابوالکلام آزاد جماعت اہلحدیث کے سیاسی وجہادی پہلو کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں:

---

(۱) ملاحظہ ہو: برہان، دہلی، بابت اگست ۱۹۶۶ء (ص ۶۹) مضمون: "ہندوستان کی شرعی حیثیت"۔

(۲) "ہندوستان کی شرعی حیثیت" برہان دہلی (ص ۷۰) بابت اگست ۱۹۶۶ء۔ مولانا اکبر آبادی صاحب نے مذکورہ مضمون میں بڑے ہی محققانہ انداز میں ہندوستان کے دار الحرب یا دار الاسلام ہونے پر بحث کی ہے۔ علماء دیوبند کی تحریروں سے ہندوستان کے دار الامن یا دار الاسلام ہونے کو ثابت کیا ہے۔ مولانا بٹالوی پر کیچڑ اچھالنے والوں کو اپنے گھر کی بھی خبر لینی چاہیئے خاص طور سے ابوبکر غازیپوری جیسے آزاد ہند کے سپوتوں کو۔

''اس زمانے میں ہندوستان میں وہابیوں کی جانب سے گورنمنٹ ہند نہایت بر افروختہ تھی، اور ان کی جماعت کو سخت خطرناک پولیٹکل جماعت سمجھتی تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ یہ جماعت مولانا اسماعیل (رحمہ اللہ) کی جماعت سمجھی جاتی تھی، جنہوں نے اپنی تحریک کی بنیاد مسئلہ جہاد پر رکھی تھی، اور سکھوں سے عملاً جہاد کیا تھا۔ مولانا اسماعیل کے بعد سید صاحب کی جو جماعت سرحد پر رہ گئی تھی وہ مولانا صادق پوری کی امارت میں از سر نو قائم ہوئی، اور اس سے اور انگریزوں سے دو تین مرتبہ مڈبھیڑ ہوئی تھی، اور گورنمنٹ کو خیال ہو گیا تھا کہ اب یہ جماعت انگریزوں سے جنگ کرنا چاہتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ غدر میں سپاہیوں نے جو فتوے مرتب کئے تھے، ان پر بعض وہابی علماء کی بھی مہریں تھیں۔ ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ یہ جماعت ملک میں نہایت قلیل تھی اور سواد اعظم سے سخت مذہبی مخالفت برپا تھی۔ مخالفین اسے نقصان پہونچانے کے لئے ہر طرح کی کوششیں کرتے تھے۔ ایک بڑی کوشش یہ بھی تھی کہ گورنمنٹ کو یقین دلاتے تھے کہ یہ جماعت اس کے برخلاف ہے، اور جہاد کرنا چاہتی ہے، جس کے باور کرنے میں گورنمنٹ کو زیادہ پس و پیش نہ ہوا، کیونکہ جو مشہور خاندان ان وہابیوں کے بنگال اور پٹنہ کے گرفتار ہوئے تھے، ان کے یہاں ایک بہت بڑی تعداد ایسی تحریرات کی برآمد ہوئی جن میں انگریزوں کے خلاف دعوت دی گئی تھی۔ اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ جماعت عام طور پر اس کا اعلان بھی کر چکی تھی اور اس موضوع پر بعض کتابیں بھی لکھی گئی تھیں۔

ان اسباب سے اس زمانے میں گورنمنٹ کو جس کسی پر وہابی ہونے کا شبہہ ہو جاتا فوراً گرفتار کرتی، مقدمہ چلاتی، پھانسی، ورنہ کم از کم کالے پانی، یا حبس دوام کی سزا دیتی۔ چنانچہ اس جماعت کے سینکڑوں علماء، امراء، تاجر کالے پانی بھیجے جا چکے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ جن پر مقدمے چلائے جاتے تھے ان کے تمام اہل و عیال بھی تباہ ہو جاتے تھے۔ کیونکہ یا تو وہ بھی گرفتار ہوتے تھے، ورنہ جائیداد کی ضبطی کی وجہ سے خود بخود تباہ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ مشہور وہابیان بنگالہ اور خاندان صادقپور کے نتائج یہی ہوئے، جو بہت متمول

تھے۔اسی طرح کلکتے کے مشہور تاجران چرم امیر خان اور حشمت خان کے خاندان بھی برباد ہوئے۔(۱)

۵-ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڈھ نے مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب ''ہندوستانی مسلمان'' پر تبصرہ کرتے ہوئے جماعت اہلحدیث کے دینی وعلمی مراکز کے عدم ذکر پر گرفت کی ہے، اور لکھا ہے:

''دینی وعلمی مراکز کے تذکرے میں انجمن ترقی اردو اور جماعت اہل حدیث اور ان کے اداروں کا نہ ذکر کرنا تعجب خیز معلوم ہوا۔حالانکہ سید صاحب کے بعد اس تحریک کو واقعی اسی جماعت کے افراد نے زندہ رکھا''۔(۲)

۶-مولانا ابوالحسن علی ندوی بھی اہلحدیثوں کے اجتماعات میں جماعت اہلحدیث کی خوبیوں اور ان کی سیاسی وجہادی سرگرمیوں کو بڑی صراحت کے ساتھ تسلیم کرتے اور ان کا اعتراف کرتے ہیں۔(۳)

۷-حافظ صلاح الدین یوسف اپنی کتاب ''تحریک جہاد: اہلحدیث اور احناف'' میں ''اہل تاریخ کا اعتراف'' کے ذیلی عنوان کے تحت مذکورہ بالا اقتباسات سمیت متعدد دیگر شہادتوں کو جمع کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''علاوہ ازیں تحریک ریشمی رومال کی جو اصل دستاویزات جو سرکاری رپورٹوں پر مشتمل ہے ''تحریک شیخ الہند'' کے نام سے چھپی ہے اس میں بھی اہلحدیث افراد اور علماء کے نام ملتے ہیں۔اور سب سے اہم بات یہ کہ ان دستاویزات میں اہلحدیث حضرات اور علماء کو ہر جگہ ''وہابی مولوی'' متعصب اور جنونی وغیرہ کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے، جبکہ کسی حنفی کو ''وہابی'' نہیں کہا گیا''۔(۴)

---

(۱) مولانا آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی (ص ۷۱، ۷۲، مکتبہ اشاعت القرآن دہلی)

(۲) ماہنامہ معارف اعظم گڈھ دسمبر ۱۹۶۱ء (ص ۴۷۸)

(۳) ملاحظہ ہو اخبار ''دارالہدی'' دربھنگہ ۱۶/ جولائی ۱۹۶۱ء، وتعمیر حیات لکھنؤ، بابت ۲۵/ مئی ۱۹۸۴ء۔

(۴) تحریک جہاد: اہلحدیث اور احناف (ص ۶۰)

اس کے بعد "تحریک ریشمی رومال" کے ذیلی عنوان سے اس تحریک پر روشنی ڈالتے ہوئے ان اہلحدیث حضرات کی نشاندہی کی ہے جن کے نام بطور مجاہدین ان دستاویزات میں موجود ہیں، اور ۲۴ نام گنائے ہیں۔(۱)

بطور نمونہ یہ چند شہادتیں جو غیر اہلحدیث کی زبان قلم سے صادر ہوئی ہیں پیش کی گئیں، توقع ہے کہ متلاشی حق کے لئے یہ ثبوت فراہم کرنے میں زائداز کافی ہوں گی کہ جماعت اہلحدیث نے من حیث الجماعت انگریزوں کے خلاف جہاد میں مکمل طور سے حصہ لیا ہے۔ رہا ان تاریخ سازوں کا معاملہ جن کے سینے بغض وکینہ اور عناد ودشمنی سے لبریز ہیں اگر ان کے سامنے شہادتوں کے دفاتر کے ڈھیر بھی لگا دیئے جائیں تو وہ تسلیم کرنے والے نہیں۔ کیونکہ ان کا مقصد ہی تاریخی حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا ہے۔ چونکہ ان کو اللہ تعالی کے حضور جواب دہی کا خوف نہیں ہے اس لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں کہہ سکتے ہیں لکھ سکتے ہیں، ہمیں اس کا کوئی غم نہیں اور نہ اعتراض ہے کہ اپنے علماء کے کارناموں کو جتنا چاہیں رنگ وروغن لگا کر دنیا کے سامنے پیش کریں۔ لیکن اہلحدیث علماء کے حقیقی کارناموں پر پردہ ڈالنے اور تاریخ کے صفحات سے ان کو کھرچنے کا عمل کسی طرح بھی نہیں زیب دیتا، اور نہ ہی یہ عمل کسی طرح مناسب ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلاف نے خدمت اسلام، اعلائے کلمۃ اللہ اور نصرت دین کے لئے مختلف میدانوں میں جو عظیم قربانیاں پیش کی ہیں، وہ خالصۃً لوجہ اللہ تھیں (ان شاء اللہ)۔ صرف اللہ تعالی سے ہی ان کا اجر چاہتے تھے۔ کبھی بھی ہماری ستائش اور ثنا خوانی ان کے مطمح نظر نہیں تھی، نہ وہ اس کے خواہاں تھے اور نہ اس کے محتاج وطلبگار۔ اگر ہم اپنے عمل کے ذریعہ ان کی خدمات اور قربانیوں پر پانی پھیرنا اور پردہ ڈالنا چاہتے ہیں تو اس سے ان کے مقام ومرتبہ پر کوئی فرق نہیں پڑے گا اور نہ کوئی آنچ آئے گی، اور نہ ہی انہوں نے اس مقصد کے پیش نظر اپنی قربانیاں پیش کی تھیں۔ البتہ تاریخ کو ایک امانت کی حیثیت حاصل ہے، لہذا ایک مؤرخ

---

(۱) تحریک جہاد: اہل حدیث اور احناف (ص ۷۸-۸۰)

کا فریضہ بنتا ہے کہ اس امانت کی ادائیگی میں کبھی بھی غیر جانبداری اور دیانتداری کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اگر وہ اس کے برعکس جانبداری کا ثبوت دیتا ہے اور واقعات کو نقل کرنے میں سچائی اور دیانتداری کو ملحوظ نہیں رکھتا تو اس کا خمیازہ خود اسی کو بھگتنا پڑے گا اور اللہ رب العزت کے حضور وہ خود جوابدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جانبداری اور خیانت جیسے اعمال بد سے محفوظ رکھے، آمین۔

(۳)

سلف اور تعدد اسماء

سلف وائمہ سلف کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ اس پاک طینت جماعت نے اپنے لئے ایک سے زائد نام یا لقب اختیار کیا ہے۔ چنانچہ یہی جماعت ''اھل السنۃ والجماعۃ'' کے نام سے جانی گئی، ''محمدی'' بھی کہلائی، ''اہل الحدیث اور اہل الاثر'' سے بھی معروف ہوئی۔ کبھی بھی ان اسماء والقاب کو بری نظر سے نہیں دیکھا گیا اور نہ ہی کسی جانب سے ان پر اعتراض کیا گیا، اور نہ ہی اسے خلاف شریعت گردانا گیا اور نہ ان ناموں کی وجہ سے ان کے صدق واخلاص پر کوئی سوالیہ نشان قائم کیا گیا۔

لیکن جب کسی کے خلاف دل میں نفرت وکدورت جگہ بنا لیتی ہے تو اس کی ہر چیز بری لگنے لگتی ہے خواہ اس کا تعلق محاسن ہی سے کیوں نہ ہو۔ یہی حال برصغیر کی جماعت اہل حدیث کا ہے، اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ القاب واسماء تعبدی نہیں ہیں اور نہ محض ان کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کیا جاسکتا ہے جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے۔ اس جماعت نے اپنے لئے مختلف اوقات وازمنہ میں، یا ایک ہی وقت میں متعدد پاکیزہ ناموں کا انتخاب کیا۔ چنانچہ اس نے اپنا نام موحد رکھا، اہل الحدیث، اہل الاثر، سلفی اور محمدی جیسے طیب وطاہر اور معنویت سے پر القاب اور نسبتوں کو اختیار کیا۔ حدیث پر نظر رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے کہ رسول اکرم ﷺ افراد کے لئے اچھے شگون کے طور پر عمدہ اور بامعنی ناموں کا انتخاب فرماتے تھے۔ غیر مستحسن اور بے معنی ناموں کو تبدیل کر کے مستحسن اور پسندیدہ نام رکھا کرتے تھے۔ (۱)

---

(۱) حدیث کی گردان کرنے والوں پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے، جو اس سے ناواقف ہیں ان کے لئے ''تحفۃ الاسماء'' مؤلفہ غازی عزیر، ''اسلام میں نام رکھنے کا طریقہ'' مؤلفہ بشیر بن محمد کا مطالعہ مفید ہوگا، ان شاء اللہ۔

اہلحدیثوں کے یہ بھلے نام جو نہ تو کسی عربی یا عجمی شخصیت سے مربوط ہیں اور نہ ہی کسی عربی یا عجمی گاؤں یا دیش کی طرف منسوب۔ اگر کوئی نسبت ہے تو رسول اکرم ﷺ کی ذات، یا آپ کے اقوال، یا آپ کی جماعت کی جانب ہے۔ لیکن ہمارے کرم فرما حضرات کو یہ سارے نام نہیں بھائے، بہت زیادہ کھلے۔ بلکہ نیش زنی اور غلط الزامات کا سہارا لیتے ہوئے دلوں میں جھانکنے اور نیتوں پر حملہ کرنے کی کوشش کی گئی اور کی جارہی ہے۔ انہیں اضطراب و مصلحت کیشی پر محمول کیا گیا، نیک مشورے (؟) دیئے گئے۔ مثلاً کہا گیا: آپ اپنا نام اہل الکتاب رکھ لیجئے، اہل القرآن والحدیث والرسول رکھ لیجئے، اہل الآیات المتشابھات اور اہل السبع المثانی رکھ لیجئے۔ کیونکہ یہ تمام الفاظ قرآن کے اندر وارد ہوئے ہیں۔ اسی طرح سے نہ جانے کیا کیا مغلظات بکے گئے اور صفحات کے صفحات سیاہ کیے گئے۔(۱)

نیتوں کا حال اللہ تعالی جانتا ہے اس کا فیصلہ بروز قیامت ہوگا۔ مغلظات کے سلسلے میں اپنے اور اپنے کرم فرماؤں کے لئے اللہ تعالی سے ہدایت کی دعا کرتے ہیں۔ جہاں تک سوال ہے مختلف ناموں اور القاب کے انتخاب و اختیار کا تو بظاہر ہمیں شریعت میں ایسی کوئی دلیل نہیں نظر آئی، نہ ہی ہمارے کرم فرما حضرات نے اس کی جانب کوئی اشارہ کیا اور نہ ہی کتاب و سنت، قیاس و اجماع اور استحسان پر مبنی ایسے دلائل پیش فرمائے جن سے مختلف ناموں کے انتخاب و اختیار کی عدم مشروعیت کا پتہ چلتا ہو۔ بلکہ اس کے برعکس متعدد وجوہ اور مختلف اعتبارات سے ہمیں مشروعیت ہی کا پتہ چلتا ہے۔ بعض وجوہ پیش خدمت ہیں:

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"إن لله تسعة وتسعين اسما مائة إلا واحدا، من أحصاها دخل الجنة"(۲)

---

(۱) اطمینان کے لئے ملاحظہ فرمائیں: وقفة مع اللامذهبية (ص ۲۸-۳۰) غیر مقلدین کی ڈائری (ص ۲۰۸، ۲۰۹) ابوبکر غازی پوری کی دیگر مؤلفات۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فی أسماء الله تعالی وفضل من أحصاها (۲/۳۴۱ نمبر ۲...)

ترجمہ: اللہ تعالی کے لئے (۹۹) ایک کم سو نام ہیں جس شخص نے انہیں شمار کرلیا جنت میں داخل ہوگیا۔

اور خود قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے: "ولله الاسماء الحسنى فادعوه بها" (۱)

ترجمہ: اللہ تعالی کے اچھے نام ہیں اسے انہی ناموں سے پکارو۔

گویا تعدد اسماء یا تعدد القاب کوئی معیوب شئی نہیں ہے، ورنہ کبھی بھی اللہ تعالی کے نام متعدد نہیں ہوتے، بلکہ اس کے برخلاف عربوں کے یہاں جو چیز جتنی زیادہ عظیم اور مہتم بالشان ہوتی تھی اتنے ہی زیادہ اس کے نام وصفات ہوا کرتے تھے۔

۲- محسن انسانیت رسول اکرم ﷺ کے ایک سے زائد نام تھے۔ آپ کا نام دادا نے محمد اور والدہ نے احمد رکھا۔ اس کے علاوہ آپ کے متعدد صفتی نام تھے۔ قرآن کریم میں آپ کو مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے مخاطب کیا گیا ہے جیسے سراج منیر، بشیر ونذیر وغیرہ۔ اگر یہ چیز معیوب ہوتی تو کبھی بھی آپ کو گوارا نہیں ہوتی اور نہ اللہ تعالی آپ کو مختلف القاب سے نوازتا۔

۳- اللہ تبارک وتعالی نے "امت محمدیہ" کا نام "مسلمین" رکھا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اسی نام سے آپس میں ایک دوسرے کو پکارنے کی تلقین فرمائی ہے جیسا کہ سابقہ سطور میں عرض کیا جاچکا ہے۔ اس کے باوجود خود اللہ تعالی نے قرآن کریم کے اندر اپنے برگزیدہ بندوں کو مؤمنین، مخلصین، صالحین، قانتین، عابدین، ساجدین، اور اسی طرح کے بے شمار صفتی ناموں سے یاد فرمایا ہے، جن سے ایک ہی جماعت مراد ومقصود ہے اور وہ مسلمانوں کی جماعت ہے۔ اسے نہ تو اضطراب پر محمول کیا جائے گا، اور نہ اس سے کسی قسم کی قباحت ہی لازم آتی ہے۔

اب اگر اہلحدیثوں نے مختلف اوقات میں یا ایک ہی وقت میں مختلف نام والقاب

---

(۱) سورۃ الاعراف (الآیۃ: ۱۸۰)

اختیار کیے تو کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے اسلامی شریعت کی کسی قسم کی مخالفت لازم آتی ہو۔ اور یہ کہ مفاد پرستی اور مصلحت کیشی صرف مختلف ناموں کے انتخاب واختیار میں ہی منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے اور بھی وسیلے اور ذرائع ہیں جو ہمارے کرم فرما حضرات کے نزدیک زیادہ معروف ہیں۔ کیونکہ گاہے بگاہے وہ ان کا استعمال بھی کرتے رہتے ہیں، اور الزام دوسروں کو دیتے ہیں۔

۴- اہلحدیثوں کے اختیار کردہ ناموں میں کوئی نام ایسا نہیں ہے جس سے کسی قسم کی اسلام سے اجنبیت ٹپکتی ہو یا عجمیت کی بو آتی ہو۔ بلکہ یہ سارے نام ائمہ سلف کے منتخب کردہ نام ہیں۔ علماء سلف کی جماعت انہی ناموں سے معروف تھی۔ اگر ان مختلف ناموں کے استعمال واختیار سے کسی قسم کی شرعی قباحت لازم آتی ہے تو گویا علماء امت اور ائمہ سلف نے اس قباحت کا ارتکاب کیا (نعوذ باللہ)۔ کیا یہ حضرات ائمہ سلف کو بھی مطعون کرنے کی جسارت کر سکتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل کی سطور میں اختصار کے ساتھ اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا جائے کہ اہلحدیثوں کے اختیار کردہ جملہ اسماء والقاب متقدمین علماء سلف کے اختیار کردہ ہیں۔

محمدی:

امام بیہقیؒ نے عمران بن موسی الجرجانی (م ۳۰۵ ھ) کے واسطے سے امام سوید بن سعید الحدثانی (م ۲۴۰ ھ) سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے امام مالک بن انس، حماد بن زید، سفیان بن عیینہ (متعدد ائمہ حدیث وفقہ کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں) اور اپنے تمام اساتذہ سے سنا ہے کہ ایمان قول وعمل کا مجموعہ ہے، اور وہ گھٹتا بڑھتا ہے .... (اس کے بعد عقیدہ سے متعلق چند مسائل کا تذکرہ کیا ہے) اخیر میں عمران بن موسی فرماتے ہیں: اور میں بھی یہی عقیدہ رکھتا ہوں، (وما رأيت محمديا قط الا وهو يقوله) یعنی: ہر محمدی شخص کو میں نے اسی عقیدہ کا معتقد پایا ہے۔(۱)

---

(۱) الاسماء والصفات للبیہقی (ص ۱۸۱/ ۳۰۲ طبع بیروت)

علامہ خطیب بغدادی، محمد بن عمر الداودی کے توسط سے مشہور محدث ابن شاہین، عمر بن احمد ابو حفص البغدادی (م ۳۸۵ ھ) کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ جب ابن شاہین کے سامنے امام شافعی وغیرہ فقہاء کرام کے مذاہب کا تذکرہ کیا جاتا تو فرماتے کہ میں محمدی المذہب ہوں۔(۱)

آخری دور میں تحریک شہیدین کے قائدین نے بھی تحریک سے وابستگان کو ''محمدی'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ چنانچہ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''ایضاح الحق الصریح'' میں لکھا ہے :

''ہر مومن شخص کو اپنا شعار خالص محمدی مذہب اور قدیم زمانہ والا مسلک اہل سنت کو بنانا چاہیئے کسی مخصوص تقلیدی مذہب اور طریق کو اپنا مذہب و مسلک نہیں قرار دینا چاہیئے، بلکہ تمام تقلیدی مذاہب وطریقوں کو عطاروں کی دوکانیں شمار کرنا چاہیئے، اور اپنے آپ کو لشکر محمدی کے ساتھ منسلک رکھنا چاہیئے''۔(۲)

کیا ان ائمہ حدیث اور علماء امت کو بھی غیروں کی ڈائری تیار کرنے والے کوئی مشورہ دینا پسند فرمائیں گے، یا تعلق خاطر کی بناء پر نیک مشوروں کی گرانقدر سوغات برصغیر کے اہلحدیثوں کے لئے ہی مخصوص رکھیں گے؟ لفظ ''محمدی'' سے ان حضرات کو اتنی زیادہ چڑھ اور جلن ہوگئی ہے کہ اس نسبت کے استعمال کو دشمنان اسلام یہود ونصاری کی ہم نوائی اور موافقت بتلاتے ہیں۔ اور یہ کہ علماء اہل حدیث نے ''محمدی'' نسبت صرف یہود ونصاری کی موافقت وتائید میں اختیار کی ہے۔ ہوسکتا ہے عالم بالا میں رہنے والے بعض بزرگوں نے بذریعہ کشف ان کو یہ خبر دی ہو۔ چنانچہ ان کے ایک بہت بڑے بزرگ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایام طفلی میں خواب دیکھا تھا کہ وہ اللہ تعالی کی گود میں

---

(۱) تاریخ بغداد (۱۱/ ۲۶۷) وسیر اعلام النبلاء (۱۶/ ۴۳۳)

ابن شاہین کو بیشتر ائمہ حدیث نے ثقہ قرار دیا ہے، دار قطنی نے ان پر کلام کیا ہے، ان کے یہاں لحن اور غلطیوں پر اصرار پایا جاتا تھا، اور بقول خطیب فقہ سے ان کو کوئی شغف نہیں تھا۔

(۲) منقول از تراجم علماء حدیث (۱/ ۱۱۰-۱۱۱) ضمیر کا بحران (۳۶۴)

بیٹھے ہوئے ہیں (۱)۔ دیگر بزرگوں کے بارے میں قارئین نے پڑھ ہی لیا ہوگا کہ کسی کا قلم عرش الٰہی کے ورے چلتا ہے۔ اور کوئی عرش الٰہی کا پایہ پکڑ کر مچل رہا ہے۔ لہٰذا کوئی بعید نہیں کہ ان حضرات نے وہاں سے کوئی پیغام اس طرح کا ارسال کیا ہو۔ لیکن ایک سوال کرنے کی جسارت ضرور کریں گے کہ اگر انہیں کے کسی بزرگ صاحب نے لفظ ''محمدی'' کی نسبت استعمال کی ہو تو اس کا کیا نام دیں گے، کیا یہ نسبت جبریل امین اور دیگر ملائکہ مقربین کی موافقت و ہم نوائی کہی جائے گی یا وہ بھی دشمنان اسلام کی تائید و ہم نوائی ہوگی؟ اب آپ کا حسن کرشمہ ساز کیا کہتا ہے اسے دیکھا چاہئے۔ اور آپ کے علم کے لئے عرض کردیں ــــــــ ویسے آپ اس سے غافل نہیں ہیں کیونکہ آپ ہی لوگوں کی لکھی ہوئی تحریروں سے ہم نقل کریں گے ــــــــ کہ آپ کے ایک بہت بڑے بزرگ نے بھی ''محمدی'' نسبت استعمال کی ہے۔ چنانچہ آپ اپنا زمزم (مکہ والا نہیں سید واڑہ والا) شمارہ بابت ربیع الاول و ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ اٹھایئے، ''معارف مدنیہ'' کے عنوان سے آپ نے اپنے بزرگ بلکہ عظیم ترین بزرگ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے مکتوبات سے منتخب کر کے جن موتیوں سے اپنے قارئین کے دامن کو بھرنے کی زحمت کی ہے ان میں نمبر ۱۸ پر جس موتی کا تذکرہ آپ نے کیا ہے اس کو پڑھ لیں۔ اگر موقعہ نہیں ہے تو ہم آپ کو سنائے دیتے ہیں: ''فرمایا: ایک ''محمدی'' کو حسب اقتضائے فطرت اور عقل لازم ہونا چاہئے کہ وہ اپنے آقا کا سارنگ ڈھنگ، چال چلن، صورت و سیرت، فیشن و کلچر وغیرہ بنائے'' (۲) نہایت باادب طریقے سے ہم پوچھنا چاہیں گے کہ آپ اس کو کیا کہیں گے؟

اہل الحدیث

علامہ ابن خلدون نے فقہ اور اس کے تدریجی ارتقاء و تاریخی مراحل پر بحث کرتے ہوئے واضح الفاظ میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ فقہ اپنے ابتدائی مراحل میں ہی دو

(۱) ملاحظہ ہو: سوانح قاسمی (۱/۱۳۱-۱۳۲) و مبشرات دار العلوم دیوبند (ص ۶۳)

(۲) زمزم (ص ۱۰)

طریقوں میں منقسم ہو گیا تھا۔ ایک اہل الرای والقیاس کا طریقہ تھا جس کا مرکز عراق تھا۔ دوسرا اہل الحدیث کا طریقہ تھا جس کا مرکز حجاز تھا۔ اس کے بعد دونوں طریقوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔(۱)

اس تقسیم کے بعد اہل الرای واہل الحدیث کو دو ممتاز و مستقل بالذات جماعت کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی، مختلف ابواب میں الگ الگ ان کی آراء اور ان کے مذاہب کا تذکرہ کیا جانے لگا۔ چنانچہ علامہ ابن الصلاح مصطلح الحدیث کے ایک اہم مسئلے "اجازہ" کے ذریعہ روایت حدیث کے جواز و عدم جواز پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اہل الحدیث، فقہاء اور اصولیوں کی ایک جماعت اجازۃً روایت حدیث کے جواز کی مخالف ہے"۔

بعض شافعی فقہاء کے اقوال کا تذکرہ کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

"وممن أبطلها من أهل الحديث الامام إبراهيم بن إسحاق الحربى وأبو محمد عبد الله بن محمد الأصبهانى الملقب بأبى الشيخ"(۲)

اہل حدیثوں میں سے جن لوگوں نے اجازۃً روایت حدیث کو باطل قرار دیا ہے ، امام ابراہیم بن اسحاق حربی اور ابو محمد عبداللہ بن محمد اصبہانی الملقب "ابوالشیخ" ہیں۔

اس طرح اہل الحدیث سے مراد صرف وہی جماعت نہیں جس کا مشغلہ محض حفظ حدیث اور روایت حدیث ہے، بلکہ اہل قیاس ورائے کے بالمقابل کتاب وسنت پر مبنی ایک مخصوص منہج فکر کی حامل جماعت بھی ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے "اہل الحدیث" کا مفہوم متعین کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اہل الحدیث سے ہماری مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو محض حدیث سننے سنانے، اس

---

(۱) مقدمہ ابن خلدون (ص ۴۴۶ ط ۴، بیروت) الدر المصون بتہذیب مقدمۃ ابن خلدون (۲۶۳)

(۲) مقدمہ ابن الصلاح (ص ۱۳۵)

کی روایت کرنے اور لکھنے والے ہیں، بلکہ اس سے ہم ہر اس شخص کو مراد لیتے ہیں جو ظاہراً وباطناً حفظ حدیث، معرفت حدیث، فہم حدیث اور اتباع حدیث کا زیادہ حقدار ہے، اور یہی معاملہ اہل قرآن (۱) کا بھی ہے" (۲) (یعنی اہل قرآن سے صرف قرآن کے حفاظ ہی نہیں مراد ہوں گے بلکہ اس اصطلاح کے زیادہ مستحق وہ ہیں جو حفظ قرآن کے ساتھ فہم قرآن اور اتباع قرآن سے بھی باوصف ہیں)

یہی وجہ ہے کہ خود موصوف نے اور ان سے پہلے علامہ صابونی (۳۷۲-۴۴۹ھ) نے "اہل الحدیث" و"اہل السنۃ" کو مترادف کی حیثیت سے استعمال کیا ہے ۔

اول الذکر ایک جگہ لکھتے ہیں : " ..... مذهب السلف أهل الحديث والسنة والجماعة " (۳)

جبکہ مؤخر الذکر فرماتے ہیں:" إن أصحاب الحديث المتمسكين بالكتاب والسنة حفظ الله أحياءهم ورحم أمواتهم يشهدون لله تعالى بالوحدانية وللرسول ﷺ بالرسالة والنبوة ...... (إلى أن قال) وقد أعاذ الله أهل السنة من التحريف والتكييف والتشبيه ، ومن عليهم بالتعريف والتفهيم " (۴)

یعنی اصحاب حدیث جو کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے زندوں کی حفاظت فرمائے اور ان کے مردوں پر رحم کرے ۔ اللہ تعالیٰ کے لئے وحدانیت کی اور رسول اکرم ﷺ کے لئے رسالت ونبوت کی شہادت دیتے ہیں ....

---

(۱) اس سے عصر حاضر کے وہ اصطلاحی اہل قرآن مراد نہیں ہیں جو حجیت حدیث کے منکر اور قرآن کریم پر اکتفاء کے داعی ومدعی ہیں ۔ اور غیر مقلدین کی ڈائری تیار کرنے والے جا بجا اہلحدیثوں کو "اہل قرآن" نام رکھ کر انہی کے ساتھ شامل ہو جانے کا مشورہ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔

(۲) مجموع الفتاوی ۴/۹۵۔

(۳) درء تعارض العقل والنقل (۲۰۳/۱)

(۴) عقیدۃ السلف اصحاب الحدیث (ص ۳-۴ تحقیق بدر البدر)

(آگے چل کر مزید فرماتے ہیں) اللہ تعالی نے اہل سنت کو (کتاب وسنت کے دلائل میں) کسی ہیر پھیر، (اور اللہ تعالی کی صفات میں) ان کی کیفیت متعین کرنے نیز (مخلوقین سے) ان کو مشابہ قرار دینے سے محفوظ رکھا، اور فہم ومعرفت عطا کر کے ان پر احسان عظیم کیا ہے''۔

مذکورہ بالا اقتباسات سے جہاں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ''اہل الحدیث'' کا لفظ اصحاب صنعت حدیث کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ اہل سنت کے مترادف کی حیثیت سے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے، وہیں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ ''اهل السنة والجماعة'' کے لئے بیک وقت اہل الحدیث اور سلف کا لفظ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لہذا اگر عصر حاضر کے اہل حدیثوں نے اپنے لئے متعدد نام منتخب کیے تو کوئی ایسا کام نہیں کیا جو علماء سلف کے یہاں نہیں پایا جاتا تھا۔ اس پر طعن وتشنیع محض دل کی بھڑاس نکالنے اور اپنی عجمی وغیر اسلامی نسبت پر پردہ پوشی کے مترادف ہے۔ اور اہل الحدیث سے صرف روایت حدیث سے باوصف اور علم حدیث سے شغف رکھنے والی جماعت قدسیہ کو ہی مراد لینا غلط ہے، بلکہ اسکو اہل السنۃ والجماعۃ کے مترادف اور اس کے ہم معنی بھی استعمال کیا گیا ہے۔

أهل الأثر

الأثر: لغت میں اُثر کے معنی روایت کرنے کے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے: "أثرت الحديث أي رويته" یعنی میں نے حدیث روایت کی۔ صاحب مختار الصحاح لکھتے ہیں: "أثر الحديث: ذكره عن غيره" یعنی کسی غیر سے حدیث بیان کی۔

اسی وجہ سے اس کی طرف نسبت کر کے محدث کو اثری کہا جاتا ہے۔ (۱)

محدثین کی اصطلاح میں اثر مطلقاً حدیث کا مترادف ہے جبکہ بعض فقہاء نے اثر کو مخصوص طور پر موقوف حدیث کے مترادف (ہم معنی) مانا ہے۔ (۲) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

(۱) مختار الصحاح (ص ۵) تدریب الراوی (۱/ ۲۳)

(۲) قواعد التحدیث (ص ۶۱)

نے دونوں لفظوں کو ایک ہی سیاق میں ذکر کیا ہے۔(۱)

بیشتر اہل علم نے اہل سنت کو اہل الاثر سے موسوم کیا ہے، چنانچہ امام ابو حاتم رازی (۱۹۵-۲۷۷ھ) فرماتے ہیں:

"مذهبنا واختيارنا اتباع رسول الله ﷺ وأصحابه والتابعين، والتمسك بمذهب أهل الأثر مثل أبي عبد الله أحمد بن حنبل" (۲)

یعنی: ہمارا مذہب مختار رسول اکرم ﷺ، صحابہ کرام اور تابعین کی اتباع و پیروی کرنا اور ابو عبداللہ احمد بن حنبل جیسے اہل الاثر کے مذہب پر کاربند رہنا ہے۔

مزید فرماتے ہیں: "....... علامة اهل البدع الوقيعة في أهل الأثر، وعلامة الزنادقة تسميتهم أهل السنة حشوية" (۳)

یعنی: اہل بدعت کی نشانی اور علامت اہل الاثر کی تنقیص اور عیب جوئی ہے، زنادقہ کی علامت اہل سنت کو حشوی (۴) قرار دینا ہے۔

امام ابو حاتم نے مبینہ طور پر اہل سنت کو اہل الاثر کا نام دیا ہے۔ اسی طرح دیگر اہل علم نے بھی اس لفظ کو اہل سنت کے لئے بطور علم استعمال کیا ہے۔ مثال کے طور پر ابو نصر السجزی (م ۴۴۴ھ)، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، اور علامہ سفارینیؒ وغیرہ (۵) بلکہ بعض علماء نے

---

(۱) ملاحظہ ہو: درء تعارض العقل والنقل (۲۵۶/۶)

(۲) شرح اصول اعتقاد اهل السنة (۱۷۹/۱)

(۳) ایضا (۱۸۰/۱، ۱۸۱)

(۴) حشویہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالی کے لئے مخلوقین کی طرح صفات کو ثابت مانتے ہیں (تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا) لیکن صفات کے سلسلے میں مذہب سلف کے مخالفین اشعری علماء کلام اور معتزلہ وغیرہ علماء اہل سنت پر بھی حشویہ کا اطلاق کرتے ہیں، اس وجہ سے کہ مذہب سلف کے مطابق علماء اہل سنت اللہ تعالی کے لئے کتاب وسنت میں وارد اسماء وصفات کو بغیر تشبیہ وتمثیل، تاویل وتکییف ثابت مانتے ہیں یعنی وہ اللہ تعالی کے اسماء وصفات کو مخلوقین کی صفات واسماء کے مشابہ یا مماثل قرار دیئے بغیر، اسی طرح ان کے معانی ومفاہیم میں ہیر پھیر کئے بغیر اور ان کی حقیقت وکیفیت کو متعین کئے بغیر ثابت مانتے ہیں۔ علماء اہل سنت کو حشوی قرار دینا سراسر زیادتی اور ظلم ہے بلکہ یہ زندیق کی علامت ہے، جیسا کہ امام ابو حاتم رازی نے ارشاد فرمایا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مجموع الفتاوی (۱۴۴/۴-۱۴۵)

(۵) ملاحظہ ہو: الرد علی من انکر الحرف والصوت (ص ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۷۹، ۹۵، ۲۰، ۲۳۳) ودرء تعارض العقل والنقل (۷۹/۲، ۸۹) ولوامع الانوار (۶۷/۱)

عقائد وغیرہ کے باب میں اپنی تصنیفات کے لئے یہی نام منتخب کیا ہے۔(۱)

اُھل الأثر کی تعریف کرتے ہوئے علامہ سفارینی لکھتے ہیں:

''أھل الأثر کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اپنے عقائد ونظریات کتاب اللہ سے اخذ کرتے ہیں یا سنت رسول اللہ سے اخذ کرتے ہیں، یا صحیح سند سے منقول آثار سلف صالح یعنی صحابہ کرام وتابعین عظام سے اخذ کرتے ہیں''۔

اس کے بعد موصوف ''اثری'' کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اس شخص کو اثری کہا جاتا ہے جو اثری عقیدہ اور (اللہ کے نزدیک) محبوب ترین سلفی جماعت کی جانب نسبت اختیار کرتا ہے۔اور اس نسبت کو مذہب سلف کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔اور یہی امت کے سلف صالح اور دینی احکام ومعاملات میں قابل اقتداء اور معتبر ائمہ کا مذہب ہے''۔(۲)

موحد

لفظ موحد توحید سے بنا ہے، جس کے معنی ہیں اللہ تبارک وتعالی کو اس کی ذات وصفات میں ایک جاننے وماننے والا، اور تنہا اسی کی عبادت وبندگی کرنے والا۔میرے خیال میں کوئی بھی شخص جس کو اسلام کے بارے میں ادنی سی معلومات حاصل ہوں گی وہ اسلام میں توحید کے مقام ومرتبہ اور اس کی اہمیت سے ناواقف نہیں ہوگا۔ایک مسلمان شخص کے لئے یہی وہ قیمتی سرمایہ ہے جس کی بنیاد پر اس کے سارے اعمال عنداللہ مقبول یا مردود ہوتے ہیں۔لفظ ''موحد'' کا ذکر قرآن کریم میں نہیں وارد ہوا ہے البتہ بعض احادیث میں اس کا ذکر ملتا ہے۔چنانچہ علامہ سیوطی نے الدر المنثور میں سورہ حجر کی آیت (۲)" ربما

---

(۱) العین والاثر فی عقائد أھل الاثر لعبد الباقی الحنبلی، وقطف الثمر فی بیان عقیدۃ أھل الاثر للعلامہ صدیق حسن خاں، نخبۃ الفکر فی مصطلح اھل الاثر للحافظ ابن حجر العسقلانی۔

(۲) لوامع الأنوار (۱/۶۴)

یـود الـذین کفروا لو کانوا مسلمین " کی تفسیر میں طبرانی (فی الاوسط) اور ابن مردویہ کے حوالہ سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے: " إن أنـاسـا مـن أمتـی یـعذبون بذنوبهم فیکونون فی النار ما شـاء الله أن یکونوا ثم یعیرهم أهل الشرك ، فیقولون : ما نری ما کنتم فیه مـن تـصـدیـقکم نفعکم ، فلا یبقی موحد إلا أخرجه الله تعالی من الـنـار " ثـم قـرأ رسـول الـلـه ﷺ " ربـمـا یـود الذین کفروا لو کانوا مسلمین " (۱)

دوسری حدیث حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ابن ابی حاتم اور ابن شاہین (فی السنۃ) کے حوالہ سے نقل کی ہے، اس میں بھی موحدین کا لفظ وارد ہے۔

اسی طرح بعض دیگر احادیث میں اسی کے ہم معنی لفظ ''اہل التوحید'' بھی وارد ہوا ہے۔(۲)

اور لفظ ''موحدون'' کا استعمال ''اھل السنۃ والجماعۃ'' کے لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنی مؤلفات میں کیا ہے (۳)

اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لفظ ایسا نہیں ہے جس کو بطور علم (نام) یا لقب اختیار کرنے سے شرعی اعتبار سے کوئی قباحت لازم آتی ہو خاص طور سے ایسے معاشرے میں جہاں شرک کے مظاہر علانیہ طور پر پائے جاتے ہوں، اور اسلام سے نسبت رکھنے والی ایک بڑی جماعت شرکیہ اعمال انجام دینے میں مبتلا ہو۔ اس معاشرہ میں توحید سے روشناس کرانے اور توحید کی دعوت کو عام کرنے کے لئے اس کو ایک وسیلہ اور ذریعہ بنایا جاسکتا ہے اور اپنے آپ کو ''موحد'' کہنے اور ''اہل توحید'' میں شمار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دیگر

---

(۱) الدر المنثور (۴/۹۲) علامہ سیوطی نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ آپ کی تصحیح علماء حدیث کے یہاں بہت زیادہ معتبر نہیں ہے

(۲) ملاحظہ ہو سنن الترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فیمن یموت وھو یشھد ان لا الہ الا اللہ (۵/۲۴ تحقیق احمد شاکر)

(۳) درء تعارض العقل والنقل ([illegible])

لوگ مشرک ہیں۔

یہاں اس امر کی طرف اشارہ خالی از فائدہ نہیں ہوگا کہ مہدویت کے مدعی عبداللہ بن تومرت بربری نامی شخص کے ہاتھوں مغرب میں قائم ہونے والی ایک زبردست حکومت ''دولۃ الموحدین'' کے نام سے جانی جاتی ہے۔ ابن تومرت کا عقیدہ اعتزال، اشعریت اور تشیع کا ایک معجون مرکب تھا۔ اس کے اور اس کے ماننے والوں کے اندر سخت گیری اور قساوت پائی جاتی تھی۔ مغرب کے مراکش سمیت ایک بڑے حصہ پر ان کی حکومت ''دولۃ الموحدین'' کے نام سے ایک عرصہ تک قائم تھی۔(۱)

شاید اسی منحرف شخص کو اپنی جماعت کے افراد کا (موحدین) نام رکھ لینے کی وجہ سے لفظ ''موحد'' فاضل محقق کی نظر میں مبغوض ہو گیا ہو اور اپنے لئے اس لفظ کا استعمال نہ پسند کرتے ہوں، جیسا کہ موصوف نے بعض دیگر الفاظ کے انتخاب پر اہلحدیثوں کو مطعون کیا ہے صرف اس لئے کہ بعض منحرف اور باطل جماعتیں بھی اپنے لئے ان الفاظ کا بطور علم استعمال کرتی ہیں۔ یہ ان کی اپنی مرضی ہے چاہے وہ اس لفظ کو پسند کریں یا نہ کریں۔ ہمیں اپنے لئے یہ لفظ ہمیشہ پسند رہا ہے اور رہے گا۔ ہم نے اس سے دست برداری نہیں اختیار کی ہے اور یہ کہ موصوف کی پسند یا ناپسند ہمارے لئے کوئی معیار نہیں ہے۔ اور نہ انہیں ابھی یہ مقام ہی حاصل ہے کہ جس کو چاہیں جس کے ساتھ وہ جوڑ دیں۔ قادیانی بنا دیں، شیعی بنا دیں، منکر حدیث بنا دیں۔ موصوف نے دیوبندیت کی کھیتی میں پانی دینے کا جو عمل شروع کیا ہے اسے پوری تندہی سے جاری رکھیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس مقام کو پہونچ جائیں۔ ابھی تو غیر مقلدیت کی سینچی سینچائی کھیتی کی نمی اور تراوٹ سے ہی اپنے قلب وجگر اور معدے کو ٹھنڈک پہونچا رہے ہیں، اور اللہ جانے کب تک ٹھنڈک پہونچاتے

---

(۱) ملاحظہ ہو سیر اعلام النبلاء (۱۹/۵۳۹ و مابعد)

رہیں گے۔(۱)

کس کے اندر مصلحت کیشی پائی جاتی ہے اور کس کے اندر نہیں پائی جاتی ہے، اس کا فیصلہ آپ کی زبان وقلم کے ذریعہ نہیں بلکہ حقائق وواقعات کی روشنی میں کیا جائے گا۔ اور اپنی بے غرضی اور پارسائی کو ثابت کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ دوسروں کو غلط طریقہ سے غرض منداور موقعہ پرست ثابت کیا جائے۔ لوگوں کے پاس وافر مقدار میں ٹھوس اور نا قابل انکار دلائل موجود ہیں جن سے آپ کے تقوی وطہارت اور سفید پوشی کی حقیقت آشکارا ہوسکتی ہے، لیکن ہم اسے ایک لغواور مہمل عمل سمجھتے ہیں۔ آپ کی مصلحت یا عدم مصلحت کیشی میں ہمارے لئے دنیا وآخرت کا کوئی فائدہ مضمر نہیں ہے۔ یہ آپ ہی کو مبارک ہو کہ لوگوں کے دلوں میں جھانک کر ان کی نیتوں کو معلوم کیجئے۔ اور اپنے غیبی تصرفات کی مدد سے دوسروں کی موقعہ شناسی اور غرض مندی کو واضح کیجئے اور اپنے ہم نواؤں کو دل کی بھڑاس نکالنے کا موقعہ عنایت کیجئے اور خود بھی اپنے قلب وجگر کو سکون وراحت پہونچایئے۔ جبکہ مشاہدہ میں یہ بات آچکی اور آتی رہتی ہے کہ آپ کی برادری کے بیشتر ہونہار طلبہ بلکہ تعلیم وتدریس سے منسلک حضرات باوجودیکہ سلفی عقیدہ کے تعفن سے ان کی ناکیں سڑی جاتی ہیں پھر بھی سلفی بن کر اور ہر قسم کے وسائل کو بروئے کار لاکر سلفی عقائد کے عفونت زدہ معروف ومشہور جامعات میں داخلہ لیتے ہیں۔ اور پوری زیرکی اور چالاکی کے ساتھ کسی بھی موقعہ اور مناسبت کو ہاتھ سے نکلنے نہیں دیتے۔ اور بقول آپ کے ان مصلحت پرست اور موقعہ شناس اہلحدیثوں سے آگے نہیں تو شانہ بشانہ ہر جگہ اور ہر موڑ پر ضرور نظر آتے ہیں۔ اور خود ڈائری تیار کرنے والوں کا معاملہ مختلف نہیں ہے اس کے بھی عینی شواہد موجود ہیں۔ چونکہ ان کا ''صدق وصفا اور ان کی بے غرضی اور بے لوثی'' اتنی پختہ اور پائیدار ہے کہ کوئی کام انجام دیں کسی طرح کا کوئی فرق یا ان کے صدق واخلاص پر کوئی آنچ نہیں آسکتی۔

---

(۱) قارئین سے معذرت کے ساتھ- یہاں فاضل محقق ہی کی زبان میں بات کی گئی ہے، ملاحظہ ہو مسائل غیر مقلدین (ص ۲۸۷)

سلفی

سابقہ سطور میں اس لفظ پر مختلف ناحیوں سے تفصیلی کلام کیا جا چکا ہے، اور اس نسبت کے جواز پر اہل علم کے اقوال بھی نقل کیے جا چکے ہیں، اور حتی الامکان باوثوق حوالوں کے ساتھ اس کی قدامت کو بھی واضح کر دیا گیا ہے اور دلائل کی روشنی میں یہ بھی ثابت کر دیا گیا ہے کہ برصغیر کی جماعت اہل حدیث کے افراد اس وقت سے یہ نسبت اختیار کرتے چلے آرہے ہیں جبکہ سعودیہ میں دولت کی فراوانی پردۂ خفا میں تھی۔ لہذا یہ سراسر بہتان اور تہمت ہے جسے جماعت اہل حدیث کے سر منڈھنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور پوری جماعت کے دلوں میں جھانک کر ان کی نیتوں کے بارے میں قطعی فیصلے کیے جا رہے ہیں، اور کہا جا رہا ہے کہ محض حصول منفعت کی خاطر برصغیر کی اس جماعت نے سلفیت کا لبادہ اوڑھ لیا ہے، ورنہ اس کا سلفیت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اور اس سلسلے میں نہایت بلند بانگ دعوؤں اور چیلنجوں سے کام لیا جا رہا ہے(۱)، اور عربی کی مثل جس میں کہا گیا ہے "كل إناء يترشح بما فيه" (برتن میں جو کچھ ہوتا ہے اس سے وہی ٹپکتا ہے) کے مصداق یہ کام بڑی مہارت اور چالاکی کے ساتھ خود انجام دیتے ہیں۔ سلفیت کا لباس زیب تن

---

(۱) چیلنجوں کو قبول کرتے ہوئے پچھلے صفحات میں واضح کر دیا گیا ہے کہ سلف کی طرف نسبت کو جماعت اہل حدیث کے افراد اور ادارے اس وقت سے اختیار کرتے چلے آرہے ہیں جبکہ سعودی حکومت کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا، یا وہاں دولت کی ریل پیل نہیں تھی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جماعت کے بعض اصحاب ثروت نے دہلی سے اپنی استطاعت کے مطابق وافر مقدار میں اجناس وغیرہ ملک عبدالعزیز رحمہ اللہ کو قبضۂ حجاز کے مکمل ہوتے ہی بطور اعانت بھجوایا تھا۔ لیکن اس وقت مادی اعانت سے زیادہ معنوی اعانت کی ضرورت تھی۔ جس کا ملک موصوف نے اس موقعہ پر اظہار بھی کیا تھا، کیونکہ پورا عالم آپ کے مخالف ہو گیا تھا۔ ہندوستان سمیت مختلف ممالک میں صدائے احتجاج بلند کی جا رہی تھی۔ چنانچہ اس موقعہ پر جماعت اہلحدیث کے سرکردہ علماء نے آپ کی تائید میں مختلف کتابیں بھی تصنیف کی تھیں۔ اس حقیقت سے جماعت کی تاریخ سے واقف حضرات بخوبی آگاہ ہیں۔ لیکن اس سے کہیں زیادہ واضح اور ناقابل انکار حقائق کو تسلیم کرنا تو دور کی بات ہے ان کو توڑ مروڑ کر اور مسخ کر کے پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اگر جماعت اہل حدیث کے حقیقی موقف سے آگاہی مطلوب ہے تو مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ سودمند ہوگا: "شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے بارے میں دو متضاد نظریے" مؤلفہ شیخ محفوظ الرحمٰن فیضی، "دعوة الشيخ محمد بن عبدالوهاب رحمه الله في شبه القارة الهندية بين مؤيديها ومعانديها"، "علماء أهل الحديث في الهند وموقفهم من دعوة الإمام محمد بن عبدالوهاب والدولة السعودية" مؤلفہ ابوالمکرم عبدالجلیل السلفی۔

کر کے نجد وحجاز کے سیدھے سادھے عوام وخواص کو جل دیتے ہوئے اور اپنے ملک میں تنہا خدمت دین اور دعوت اسلام کا دعوی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اہلحدیثوں کے سر الزام عاید کر کے اپنی پاکدامنی اور پارسائی کا سکہ بیٹھانا چاہتے ہیں۔ موجودہ حالات وظروف میں محض اہلحدیثوں کو دولت کی فراہمی کا طعنہ درحقیقت اپنی پچھلی تاریخ کو دہرانا ہے، سابق میں جس طرح اس جماعت کو مختلف جھوٹی سچی تہمتوں سے متہم کر کے گزند پہونچانے کی اور ناقابل تلافی نقصانات سے دوچار کرنے کی کوشش کی گئی تھی بالکل اسی طرح آج بھی حکومت کی نظر میں اس جماعت کو متہم اور مشکوک بنا کر نقصان پہونچانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ورنہ صرف اہلحدیثوں کو بدنام کرنے کی اور کوئی وجہ بظاہر نظر نہیں آتی، جبکہ موقعہ اور مناسبت سے کاسہ گدائی لئے ہوئے غیبی تصرفات اور غیبی تھیلیوں پر یقین رکھنے والے یہ حضرات خود نجد وحجاز سمیت تمام بلاد عربیہ کی صحرانوردی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور معاً بعد نہایت مختصر اور قلیل مدت میں چٹیل اور بے آب وگیاہ میدانوں میں عظیم الشان عمارتیں کھڑی کر کے جنگل میں منگل کا سماں پیدا کر دیتے ہیں، اور دیکھتے دیکھتے خودرو پودوں کی طرح فلک بوس بلڈنگیں قائم کر دیتے ہیں۔ ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ اس سلسلے میں دوسروں کے حقوق کو بھی غصب کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ اس کے باوجود شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر جماعت اہلحدیث کے صدق واخلاص پر منصوبہ بند طریقے سے بٹہ لگانے کی مہم میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ اس طرح کے شیوخ ہند کو دیگر جماعتوں اور افراد کی نیتوں پر نقب زنی سے پیشتر اپنی کھلی قباء پر بھی نظر رکھنی چاہئے۔ بہتان تراشی اور تہمت بازی سے پہلے اللہ تعالی کے حضور جواب دہی سے خوف کھانا چاہئے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے عیوب کی پردہ پوشی کے لئے ہر طرح کی شرم وحیاء کو بالائے طاق رکھ کر جرأت وبے باکی کے ساتھ دوسروں کو متہم کرنا ان کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔ یہاں تک کہ موقعہ آنے پر ان امور کو بھی اہلحدیثوں کی مذمت میں شمار کرنے لگتے ہیں جن میں وہ خود سر سے پاؤں تک غرق ہوتے ہیں یا جن کو ان کے یہاں مسلمہ حقائق کی حیثیت

حاصل ہوتی ہےٴ اس طرح کی مثالیں سابق میں گذر چکی ہیں۔ مزید تاکید کے طور پر ایک مثال قارئین کرام کے گوش گذار کرنا چاہیں گے۔

عصر حاضر کے غیر معمولی شہرت یافتہ جدید محقق قلم کار کی ایک کتاب کے مقدمے میں جماعت اہلحدیث پر فرد جرم عاید کرتے ہوئے بڑے کروفر کے ساتھ جن امور کو شمار کیا گیا ہے ان میں ایک اہم امر یہ بھی ہے کہ اہلحدیث (غیر مقلدوں) کے عقیدہ کے مطابق صحابہ کا قول وفعل حجت نہیں ہے۔ اور متعدد علماء اہلحدیث کے اقوال نقل کیے گئے ہیں، اور یہاں ان کو ایک شدید پریشانی لاحق ہوگئی کہ اہلحدیث اپنے کو سلفی بھی کہتے ہیں اور ان کا دعوی ہے کہ وہ سلف کے طریق پر ہیں اور صحابی کا قول ان کے نزدیک حجت نہیں ہے جبکہ صحابہ ہی سلف کی اولین جماعت ہے۔ موصوف کی پریشانی کا سبب یہ ہے کہ طریقہ سلف پر گامزن ہونے کا لازمی مفہوم ان کے نزدیک یہ ہے کہ جملہ صحابہ کرام کے تمام اقوال وافعال کی پابندی کی جائے (۱) جس طرح موصوف نے اہلحدیث کا مفہوم یہ متعین کیا ہے کہ جملہ مسائل میں جملہ احادیث نبویہ پر عمل کرنے کی دعویدار جماعت خواہ کسی مسألہ میں حدیث پائی ہی نہ جاتی ہو یا متعلقہ مسألے میں حدیث کا اسے علم ہی نہ ہو یا ایک نہیں کئی احادیث پائی جاتی ہوں لیکن باہم متعارض ہوں پھر بھی دعوی عمل بالحدیث کی وجہ سے اس کو حدیث ہی پر بلکہ جملہ احادیث پر عمل کرنا ضروری ہے (۲) ہم موصوف کی خود کی پیدا کردہ پریشانی کے ذمہ دار نہیں ہیں، اور نہ اس وقت اس مسألہ میں پڑنا چاہتے ہیں اگر موصوف حدیث واصول حدیث سے شغف رکھتے تو شاید ان کو یہ پریشانی نہ لاحق ہوتی، میں جہاں تک سمجھتا ہوں اللہ تعالی زیادہ بہتر جاننے والا ہے انہوں نے عمل بالحدیث اور سلفیت کا مفہوم سمجھا ہی نہیں یا سمجھا ہے لیکن اپنے زور قلم کو بروئے کار لاتے ہوئے سادہ لوح عوام کو بدظن کرنا چاہتے ہیں- اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے- اس وقت ہم اس سے زیادہ

---

(۱) مسائل غیر مقلدین (ص ۱۲، ۳۶)

(۲) مسائل غیر مقلدین (ص ۲۸۹، ۳۲۳، ۳۴۷)

تفصیل میں نہ جاتے ہوئے اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ آپ کو کسی پریشانی یا خلجان کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ اہلحدیث اور سلفی جماعت کے تمام افراد صحابہ کرام کو سلف کی صف اول میں شمار کرتے ہیں جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے، رہا ان کے اقوال وافعال کی حجیت کا مسألہ تو حنفی اصول فقہ کی کتابوں میں بھی صحابی کے قول وفعل کو حجت نہیں مانا گیا ہے (۱) بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر فقیہ وغیر فقیہ کی ناروا تقسیم بھی کی گئی ہے، چونکہ یہ

(۱) قبل ازیں "ضمیر کا بحران" (ص ۳۵۸) پر اعتماد کرتے ہوئے تلویح (۱/۶۵ مطبوع مصر) کا حوالہ دیا گیا تھا اور ایک اقتباس بھی نقل کیا گیا تھا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف "ضمیر کا بحران" سے حوالہ میں چوک ہوگئی یا اللہ تعالی زیادہ بہتر جانتا ہے کیا ہوا؟ وہ از خود اس کا جواب دیں گے ان شاء اللہ۔ اس پر طرہ ہذیانی صاحب کو ڈرامہ بازی کا بہترین موقعہ ہاتھ آ گیا چنانچہ انہوں نے ج ا ش ۶ کے زمزم میں دل کھول کر ہذیان وبکواس سے کام لیا ہے، اگر حوالہ غلط بھی ہو تو اس میں ہماری کیا رہ جائے گی کیا نہیں رہ جائے گی اس کے لئے ہذیانی صاحب اور ان کے باپ بیٹوں کو پریشان ہونے کی مطلق ضرورت نہیں ہے، خود ہذیانی صاحب اور ان کی پوری جماعت قدسیہ کا سارا کچھ باقی رہ گیا، کچھ بھی نہیں بگڑا، ماتھے پر شکن بھی نہیں آئی جس وقت ان کے ایک بہت بڑے بلکہ بہت ہی بڑے بزرگ جو خیر سے مترجم قرآن بھی ہیں قرآن کریم کی ایک آیت میں اپنی جانب سے مبینہ طور پر ایک اضافہ کر بیٹھے، ان کی بزرگی اور ان کے تقدس کو مدنظر رکھتے ہوئے کتاب کے دسیوں ایڈیشن منظر عام پر آ چکے ہیں پھر بھی کسی کو ہمت نہیں ہو سکی کہ اس مبینہ اضافہ کو حذف کر دے، اگر اس جرأت وبے باکی پر کسی کو شرم وحیا دامنگیر نہیں ہو سکتی تو ایک حوالہ کی سہواً غلطی پر پی، ایچ، ڈی یا غیر پی، ایچ، ڈی کی رہ جانے یا نہ رہ جانے کا کیا سوال؟ اور اس سے نفس مسألہ پر کوئی آنچ نہیں آ سکتی، جو کچھ عرض کیا گیا وہ اپنی جگہ پر بالکل حقیقت ہے خود توضیح وتلویح (ص ۴۸۷ مطبوعہ ہند) میں تقلید صحابی کو صرف ایک حالت میں اجماعاً واجب قرار دیا گیا ہے اور وہ اجماع سکوتی کی حالت ہے اور اگر صحابہ کے مابین اختلاف ہے تو اس حالت میں اجماعاً ان کی تقلید واجب نہیں ہے، جبکہ تیسری حالت (یعنی اختلاف یا اتفاق کا علم نہ ہو) میں ان کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے، قول صحابی کو حجت ماننے والے اور اس کا پرچار کرنے والے بتلائیں کہ کیا اسی کو حجت ماننا کہتے ہیں کہ تین حالتوں میں سے صرف ایک حالت میں صحابی کی تقلید واجب ہے، اور اس میں تو کسی کا اختلاف ہی نہیں ہے، اہلحدیثوں کا بھی یہی مسلک ہے، آیئے حنفی اصول فقہ کی ایک کتاب "نور الانوار" (ص ۲۱۶-۲۱۷) پر ایک نظر ڈالتے چلیں، کتاب میں ایک بڑے حنفی عالم علامہ کرخی کا قول نقل کیا گیا ہے جس میں علامہ موصوف نے انہی امور میں صحابی کی تقلید کو واجب قرار دیا ہے جن کو بذریعہ اجتہاد وقیاس نہیں معلوم کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اس صورت میں یہ متعین ہو جاتا ہے کہ صحابی نے شارع علیہ السلام سے سن کر ہی یہ بات کہی ہے، برخلاف ان امور کے جن کو اجتہاد اور قیاس سے معلوم کیا جا سکتا ہے ان میں صحابی کی تقلید نہیں کی جائے گی، کیونکہ اس میں یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ یہ ان کی اپنی رائے ہو اور اس میں خطا کا بھی احتمال ہوتا ہے لہٰذا وہ دوسرے پر حجت نہیں بن سکتے۔ یہیں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صحابی کے قول کو صحابی کا قول ہونے کی وجہ سے نہیں =

اپنے گھر کی بات ہے اس لئے یہاں کوئی دوسرا معیار ہوگا، اس سے صحابہ کی تنقیص نہیں لازم آئے گی۔ اگر ان کے علماء صحابی کے قول کو نا قابل احتجاج قرار دیں، بلکہ فقاہت وعدم فقاہت کا راگ چھیڑ کر حضرت ابو ہریرہ وحضرت انس رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی کی روایت کو مخالف قیاس ہونے کی بناء پر رد کر دیں (۱) تو عین تکریم وتعظیم ہوگی صحابہ کرام کی۔ کوئی آنچ نہیں آئے گی ان کی ذات اقدس پر۔ لیکن یہی بات اگر علماء اہلحدیث کی نوک قلم سے صادر ہوگئی تو صحابہ کرام کی ذات مجروح ہونے لگتی ہے اور ان کو روافض کے ساتھ شمار کیا جانے لگتا ہے۔ اس دوہرے معیار اور دورخی پالیسی کی متعدد مثالیں پیش کی جا چکی ہیں۔

= بلکہ اس ظن غالب کی وجہ سے حجت مانا گیا ہے کہ صحابی نے رسول اکرم ﷺ سے اس کو سنا ہوگا۔

اور امام شافعی کا قول نقل کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ "امام شافعی رحمہ اللہ کا کہنا ہے ان دونوں صورتوں میں سے کسی بھی صورت میں صحابی کی تقلید نہیں کی جائے گی۔

اخیر میں خلاصہ کے طور پر بتلایا گیا ہے کہ "ایسے امور میں جن کو عقل وقیاس سے نہیں جانا جاسکتا ہے ہمارے اصحاب کا عمل اس پر متفق ہے کہ صحابی کی تقلید کی جائے گی، اور ایسے امور میں جن کو عقل وقیاس سے معلوم کیا جاسکتا ہے ہمارے اصحاب کا عمل مختلف ہے، بعض نے قیاس پر عمل کیا ہے اور بعض نے صحابی کے قول پر" کیا اس وضاحت کے بعد بھی مزید کسی ڈرامہ بازی کی گنجائش رہ جاتی ہے، حقیقت کو جھٹلانے سے بہتر یہی ہے کہ اسے تسلیم کرلیا جائے جیسا کہ آپ کا ہے بگاہے دوسروں کو تلقین کرتے رہتے ہیں، اور ایک بات بڑے ہی ادب سے (کیونکہ ہماری بے ادبی آپ کو کھلتی ہے) پوچھنا چاہوں گا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے متعلق کیا لب کشائی فرمائیں گے کیا انہوں نے بھی صحابی کے قول کو حجت نہ مان کر شیعوں اور روافض کی ہم نوائی اور موافقت کی ہے۔ چھوڑیئے امام شافعی کو، بتایئے اپنے بزرگ علامہ کرخی کے بارے میں، کیا فرماتے ہیں ان کے متعلق؟ جنہوں نے صحابی کے قول کو حجت نہیں مانا ہے، کیا انہوں نے بھی شیعوں کی موافقت وہم نوائی کی ہے؟

(۱) ملاحظہ ہو اصول الشاشی (ص ۱۸۵ مع شرح مصباح الحواشی اردو)

اسی حوالہ کو بنیاد بنا کر سید واڑہ سے نکلنے والے زمزم کے ایک شمارہ میں طٰہٰ صاحب ڈرامہ باز نے کافی مضحکہ خیز ڈرامہ رچا تھا اور راقم کو کافی مطعون کرنے کی کوشش کی تھی جس کا مفصل جواب جریدہ ترجمان دہلی شمارہ ۱۶، ۲۳ / اکتوبر، وشمارہ ۳۰ / اکتوبر و ۶ / نومبر ۹۸ میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اور اب انہوں نے حنفی فقہ واصول فقہ کی نوین کرن (تجدید واصلاح) کی راہ اپنا کر مسلمہ اصول اور متفقہ مسائل کی نئی نویلی تعبیر وتشریح شروع کردی ہے، جس کا بتوفیق الٰہی کبھی مستقل طور پر جائزہ لیا جائے گا، ان شاء اللہ۔

فاضل مؤلف ''وقفۃ مع اللامذھبیۃ'' حد درجہ جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کتاب کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

''اس جماعت (یعنی اہلحدیث) کا ظہور اس وقت ہوا جب سے بعض علماء ہند شوکانی رحمہ اللہ کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے اس وقت یہ لوگ ''موحدین'' کے نام سے موسوم تھے، اور یہ نام ایک مدت تک ان کے یہاں معروف تھا، پھر اس نام کو نامعلوم اسباب (؟) کی بناء پر ختم کر کے ''محمدی'' نام اختیار کیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں اس نام سے بھی بیزار ہو گئے۔ اور اس بیزاری کی ایک معروف وجہ تھی اور وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمہ اللہ کی جانب انتساب کا خوف تھا، جس کو وہ سخت ناپسند کرتے تھے۔ اس کے بعد ''غیر مقلدین'' کا لقب اختیار کیا، اور ایک طویل عرصہ تک اسی لقب پر باقی رہے اور ائمہ دین میں کسی کی بھی عدم تقلید پر فخر و مباہات کرتے رہے (۱) لیکن نامعلوم اسباب (۲) کی بناء پر کچھ ہی عرصہ بعد اس نام سے بھی اکتا گئے، اور اپنے لئے ایک نیا لقب اپنے

---

(۱) شاید آپ نے اس نام سے ان کی مساجد و مدارس کا اپنی دیدہ ور آنکھوں سے مشاہدہ بھی کیا ہوگا، ان کی بھی نشاندہی فرما دیتے تو آپ کے جدید انکشافات میں قابل قدر اضافہ ہو جاتا، ویسے آپ کے یہاں نئے و غیر معمولی انکشافات کی کمی نہیں ہے۔ جنہوں نے آپ کے ہم نواؤں کے قلب و جگر کو کافی سکون پہونچایا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحقیقات پر مبنی تالیفات کے منظر عام پر آتے ہی آپ کے مؤیدین و متوسلین خوب تالیاں بجاتے اور داد دیتے نظر آتے ہیں اور پرچوں میں تبصرہ کے نام پر تعریف و ثنا خوانی میں آسمان سے قلابہ ملائے جاتے ہیں، اکابرین ہر گھر اور ہر فرد کے ہاتھوں میں اس خیانت نما تحقیقات پر مبنی کتابوں کو پہونچانے کی تلقین کرتے ہیں۔

(۲) معلوم و نامعلوم اسباب کی تفریق سے اپنے کلام کو باوزن بنانے نیز اپنی مصنوعی دیانتداری کا ثبوت فراہم کرنے کی سعی نامسعود ہے، جس طرح جماعت اہل حدیث کے دلوں میں جھانک کر بعض ناموں کے انتخاب اور ان کی تبدیلی کے اسباب معلوم کر لئے گئے، بقیہ ناموں کے انتخاب اور ان کی تبدیلی کے اسباب بھی معلوم کئے جا سکتے تھے، بظاہر ان حضرات کے لئے یہ چیز ایک معمولی بات ہے، اور ان کے یہاں ایسے بزرگوں کی کمی نہیں ہے جو اپنے غیبی تصرفات کے ذریعہ دور رہ کر بھی حقائق بلکہ دلوں کے حالات کو معلوم کر لیتے تھے ملاحظہ ہو: (دیوان جی) مولانا قاسم نانوتوی صاحب کے قریب ترین خادم کا قصہ، جن کے لئے در و دیوار رؤیت سے مانع نہیں ہوتے تھے، سوانح قاسمی (۲/۷۳)، مولوی نظر محمد خان کا قصہ مولانا گنگوہی کے ساتھ بیوی سے بیعت کے سلسلے میں: تذکرۃ الرشید (۲/ ۹۵)، ولی محمد کا قصہ مولانا گنگوہی کے ساتھ: تذکرۃ الرشید (۲/ ۲۲۷) لہٰذا ان لوگوں سے بھی تعاون لے سکتے ہیں، اگر تعاون کے حصول کی =

بعض علماء کی کوششوں اور حکومت سے تقرب کی بناء پر ''اہل حدیث'' اختیار کیا''۔

حاشیہ میں مزید فرماتے ہیں :

''لوگ انہیں ''وہابیت'' سے پکارتے تھے، اور اسی نام سے حکومت کے کاغذات اور سرکاری دستاویزات میں وہ معروف تھے''۔

گویا یہ بھی انہی کی خطا تھی کہ لوگ انہیں وہابیت کے وصف سے متصف کرتے اور اسی وصف سے پکارتے تھے، لہذا یہ نام بھی انہیں کے اختیار کردہ ناموں کے کھاتہ میں جائے گا، حالانکہ انہوں نے حکومت کے کاغذات اور سرکاری دفاتر میں اپنا نام ''وہابی'' نہیں الاٹ کرایا تھا، بلکہ یہ تو آپ کی اور آپ کے بڑے بھائیوں کی مہربانی اور لطف و کرم تھا ذرہ نوازی تھی کہ وہابی نام سے عوام میں کیا، سرکاری دفاتر میں بھی معروف ہو گئے تھے، اس طرح آہنی سلاخوں کے پیچھے دھکیلنے اور تختۂ دار پر انہیں کھینچنے کا نہایت آسان ذریعہ اور وسیلہ حاصل کر لیا تھا، جس کو چاہتے صرف لفظ ''وہابی'' کا سرٹیفیکیٹ دے کر بہت بآسانی اپنا مقصد حاصل کر لیتے تھے، چنانچہ یہی سبب بنا کہ جماعت اہلحدیث نے اپنے افراد کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی خاطر لفظ ''وہابیت'' سے دست برداری کا اعلان کیا۔ کیونکہ اس وقت کی سامراجی حکومت کی نظر میں لفظ وہابیت کو بغاوت کے مترادف کی حیثیت حاصل تھی، لہذا جس کے بارے میں ادنی شبہ ہو جاتا کہ یہ وہابی ہے اسے فوراً جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا جاتا، مختلف اذیتیں دی جاتیں۔ اور لفظ وہابیت سے اسی براءت کو آگے چل کر غازیپوری نے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی تحریک سے جوڑتے ہوئے

=صورت سمجھ میں نہ آئے تو نقش حیات (۲/۲۳) میں نقشبندی بزرگ کا واقعہ پڑھ لیں جن کو مولانا نانوتوی صاحب مرحوم نے اپنی قبر سے مولانا محمود الحسن صاحب کے بارے میں یہ بتلا دیا تھا کہ عرش خداوندی کو پکڑے ہوئے اصرار کر رہے ہیں کہ انگریزوں کو جلد ہندوستان سے نکال دیا جائے'' پورا واقعہ تفصیل کے ساتھ سابقہ سطور میں نقل کیا جا چکا ہے، لہذا ان بزرگوں سے تعاون حاصل کر کے نامعلوم اسباب کی بھی تعیین کر دیجئے اور اپنے حواریوں سے مزید داد تحسین کے مستحق بن جایئے۔

ان سے جماعت اہلحدیث کی عداوت ودشمنی کی دلیل بنایا ہے اور ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔اس کا بھی مفصل جواب دیا جا چکا ہے۔اپنی اس تحقیق فرید کو جاری رکھتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

''اسی طرح غیر مقلدین اسماء والقاب کے انتخاب واختیار میں تقلبات کا شکار رہے،ان کے علماء سابقین میں کوئی ایسا شخص نہیں گذرا ہے جو''سلفی'' نام سے معروف ہو، بلکہ سب اسی آخری نام (اہلحدیث) پر جمے ہوئے تھے ۔

جب ان اسلاف کا دور گذر گیا،نئی نسل نے جنم لیا، بین الاقوامی حالات میں تبدیلی آئی ، خلیجی ممالک اور خصوصی طور پر سعودی عرب میں اقتصادی خوشحالی آئی اور وہاں کی اکثریت شیخ ابن تیمیہ، ابن القیم اور ابن عبدالوہاب رحمہم اللہ سے شغف اور محبت رکھتی ہے، اور وہ لوگ سلفی نسبت کے حامل تھے ۔تو غیر مقلدین کی موجودہ جماعت اور نئی نسل نے موقعہ کو غنیمت سمجھا اور اس نام (سلفیت) کو اختیار کر کے ان کی ہم نوائی میں لگ گئے ، اور غیر مقلدوں نے بڑی حد تک ''اہل حدیث'' نام سے دست برداری اختیار کر کے بڑی تیزی کیساتھ ''سلفی'' اور ''اثری'' بننا شروع کر دیا، ان کے مدارس، تعلیمی اداروں اور تبلیغی مراکز کے نام ''اہلحدیث'' کے بجائے ''سلفی'' اور ''اثری'' میں تبدیل ہونے لگے، لیکن ابھی ان دونوں ناموں میں سے کسی ایک کے اختیار میں ان کو استقلال نہیں حاصل ہو سکا ہے......''(۱)

اس محققانہ بکواس میں ایک ساتھ کئی طرح کی الزام تراشیوں اور تہمت بازیوں سے کام لیا گیا ہے، جن کے چند نمونے قارئین کی نذر ہیں :

۱- ہندوستان میں جماعت اہلحدیث کے ظہور کو علامہ شوکانی ؒ سے مربوط کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے، اس سلسلے میں پچھلے صفحات میں بحث کی جا چکی ہے، اور اس کا

---

(۱) وقفۃ مع اللامذھبیۃ (ص ۲۸-۳۰)

مختلف مستقل تالیفات کی شکل میں جواب بھی دیا جا چکا ہے، لیکن ان حضرات کا ہمیشہ سے یہ شیوہ رہا ہے کہ جو راگ چھیڑ دیں گے اپنے کانوں اور آنکھوں کو بند کر کے اسی کو برابر الاپتے رہیں گے، اس بیماری کا کوئی علاج نہیں ہے۔

۲- ایک نام کے انتخاب کے بعد دوسرے نام کا اختیار پہلے نام سے بےزاری اور دست برداری کی وجہ سے عمل میں آیا ہے، اگر یہ حقیقت ہے تو اس کے ثبوت میں موصوف ایک ہی دلیل پیش فرما دیتے، جس سے آپ کی صداقت و دیانت اور جماعت اہلحدیث کی فریب کاری واضح ہو جاتی، لیکن آپ اور آپ کی صدق وصفا والی جماعت شاید ہی ایسا کر سکے، اور آپ کی حیثیت اتنی بلند نہیں ہے کہ آپ اپنے منہ سے یا نوک قلم سے جو بات نکال دیں اسے ناقابل انکار حقیقت تسلیم کر لیا جائے۔ اگر آپ نے مختلف ناموں کے انتخاب کو اپنی اس تہمت کے لئے دلیل بنایا ہے تو سب سے پہلے علماء سلف کو متہم کیجئے جن کے بارے میں نقل کیا جا چکا ہے کہ یہ سارے نام انہیں کے اختیار کردہ ہیں۔ وہ اپنے آپ کو اہل السنۃ والجماعۃ، اہل الحدیث، اہل الاثر، سلفی، محمدی وغیرہ سے ملقب کرتے تھے۔ یہ واضح کر دینا مناسب ہوگا کہ خانوادۂ سید احمد شہید کے مؤرخ عالم سید عبدالحی (متوفی ۱۳۴۱ھ) اپنی مشہور عالم تاریخ نزہۃ الخواطر (۷/۴۴) میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"وشد المئزر لنصرة السنة المحضة والطريقة السلفية ....."

یعنی "سید احمد شہید نے خالص سنت نبویہ اور طریقہ سلفیہ کی حمایت وتائید کے لئے کمر کس رکھی تھی"۔

تو کیا آپ ان کو بھی متہم کرنے کی جسارت رکھتے ہیں؟ اور شاید آپ علماء سلف کو بھی متہم کرنے میں تردد یا پس و پیش نہ کریں، کیونکہ آپ کے یہاں فقاہت اور عدم فقاہت کا مسألہ چھیڑ کر صحابہ کرام کو بھی نہیں بخشا گیا ہے تو صحابہ کرام کے بعد اور لوگوں کی کیا

حیثیت ہوسکتی ہے؟ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ اگر تعدد اسماء بیزاری ودست برداری اور فریب کاری کو لازم ہے تو اللہ ورسول کے بھی متعدد نام ہیں، قرآن کریم میں مؤمنوں کو مختلف ناموں اور القاب سے یاد کیا گیا ہے اس پر بھی کچھ لب کشائی فرمائیں گے؟ آپ نے اور آپ کی جماعت نے بھی اسلام کے بعد اہل السنۃ والجماعت، حنفیت، دیوبندیت، قاسمیت، رشیدیت اور پھر چشتیت وقادریت جیسے مختلف نام اپنے لئے منتخب کر رکھا ہے۔ کیا ان ناموں کی صحت وحقانیت بذریعہ کشف وکرامت یا بذریعہ خواب ومنامات ثابت ہو چکی ہے؟ آپ نے حنفیت کے بعد دیوبندیت کو اختیار کیا تو کیا آپ نے حنفیت سے دست برداری اختیار کر لی کہ اہلحدیثوں کو اپنے اس خود ساختہ قاعدہ کی روشنی میں متہم کر رہے ہیں کہ انہوں نے اپنے سابقہ ناموں سے براءت اختیار کر لی ہے۔

۳ - لفظ ''محمدی'' سے اہلحدیثوں کی بیزاری، اور اس کی وجہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی جانب منسوب کئے جانے کا خوف۔(۱)

دونوں باتیں کذب واختلاق کے اعلیٰ ترین شاہکار ہیں۔ کیونکہ آج بھی اہلحدیث

---

(۱) آدمی جب کسی سے دشمنی میں حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے، چنانچہ جماعت اہل حدیث کے خلاف اپنی عدالت عالیہ میں فرد جرم عاید کرتے ہوئے ''محمدی'' نسبت سے اہلحدیثوں کی بے زاری دکھلا رہے ہیں، اور اپنی عقل وخرد کے بسولے سے ایک نہایت عجیب وغریب اور مضحکہ خیز وجہ اور سبب بھی گھڑ رہے ہیں جبکہ اپنی ''وقفۃ مع معارضی شیخ الاسلام...'' والی پوتھی جسے انہوں نے ایک ماہ سے کم وقفہ میں تیار کر لی ہے اس میں اسی نسبت ''محمدی'' کے اختیار وانتخاب پر کافی فاضلانہ بکواس کرتے ہوئے اس کے استعمال واختیار پر علماء اہل حدیث کو دشمنان اسلام یہود ونصاریٰ کا موافق اور ہم نوا قرار دیا ہے، یعنی اس حد تک اہلحدیثوں کی دشمنی میں موصوف غازی پوری اپنا ہوش کھو بیٹھے ہیں کہ انہیں پتہ ہی نہیں ہے کہ وہ اپنے نوک قلم سے کیا لکھے جا رہے ہیں، اہل حدیث اگر ''محمدی'' نسبت اختیار کریں تو یہود ونصاریٰ کے موافق وہم نوا قرار دیئے جائیں اور اگر بقول غازی پوری اس سے بے زاری اور دست برداری اختیار کریں تو بھی مجرم گردانے جائیں اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کے دشمن قرار دیئے جائیں، کیا تضاد بیانی کی اس کے بعد بھی کوئی مثال ہوسکتی ہے، اس ہرزہ سرائی سے متعلق تفصیلی جواب جریدہ ترجمان میں ملاحظہ فرمائیں۔

افراد اور ادارے اس نام سے معروف ومشہور ہیں جو محتاج تعارف نہیں ہیں۔ اگر کوئی اپنی یا دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر حقیقت کو جھٹلانے کی لاکھ کوشش کرے پھر بھی حقیت کو ہرگز نہیں جھٹلا سکتا اور نہ اس پر پردہ ڈال سکتا ہے۔ پھر بھی اس کے لئے زندہ و جاوید ثبوت فراہم کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کی ہٹ دھرمی اور عناد کے پیش نظر ہمیں یقین ہے کہ اس کا بھی ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا، اور اپنی ضد اور افتراء پردازی کے سامنے کسی کی کوئی بات نہیں سنیں گے۔ کیونکہ ان کے بارے میں ہمارا بلکہ تمام لوگوں کا یہی مشاہدہ ہے کہ دینی امور میں بھی جس بات کو انہوں نے اپنا موقف بنالیا ہے خواہ اس کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے، اس سے وہ ہٹنے والے نہیں ہیں، خواہ وہ کتاب وسنت اور ائمہ سلف کے بالکل خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ اپنے امام حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہی کے مسلک کے خلاف کیوں نہ ہو، یہ چیز اتنی واضح ہے کہ اس پر دلیل دینے کی ہم ضرورت نہیں محسوس کرتے۔ پھر بھی ایک دلیل پیش ہی کر دیتے ہیں، یہ بات متحقق ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ مسائلہ ارجاء کے علاوہ عقائد کے باب میں مکمل طور پر عقیدۂ سلف کے حامل تھے، لیکن آپ کی تقلید کا دعوی کرنے والے بیشتر حضرات اشعری یا ماتریدی عقیدہ کے حامل ہیں جو سراسر عقیدہ سلف کے خلاف ہے۔

فاضل مؤلف ''وقفة مع اللامذهبية'' کی اس فاضلانہ بکواس اور بہتان تراشی پر بدن میں کپکپی طاری ہوگئی کہ موصوف نے تعصب کی کتنی دبیز چادر اوڑھ رکھی ہے کہ اللہ کی گرفت کا ادنی خوف بھی یہ کہتے ہوئے دامن گیر نہیں ہوا کہ ''محمد بن عبد الوہاب'' کی جانب منسوب کیے جانے کے خوف سے ''محمدی'' نسبت سے دست بردار ہوگئے''۔ کیا وہ یہ بتلانا پسند فرمائیں گے کہ کب شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی جانب لفظ ''محمدی'' کے ذریعہ نسبت کی گئی؟، اور کس نے کی؟ کہ اہلحدیثوں پر اس نسبت سے لرزہ طاری ہوگیا

جبکہ ان کی جانب صحیح نسبت ''محمدی'' ہی ہے جیسا کہ نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ نے اپنی تالیفات میں اس کی وضاحت فرمائی ہے۔لیکن ان کی طرف نسبت کے لئے عوام اور موصوف جیسے باوصف خواص میں لفظ ''وہابی'' مشہور ومعروف ہے جس کو شیخ نے خود پسند نہ فرمایا ہوگا۔ان کے متبعین قطعی طور پر اس نسبت کو نہ تو اختیار کرتے ہیں اور نہ اسے پسند کرتے ہیں۔اور لفظ ''محمدی'' کا رواج شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ سے بہت پہلے ہو گیا تھا، اور آپ کی معاصر تحریک شہیدین سے وابستہ حضرات اس نسبت کو اختیار کئے ہوئے تھے، اور آج بھی اس کو جماعت اہلحدیث اختیار کئے ہوئے ہے جیسا کہ ان کے اداروں اور تنظیموں کے ناموں سے واضح ہے۔اس میں نہ تو کسی قسم کا اسے خوف لاحق ہے اور نہ تھا۔اگر کوئی اس طرح کی بات کہتا ہے تو سراسر بہتان تراشی سے کام لیتا ہے۔ہاں جماعت اہلحدیث ایک زمانے میں لفظ ''وہابی'' کو اپنے لئے ناپسند کرتی تھی، اور آج بھی کرتی ہے، اور اس کا سبب البتہ واضح ہے۔اس لفظ کو انگریز حکومت ''باغی'' کے مترادف تصور کرتی تھی، اور اس میں سواد اعظم کے افراد کا بڑا دخل تھا، چنانچہ جس کے بارے میں انگریزوں کو معلوم ہو جاتا کہ یہ وہابی ہے بلادریغ اسے تختۂ دار پر کھینچ لاتے، یا اس پر مختلف قسم کے شدید مظالم ڈھاتے۔اس کی وضاحت پچھلی سطور میں کی جا چکی ہے۔انہی مظالم سے بچنے کے لئے جماعت نے اس نسبت سے سرکاری طور پر براءت کا اظہار کر کے ازالہ کیا۔اس میں نہ شرعی طور پر کوئی قباحت ہے اور نہ اس سے علماء نجد وحجاز کی موافقت پر کوئی آنچ آتی ہے۔البتہ ایک زمانے میں آپ کے فرشتہ صفت علماء کرام نے وہابیوں اور ان کے امام کی تردید اور دشنام طرازی میں صفحات کے صفحات سیاہ کر دیئے اور مستقل کتابیں تالیف کر ڈالیں، اور نہایت ''سلیس اور شستہ زبان'' میں شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کو خراج تحسین پیش کیا۔اور آج رجوع کا سہارا لیکر تنہا اپنے آپ کو

''وہابی'' قرار دے رہے ہیں۔(۱) ذرا تحریک آزادی ہند کے دور میں بھی اپنی اس قربت کا مظاہرہ کرتے تو سمجھا جاتا کہ آپ حضرات شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے صحیح معنوں میں حمایتی ومؤید تھے اور ہیں۔اس حیرت انگیز انقلاب اور تبدیلی سے فاضل

---

(۱) آپ نے اپنے زعم کے مطابق ناقابل انکار دلائل کے ساتھ یہ ثابت کر دکھلایا ہے کہ جماعت اہل حدیث کو ہمیشہ سے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب سے نفرت وعداوت تھی ،لہذا میدان میں آپ ہی بچے ،اور مزید پختگی عطا کرنے کے لئے سعودی مہمانوں کی خدمت میں پیش کیے جانے والے سپاسناموں میں بھی اس مفروضہ کو دہرایا جانے لگا، چنانچہ ۲۴/نومبر ۱۹۸۷ء کو جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ ریاض کے ڈائریکٹر ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی حفظہ اللہ کی خدمت میں پیش کیے جانے والے سپاسنامہ میں کہا گیا تھا:" وقد تسمى الديوبندية بالوهابية نسبة إلى الشيخ محمد بن عبدالوهاب النجدى رحمه الله "یعنی شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے دیوبندی جماعت کو''وہابی'' کہہ دیا جاتا ہے''۔ملاحظہ ہو پندرہ روزہ آئینہ دارالعلوم دیوبند (ص ٦) ۱۰ جنوری تا ۲۵ فروری ۱۹۸۸ء ،جبکہ اندر کا حال کچھ دوسرا ہی ہے، اکابرین دیوبند کا ان کے اپنے مخالفانہ رویہ سے رجوع ثابت کرنے کی باہر سے کوشش ہو رہی ہے،اور اندر کے لوگوں کو''وہابی کون ہے''؟ نامی کتاب کی تصنیف وتالیف اور اس کی بار بار نشر واشاعت سے مطمئن کیا جا رہا ہے کہ ہم گمراہ نہیں ہوئے ہیں ،شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی دعوت سے متعلق ہمارے اکابرین نے جو مخالفانہ ومعاندانہ رویہ اپنا رکھا تھا وہی برحق ہے اور وہی صحیح ہے، بلکہ اس کتاب کے (ص ۵) میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین سے اپنی غیر معمولی''دوستی اور ولاء'' کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے کہا گیا ہے: ''الحاصل وہ ایک ظالم، باغی، خونخوار اور فاسق ترین شخص تھا، اس وجہ سے اہل عرب بالخصوص اور جملہ اہل اسلام بالعموم اس سے اور اس کے تمام ماننے والوں سے سخت نفرت اور بغض رکھتے ہیں، اتنی نفرت اور بغض نہ قوم یہود سے ہے نہ نصاری سے، نہ مجوس سے، نہ ہنود سے، اور اس کے ماننے والے اس سے بھی زیادہ نفرت وحقارت کے مستحق ہیں، جس طرح تمام دنیا کے اہل سنت والجماعت اس ''طائفہ خبیثہ'' سے نفرت اور ان کے ''عقائد خبیثہ'' سے اختلاف رکھتے ہیں'' اللہ معلوم فقیہان سید واڑہ کے یہاں اس دو رخی پالیسی کا کیا نام ہوگا؟ شاید ہی دنیا والوں نے اس سے بڑھ کر نفاق کی مثال دیکھی ہوگی اور اس نفاق کا سلسلہ آج بھی جاری وساری ہے، چنانچہ سعودی ثروت پر قائم بعض اداروں سے نکلنے والے پرچوں میں بڑی بے باکی کے ساتھ سعودیہ کے دینی وسیاسی نظام کو کڑی تنقیدوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے' چونکہ ان لوگوں کا ایمان بسیط ہے گھٹتا بڑھتا نہیں ہے شاید اسی طرح ان کے سارے اعمال بھی بسیط ہیں۔جماعت دیوبند کی وہابیت کی حقیقت کے لئے ملاحظہ ہو: ''شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے بارے میں دو متضاد نظریے'' مولفہ مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی، نیز جریدہ ترجمان مجریہ [illegible] ۱۹۸۸ [illegible]

غازیپوری جیسے عظیم مفکر و محقق ہی پردہ اٹھا سکتے ہیں کیونکہ وہی اپنے دنیاوی جاہ و منصب اور مال و متاع سے بے نیاز فرشتہ صفت بزرگان دین کے اقوال وافعال کی حقیقت کو زیادہ جانتے ہیں اور دنیاوی منفعت کی تحصیل تو اہلحدیثوں کا خاصہ ہے، ان بیچارے اللہ والوں کو دنیا و مافیہا سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے بلکہ اس سرزمین پر رہتے ہی نہیں۔

قارئین کرام! تضاد بیانی کا یہ نمونہ بھی ملاحظہ فرمالیں کہ ایک طرف اہلحدیثوں پر تحصیل زر کے مقصد سے دجل وفریب کا سہارا لیکر اپنے کو سعودی سلفیوں کا ہم نوا ظاہر کرنے کا الزام عاید کیا جاتا ہے، اور دوسری طرف انہی سلفیوں کے پیشوا شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ سے نفرت وعداوت کی تہمت بھی ان پر عاید کی جاتی ہے، اور دلیل میں لفظ ''وہابیت'' سے جماعت کی براءت کو پیش کیا جاتا ہے۔ اگر برصغیر کی جماعت اہلحدیث کا مقصد تحصیل زر ہی ہے اور ان کا کام دجل وفریب ہی ہے اور محض ناموں کے اختیار کر لینے سے نوازشات کی موسلا دھار بارش ہونے لگتی ہے تو اہلحدیثوں کو وہابیت سے دست بردار ہونے کے بجائے آگے پیچھے اوپر نیچے لفظ ''وہابی'' بڑھا لینا چاہئے تھا تاکہ مزید دولت کی ریل پیل ہو جاتی۔ یہ ہے فاضل مؤلف کی محققانہ بکواس جو نہ صرف رائی کا پہاڑ بنانا جانتے ہیں بلکہ بغیر رائی کے بھی فلک بوس عمارت بڑے ہی محققانہ انداز میں کھڑی کرنا جانتے ہیں۔ اللہ تعالی موصوف کی اس مہارت میں مزید ترقی عطا کرے اور اپنی اس طرح کی انوکھی اچھوتی تحقیقات سے ہر روز وہ ایک نئی کتاب ترتیب دیکر اپنے اور اپنے ہم نواؤں کے لئے تسکین کا سامان فراہم کرتے رہیں۔

۴۔ غیر مقلدین کا لقب اختیار کرنا۔

شاید فاضل مؤلف یہاں ایک نام ''لا مذہبیت'' ذکر کرنا بھول گئے ہیں، اس سے بھی بڑھ کر کوئی جھوٹ ہوسکتا ہے؟ ذرا اپنی فاضلانہ تحقیق میں یہ بھی وضاحت فرما

دیتے کہ اہلحدیثوں نے کب اور کس زمانے میں اپنے لئے ''غیر مقلدین'' نام کا انتخاب کیا تھا تو ان کا ہمارے اوپر بڑا احسان ہوتا۔ ویسے ہمارے اوپر ان کے احسانات کی کمی نہیں ہے، ہم نے ان کی فاضلانہ تحقیقات سے اپنے علم میں بڑا اضافہ کیا ہے۔ ایک اضافہ تو یہی ہے کہ فاضل موصوف بغیر کسی بنیاد کے بڑی سے بڑی عمارت قائم کرنے کی مکمل مہارت رکھتے ہیں، اور یہ کوئی کم عظیم فائدہ نہیں ہے، ضرورتمند لوگوں کو ان کی خدمات حاصل کرنی چاہئے۔

کوئی بعید نہیں کچھ عرصہ بعد یہی فاضل مؤلف یا ان کے ہم مثل کوئی دوسرے مؤرخ آئیں اور اہلحدیثوں کے مختلف اسماء والقاب اور (بزعم خویش) ان کی پینترے بازی کی وضاحت کرتے ہوئے ''لا مذہبیت'' کو بھی شمار کرلیں، اور کہیں کہ ایک عرصہ تک انہوں ''لا مذھب'' بھی اپنا نام رکھا تھا، کچھ عرصہ کے بعد معلوم یا نامعلوم اسباب کی بنا پر اس سے بے زار ہوکر دست بردار ہوگئے۔ جیسا کہ انہوں نے ''غیر مقلدین'' اور ''وہابی'' کے سلسلے میں تحقیق انیق پیش فرمائی ہے۔

واضح ہونا چاہئے کہ کبھی بھی اہلحدیثوں نے اپنا نام ''غیر مقلدین'' نہیں اختیار کیا ہے بلکہ ''لا مذھب'' اور ''وہابی'' کی طرح یہ بھی فاضل مؤلف، ان کی باوصف جماعت کی ذرہ نوازی اور کرم فرمائی ہے جس کو موصوف نے جماعت اہلحدیث کے ہی کھاتہ میں ڈال دیا ہے۔

جماعت اہلحدیث نے کبھی بھی عدم تقلید پر فخر ومباہات سے کام نہیں لیا ہے اور نہ ان کا یہ شیوہ ہے۔ البتہ حقیقت بیانی سے کام لیتے ہوئے اور مطلق تقلید کی عدم مشروعیت کو واضح کرتے ہوئے اللہ کی اس نعمت پر اس کا شکر ضرور ادا کیا ہے۔

۵- ''اہل حدیث'' نام سے بڑی حد تک دست برداری، ''سلفی'' اور ''اثری'' ناموں کا بڑی تیزی کے ساتھ اختیار کرنا، ان کے تعلیمی وتبلیغی اداروں اور مراکز کے ناموں کی '' اہل حدیث'' کے بجائے ''سلفی'' اور ''اثری'' سے تبدیلی''۔

مذکورہ بالا اقتباس میں ذکر کردہ ہر افترا پردازی اپنی سابقہ افتراء پردازیوں سے

کذب و بہتان میں کئی گنا بڑھی ہوئی ہے۔ میرے خیال میں اس آخری افتراء پردازی میں فاضل مؤلف کے ہم پیالہ وہم نوالہ حضرات بھی ان کی تائید نہیں کریں گے، کیونکہ یہ بہتان تراشی اتنی واضح ہے کہ کسی بھی صاحب بصارت وبصیرت شخص کے حلق سے نیچے اترنے والی نہیں ہے۔ چنانچہ اہلحدیثوں کی مرکزی نمائندہ جمعیت اپنی پوری آن بان کے ساتھ دہلی کے مرکزی علاقہ میں ''مرکزی جمعیت اہلحدیث'' کے نام سے موجود ہے اور ممکنہ حد تک دعوتی و تبلیغی ورفاہی خدمات میں نامساعد حالات وناسازگار فضا کے باوجود مصروف عمل ہے۔ صوبائی، ضلعی، ومقامی سطح پر اس کی ہزاروں شاخیں ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی ہیں اور اپنی سرگرمیوں میں توفیق اور بساط بھر سرگرم عمل ہیں۔ جماعت اہلحدیث کے تمام ادارے اور تنظیمیں اول یوم سے اپنے منتخب ناموں کے ساتھ اپنی اپنی خدمات کی ادائیگی میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ البتہ مرکزی ادارہ جو ''دار العلوم'' کے نام سے کھلا تھا بعد میں چل کر ''الجامعۃ السلفیۃ'' میں تبدیل ہو گیا۔ اسی ایک ادارے کے نام کی تبدیلی ''سلفی'' میں ہوئی ہے۔ صرف اسی ایک ادارہ کی تبدیلی کو ''بڑی حد تک'' قرار دینا ''سرعت'' سے تعبیر کرنا فاضل مؤلف جیسے محقق لوگوں کا ہی کام ہے، جو اپنی محققانہ مہارت کو بروئے کار لاتے ہوئے انہونی کو ہونی بنا دیتے ہیں اور رائی کے بنا بھی پہاڑ قائم کر دیتے ہیں۔ ''مرکزی دار العلوم'' سے ''جامعہ سلفیہ'' بن کر مذکورہ ادارے نے کتنی مادی منفعت حاصل کی یا کتنا نقصان اٹھایا؟ اس کو ادارے کے ذمہ دار ہی جانتے اور سمجھتے ہوں گے۔ لیکن اتنا طے ہے کہ تخمینوں یا اٹکل پچو سے اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ فاضل محقق نے اپنی مختلف شاہکار تصنیفات میں جا بجا اہلحدیثوں کو سعودی عرب سے دولت بٹورنے کا طعنہ دیا ہے اور اس کی مذمت میں ایسے اسلوب استعمال کئے ہیں جن سے موصوف اور ان کی جماعت کی شان استغنائی کا پتہ چلتا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نہایت ہی گندہ اور گھناؤنا عمل ہے جس سے موصوف اور ان کی جماعت کا دامن صاف، مبرا اور پاک ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ اور ان کی جماعت

کے لوگ سر سے پاؤں تک اسی میں ڈوبے ہوئے ہیں، مختلف ہتھکنڈوں اور وسائل کے ذریعہ یہ گھناؤنا عمل (اگر گھناؤنا ہے) انجام دیتے ہیں۔ نہ چاہتے ہوئے مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان کی مثال ان بین الاقوامی مجرموں کی طرح ہے جو جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے جرم کی اتنی زیادہ مذمت کرتے ہیں اور دوسروں پر الزام تھوپتے ہیں کہ رائے عامہ ان کے بارے میں یہ تصور ہی نہ کر سکے کہ اصل مجرم یہی ہیں۔

فاضل محقق نے جگہ جگہ جماعت اہلحدیث کے مختلف ناموں پر نیش زنی کرتے ہوئے مختلف سوالات قائم کئے ہیں اور نیک مشورے بھی دیئے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ ایک اقتباس نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''جب اہلحدیث کی نسبت قرآن وحدیث اور رسول سب کی طرف ہے تو غیر مقلدین کی یہ جماعت اپنے کو صرف اہلحدیث ہی کیوں کہتی ہے؟ اہل قرآن کیوں نہیں کہتی، اہل رسول کیوں نہیں کہتی؟ بلکہ آپ کا پورا نام تو: ''اہلحدیث والقرآن والرسول'' ہونا چاہئے، آخر اس پورے نام میں یہ کتر بیونت کیوں''؟ (۱)

ہم یہاں بصد احترام عرض کرنا چاہیں گے کہ کیا یہی سوال آپ ''اہل سنت'' کے نام پر بھی دہرانا پسند فرمائیں گے اور علماء سلف (جنہوں نے اہل سنت کی اصطلاح ایجاد کی ہے) کو بھی مشورہ دیں گے کہ آپ کا پورا نام ''اہل الکتاب والسنۃ'' ہونا چاہئے۔ کیونکہ صرف سنت کا انتخاب کر کے کتاب کے ساتھ آپ نے زیادتی کی ہے۔ چونکہ یہاں اپنا مسألہ بھی آجاتا ہے، آپ اپنے کو اہل سنت میں شمار کرتے ہیں اس لئے نہ کوئی سوال اٹھائیں گے اور نہ کوئی مشورہ دیں گے اور شاید آپ کو معلوم ہوگا کہ سنت کا اطلاق حدیث پر بھی ہوتا ہے، اگر ''اہل سنت'' نام رکھا جاسکتا ہے تو ''اہل حدیث'' نام رکھنے میں آخر اتنی الرجی کیوں ہے؟

آپ کے اس سوال اور مشورے پر یہی کیا جاسکتا ہے کہ آپ کے والد بزرگوار

---

(۱) غیر مقلدین کی ڈائری (ص ۲۰۹)

نے آپ کا نام مبارک ''محمد ابو بکر'' رکھا تو کیوں رکھا؟ کیوں نہیں کوئی دوسرا نام رکھا ؟ کیا ناموں کی کمی ہوگئی تھی؟ اگر رکھا تو کیوں نہیں ابو بکر کے ساتھ عمر، عثمان ، علی کو بھی شامل کر لیا اور آپ کا مکمل نام یہ ہوتا ''محمد ابو بکر عمر عثمان علی'' اس طرح آپ کے نام میں نبوت کے ساتھ خلافت راشدہ بھی اکٹھا ہو جاتی اور کتنا عمدہ اور مکمل نام ہوتا آپ کا۔

سابق سطور میں یہ عرض کر آئے ہیں کہ محض ناموں کے انتخاب سے کچھ نہیں ہوتا۔ اور یہ نام تقرب الی اللہ کا باعث نہیں ہیں، اگر انسان کا دامن عمل صالح سے خالی ہے تو صرف نام سے کام بننے والا نہیں۔ چاہے اہل حدیث والقرآن والرسول رکھے، چاہے دیوبندی، قاسمی، رضا خانی، نقشبندی یا کوئی بھی نسبت اختیار کرے، جیسا کہ تاریخ دارالعلوم دیوبند (۱/ ۴۲۸) میں مسلک دارالعلوم دیوبند کو ذکر کرتے ہوئے تمام نسبتوں کو اکٹھا کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ مسلک دارالعلوم کا خلاصہ کچھ اس طرح مذکور ہے:

''دارالعلوم: دیناً مسلم، فرقۃً اہل السنۃ والجماعت، مذھباً حنفی، مشرباً صوفی، کلاماً ماتریدی اشعری، سلوکاً چشتی بلکہ جامع السلاسل، فکراً ولی اللہی، اصولاً قاسمی، فروعاً رشیدی، اور نسبتاً دیوبندی ہے''۔

فتلك عشرة كاملة ، ماشاء الله کیا خوب چوں چوں کا مربہ ہے ۔ مبارک ہو اہل سید واڑہ اور ان کی ہم نوا جماعت کو یہ مکمل نام و نسبت جو ہر طرح کی کتر بیونت سے مبرا ہے۔ ہماری اللہ تعالی سے یہی دعا ہے کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے، اور اس قسم کے چوں چوں کے مربہ سے محفوظ و مامون رکھے، آمین۔

(۴)

ازراہِ جوروستم دیئے ہوئے اسماءوالقاب کا جائزہ

سابقہ سطور میں ''سلف اور تعدد اسماء'' کے عنوان سے اس حقیقت پر تفصیل سے روشنی ڈالی جا چکی ہے کہ ائمہ سلف نے بیک وقت یا مختلف اوقات میں اس پاک طینت جماعت کے لئے ایک سے زائد نام یا القاب اختیار و استعمال کیے ہیں، اور یہ سارے اسماء والقاب نہایت معنی خیز اور پاکیزہ ہیں، ان کی اصل اور بنیاد کتاب وسنت میں موجود ہے۔ ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ محض ان اسماء والقاب سے کام بننے والا نہیں ہے اور نہ یہ تنہا تقرب الی اللہ کا باعث ہیں بلکہ ان کے ساتھ ایمان وعمل کا بھی ہونا ضروری ہے۔

جماعت کے اپنے اختیار کردہ ناموں کی توضیح وتشریح کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کے ازراہ جوروستم دیئے ہوئے بعض اسماء والقاب کا بھی ایک سرسری جائزہ لے لیا جائے۔ اور واضح کر دیا جائے کہ ان ناموں کا زیادہ مستحق کون ہے۔ مخالفین کے ازراہ ظلم وتعدی دیئے ہوئے ناموں کے ذکر سے پہلے اس حقیقت کی جانب اشارہ مناسب ہوگا کہ جس طرح کسی فرد کو اس کے اپنے اختیار کردہ یا والدین کے رکھے ہوئے نام سے ہی پکارا جاتا ہے اسی طرح کسی بھی جماعت کو اس کے اپنے منتخب ناموں سے ہی پکارنا مبنی بر عدل وانصاف ہے۔ کوئی دوسرا نام دینا جسے وہ ناپسند کرتی ہو مبنی بر ظلم وتعدی ہے۔ قرآن کریم میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے اور اس کو تنابز بالالقاب کا نام دیا گیا ہے۔ کتاب وسنت میں ایک مؤمن کی شان سے اسے بہت بعید قرار دیا گیا ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو مکروہ وناپسندیدہ القاب سے پکاریں۔ جماعت اہلحدیث نے امتیاز کے طور پر اپنے لئے مختلف اوقات یا ایک ہی وقت میں متعدد اسماء والقاب اختیار کیے اور یہ سارے

نام ایسے ہیں جنہیں ائمہ سلف اور علماء امت عرصہ سے استعمال کرتے چلے آرہے ہیں، انہوں نے ان اسماء والقاب کے اختیار وانتخاب میں کسی جدت پسندی کا ثبوت بھی نہیں دیا ہے۔ لیکن مخالفین کو یہ چیز پسند نہیں آئی بلکہ بعض محققین عصر کو اس میں پینترے بازی نظر آتی ہے، لہذا ان کے اپنے اختیار کردہ ناموں سے پکارنے کے بجائے دوسرے نامناسب اور غیر پسندیدہ نام دے کر انہیں پکارنا اور عوام میں مشہور کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ تقلید کو واجب اور ضروری نہ تسلیم کرنے کی وجہ سے انہیں ''غیر مقلدین'' اور ترک تقلید کو ''غیر مقلدیت'' کا نام دیا گیا، اور اس کو اس حد درجہ قبیح بنا کر پھیلایا گیا کہ عوام کی نظر میں ترک تقلید کو کفر وشرک سے بھی بدتر گناہ سمجھا جانے لگا۔ اور غیر مقلدین (بمعنی تارکین تقلید) ان کی نظر میں کفار ومشرکین سے بھی بدتر سمجھے جانے لگے۔ چنانچہ کسی مقلد شخص کا تقلید ترک کر کے جماعت اہل حدیث میں شامل ہو جانا کافر ہو جانے سے بھی زیادہ سخت ناگوار اور تکلیف دہ ان کو معلوم ہوتا ہے۔(۱) عوام تو عوام خواص بھی ایسی جماعتوں کے ساتھ جن کے یہاں علی الاعلان شرکیہ مظاہر پائے جاتے ہیں اہلحدیثوں کے خلاف مفاہمت اور تعاون کے لئے آمادہ اور تیار نظر آتے ہیں، بلکہ ان کے قائدین وزعماء کو خط لکھ کر اہلحدیثوں کے مقابلہ میں متحد ہو جانے کی عاجزانہ درخواست کرتے ہوئے دکھلائی دیتے ہیں۔(۲) ساتھ ہی ساتھ یہ پروپیگنڈہ مہم بھی چلائی گئی کہ اہلحدیثیت جسے وہ غیر مقلدیت کہتے ہوئے

---

(۱) ملاحظہ ہو: قرۃ العینین باحادیث رفع الیدین مولفہ مفتی فیض الرحمٰن فیض (ص ۱۳)۔ مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ اپنے ایک بزرگ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ''انسان عیسائی ہو سکتا ہے لیکن غیر مقلد نہیں ہو سکتا'' یادرفتگاں ص ۴۴ طبع دوم سن ۱۹۸۶ء۔

(۲) ملاحظہ ہو: اسلاف دیوبند اور انگریزی حکومت از قلم عبدالخالق قدوسی (ص ۴۵-۴۶ مطبوع ضمن علماء دیوبند اور انگریز) جس میں ''سیرت مولانا سید محمد مونگیری'' (ص ۱۷۱) کے حوالہ سے مولانا موصوف کا بنام احمد رضا خان ۱۱/ رمضان ۱۳۱۳ھ کا لکھا ہوا گرامی نامہ منقول ہے، خط میں اہلحدیثوں کے خلاف ملک گیر پیمانہ پر چلائی گئی بعض مہم میں ذلت ورسوائی کا اعتراف کرتے ہوئے احمد رضا خان سے عاجزانہ طور پر کچھ کرنے کی درخواست کی ہے اور شاید اسی کی تقلید میں آج بھی اہلحدیثوں کی سرگرمیوں پر مضبوط قدغن لگانے کے لئے مختلف ملکی وغیر ملکی جہتوں میں خطوط لکھے جارہے ہیں۔

نہیں تھکتے ہر فتنہ کی جڑ ہے۔ خواہ وہ نیچریت کی شکل میں ہو، قادیانیت کی شکل میں ہو، چکڑالویت یا انکار حدیث کی شکل میں ہو، یہ سب فتنے اسی ایک اصل (ترک تقلید) کے برگ و بار ہیں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ پروپیگنڈوں کی تاثیر بلیغ پر یقین رکھنے والی یہ جماعت اہلحدیثوں کو دنیا کی جملہ باطل تحریکات اور اسلام دشمن عناصر کی موافق و ہمنوا قرار دینے لگی ہے، سبحانك، هذا بهتان عظيم.

ادھر کچھ دنوں سے ایک نئی اصطلاح کرم فرماؤں نے رائج کی ہے۔ چنانچہ بڑے زور و شور سے اہلحدیثوں کو "لامذہب" (بدمذہب) اور اہلحدیثیت کو "لامذہبیت" (بددینی) کے لقب سے نوازا جا رہا ہے اور بڑے وسیع پیمانے پر اسے فروغ دینے کی جدوجہد کی جا رہی ہے۔ اصحاب قلم اپنا مکمل زور صرف کر رہے ہیں اس بات کو باور کرانے کے لئے کہ لامذہبیت اسلام کے لئے ایک خطرناک چیلنج ہے۔ لہذا اس سے دور رہنا چاہئے۔ موجودہ صورتحال میں مناسب معلوم ہوا کہ کرم فرماؤں کے دیئے ہوئے بعض گالی نما القاب و اسماء بالخصوص "لامذہب" اور "لامذہبیت" کا بھی ایک سرسری جائزہ لے کر واضح کر دیا جائے کہ حقیقت میں کون مذہبی ہے؟ اور کون لامذہب؟ تاکہ حق کے متلاشی پروپیگنڈوں سے متاثر ہو کر حق کو ناحق اور ناحق کو حق نہ تسلیم کر لیں۔ یہاں یہ واضح کر دینا مناسب ہوگا کہ جماعت اہلحدیث کو غیر مقلد اور لامذہب سمیت وہابی، رفع یدینی اور امینیے کے القاب سے بھی نوازا جاتا ہے۔ چونکہ عام طور پر رفع یدینی اور امینیے کا لقب جاہل عوام میں معروف ہے، اور وہابیت کے تعلق سے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اسی لئے اول الذکر دونوں القاب ان میں بھی لامذہب اور لامذہبیت سے متعلق قدرے تفصیلی گفتگو کی جائے گی۔ لامذہب پر بحث کرنے سے پیشتر "غیر مقلدیت" کی اصطلاح پر بھی ایک نظر ڈال لینا مناسب ہوگا، تاکہ واضح ہو جائے کہ غیر مقلد اور اہلحدیث میں جو ترادف دکھلانیکی کوشش کی جارہی ہے اور اس کے لئے جو دعوے کیے جا رہے ہیں ان میں کتنی صداقت ہے؟

کیا ترک تقلید ایک قابل مذمت فتنہ ہے؟

ہم یہاں تقلید کی شرعی حیثیت پر گفتگو نہیں کرنا چاہتے، کیونکہ دونوں جانب سے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے۔ مجھ جیسے شخص کے لئے اس پر مزید اضافہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ اسی طرح ''غیر مقلد'' اصطلاح کب اور کس کے ذریعہ رائج ہوئی؟ بروقت ہمارے لئے اس کی تحدید وتعیین بھی قدرے مشکل امر ہے۔ البتہ لفظ تقلید کا استعمال ہمیں عہد صحابہ سے ہی ملتا ہے، لیکن انہوں نے یا ان کے بعد تابعین عظام نے کسی ایسے اسلوب میں اس کا ذکر نہیں کیا ہے جس سے معلوم ہو کہ یہ لفظ کوئی بہت مستحسن اور قابل تعریف حیثیت کا حامل ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف صحابہ وتابعین کی وضاحتوں سے صراحتًا یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان کے یہاں یہ لفظ ایک غیر مستحسن بلکہ مبغوض حیثیت کا حامل ہے۔ شریعت میں اس کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے متفقہ طور پر تقلید سے ممانعت اور اس کی مذمت میں آثار منقول ہیں، جن کو علامہ ابن عبدالبر اور حافظ ابن القیم وغیرہ نے جمع کیا ہے۔ بطور مثال چند اقوال پیش خدمت ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

"اغد عالما أو متعلما، ولا تغد إمعة فيما بين ذلك". (۱)

(ایک عالم یا ایک طالب علم کی راہ اختیار کرو، ان دونوں کے بیچ میں ''امعی'' مت بنو)

امعی: اس شخص کو کہتے ہیں جو تقلید کی راہ اپنائے، یا ایسے شخص کو کہتے ہیں جو عزم وارادہ اور رائے سے خالی ہو۔ (۲)

آپ ہی سے یہ بھی منقول ہے:

"لا يقلدن أحدكم دينه رجلا، إن آمن آمن، وإن كفر كفر،

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ (۲/۱۱۲، ط: المنیریۃ)، اعلام الموقعین (۲/۱۹۴، تعلیق طہ عبدالرؤف)، وایقاظ الهمم (ص ۳۶)۔

(۲) اعلام الموقعین (۲/۱۹۴)، وایقاظ الہمم (ص ۳۶)

فإنه لا أسوة فى الشر " (۱)

(کوئی شخص اپنے دین کے بارے میں کسی کی اس طرح تقلید نہ کرے کہ اگر وہ ایمان لائے تو وہ بھی ایمان لائے، اور اگر وہ کفر اختیار کرے تو وہ بھی کفر اختیار کرے اس لئے کہ شر اور برائی میں کسی کو اسوہ اور نمونہ نہیں بنایا جا سکتا ہے)

عبیداللہ بن المعتز سے منقول ہے:

" لا فرق بين بهيمة تنقاد وإنسان يقلد " (۲)

(ایک منقاد و فرمانبردار چوپایہ اور ایک مقلد انسان کے مابین کوئی فرق نہیں ہے)

اسی طرح ائمہ اربعہ اور دیگر علماء سلف (رحمہم اللہ اجمعین) کے تقلید سے متعلق بیانات (۳) پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لفظ ان کے یہاں بھی کسی خوشگوار معنی ومفہوم میں نہیں استعمال کیا گیا ہے، اور نہ ہی ان کے یہاں اس لفظ کو کوئی مستحسن یا پسندیدہ حیثیت حاصل ہے ۔ اگر حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے لفظ ''تقلید'' کے لغوی عرفی اور اصطلاحی مفہوم پر ہی غور کیا جائے تو بھی اس کی قباحت وشناعت کا اندازہ بخوبی و بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا محمد تقی عثمانی نے فاران کراچی (۱۹۶۵ء) میں اپنے ایک مضمون جو ''تقلید کی شرعی حیثیت'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا، میں مروجہ تقلید پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لفظ تقلید کے لغوی مفہوم سے براءت کا اظہار کیا ہے اور فرمایا ہے: ''اس کے لئے کوئی اور لفظ ہونا چاہئے''۔ اسی طرح آپ نے اس لفظ ''تقلید'' کے استعمال کو بے محل بھی قرار دیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ لفظ کے لغوی مفہوم سے براءت یا

---

(۱) جامع بیان العلم (۱۱۴/۲)، اعلام الموقعین (۱۹۵/۲)

(۲) جامع بیان العلم (۱۱۴/۲)، ایقاظ الھمم (ص ۳۸)

(۳) تقلید سے متعلق ائمہ کرام کے اقوال یکجا طور پر مقدمہ صفۃ صلاۃ النبی (ﷺ) للالبانی (ص ۲۳ و مابعدھا، ط: ۱۱، سن ۱۴۰۳ھ) میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ معلوم ہو کہ ہر ایک نے واضح طور پر اپنی تقلید سے روکا اور منع کیا ہے جب تک کہ ان کے اقوال کے مآخذ اور دلائل کا علم نہ ہو جائے۔ اور قرآن وحدیث سے تصادم اور ٹکراؤ کی صورت میں اپنے اقوال کو ترک کر دینے کی تلقین کی ہے۔

اس کے بے محل مستعمل ہونے کی صرف بات نہیں ہے، بلکہ اس لفظ کے اصطلاحی وعرفی مفہوم بھی قابل غور ہیں، ان کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ پوری اصطلاح ہی بے محل ہے۔ کیونکہ اس کی تعریف میں عدم علم بطور ایک جزو لاینفک کے موجود ہے۔ (۱) اور اس کو کسی دوسرے لفظ سے بدلنے کی جو بات کہی گئی ہے تو اس کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔ اتباع، اطاعت جیسے الفاظ اس طرح کے مواقع میں انسانی فطرت کی ترجمانی کے لئے کافی ہیں۔

متعدد اہل علم نے مقلد کو عالم نہ شمار کرنے پر تمام لوگوں کا اتفاق نقل کیا ہے۔ کیونکہ علم کا اطلاق دلیل سے حاصل ہونے والی معرفت پر ہوتا ہے جب کہ بلا دلیل معرفت کو تقلید کا نام دیا جاتا ہے۔ (۲) جب لفظ ''تقلید'' اپنے لغوی مفہوم اور صحابہ وتابعین اور علماء امت (بشمول ائمہ اربعہ) کے استعمال کے اعتبار سے ناخوشگوار اور غیر پسندیدہ ٹھہرا تو اس لفظ کے مقابلے میں عدم تقلید اور ترک تقلید کے الفاظ لازمی طور پر خوشگوار اور پسندیدہ حیثیت کے حامل قرار پائیں گے۔ لیکن مرور زمانہ کے ساتھ جب متعدد احکام شریعت میں لوگوں نے تغیر وتبدل سے کام لیا، بہت سی سنتوں کو بدعتوں اور بہت سی بدعتوں کو سنتوں میں تبدیل کر دیا تو لفظ ''تقلید'' کے ساتھ بھی اسی قسم کا حشر کیا گیا۔ یعنی مبغوض وناپسندیدہ ہونے کے باوجود اسے دین اسلام کے ایک مجمع علیہ رکن کی حیثیت حاصل ہوگئی، اور وہ بعد کے ادوار میں پسندیدہ اور مرغوب فیہ قرار دیدیا گیا اور اسے عین مطلوب اسلام بنادیا گیا کہ اس سے خروج اسلام سے خروج کے مترادف ہے۔ اور اسی طرح اس کے بالمقابل عدم تقلید اور ترک تقلید کو حد درجہ مکروہ اور ناپسندیدہ حیثیت حاصل ہوگئی کہ اس کو تمام فتنوں کی جڑ قرار دیا جانے لگا۔ ابھی تو علماء ومحققین تقلید کو کب اور کہاں رواج حاصل ہوا؟ اسی گتھی کو سلجھانے میں لگے ہوئے تھے اور فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ دوسری صدی یا چوتھی صدی

(۱) تقلید کی جتنے لوگوں نے اصطلاحی تعریف کی ہے ہر ایک کی تعریف کا یہی مفہوم نکلتا ہے کہ حجت وبرہان اور دلیل کی معرفت حاصل کیے بغیر دوسرے کے قول کو لازم پکڑنا تقلید کہلاتا ہے۔

(۲) مسئلہ تقلید پر تحقیقی نظر (ص ۲۶)

میں تقلید کو رواج حاصل ہوا؟ اس بحث کو ختم کرنے اور تقلید کی مشروعیت کو ثابت کرنے کے لئے عہد صحابہ سے ہی تقلید کا ڈانڈا املا دیا گیا۔ چنانچہ جس چیز کو صحابہ کرام اور ائمہ عظام مبغوض ومکروہ سمجھتے تھے، اسی کو ان کے سر مڑھ دیا گیا، اور کہا گیا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور تابعین عظام (رحمہم اللہ) کے عہد میں تقلید شخصی اور تقلید غیر شخصی جس کو وہ تقلید معین اور تقلید غیر معین کا بھی نام دیتے ہیں رواج تھا، (۱) اس کے لغوی، اصطلاحی اور عرفی مفہوم کی کوئی پرواہ نہیں کی گئی، اور نہ صحابہ وتابعین کی عظمت وعلومرتبت کا پاس ولحاظ رکھا گیا۔ میں اس تفصیل میں نہ جاکر مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کی تالیف کردہ کتاب ''مسألہ تقلید پر تحقیقی نظر'' کے مراجعہ کی گذارش کروں گا۔ (۲).

ایسا لگتا ہے کہ جوش وجذبہ تحقیق میں کہیں رسول اکرم ﷺ کے عہد میں بھی تقلید کو ثابت نہ کرنے لگ جائیں۔ ابھی تک تو تقلید شخصی کا وجوب ازمنہ مابعد قرون مفصلہ میں اجماع امت کے ذریعہ ثابت کیا جارہا تھا اب اس کو ذرا آگے بڑھا کر عہد صحابہ تک پہونچا دیا گیا ہے اور اس کے وجوب کو متعدد آیات واحادیث سے ثابت کیا جانے لگا ہے۔ کچھ دن بعد ذرا آگے کھسکا کر عہد نبوی میں بھی اس کو ثابت کیا جانے لگے گا، کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے قول وعمل کے ذریعہ تبلیغ قرآن کے ساتھ قرآن کی توضیح وتشریح کی بھی ذمہ داری مکمل طور پر ادا کردی تھی۔ اسی بناء پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے متعلق فرمایا تھا: کان خلقه القرآن .... "من جملہ تعلیمات قرآن کے (بقول آپ کے) وجوب تقلید بھی ہے۔ قارئین کرام اس کا برا نہ منائیں، کیونکہ ان لوگوں سے کوئی چیز بعید نہیں ہے۔ اثبات تقلید میں انہی لوگوں کی جانب سے ایک آیت کریمہ میں مبینہ طور پر اضافہ کا ارتکاب کیا گیا۔ اور میرے اپنے علم کی حد تک ابھی تک اس اضافہ کو برقرار بھی رکھا

---

(۱) ملاحظہ ہو: محاضرہ علمیہ بر موضوع رد غیر مقلدیت ج ۲ ص ۳۲ ومابعدھا۔

(۲) بعض دلائل کا جواب ملاحظہ فرمائیں (ص ۳۸) میں۔

گیا ہے۔ عصر حاضر کے ایک بڑے محقق نے قیاس کی مشروعیت پر دلیل دیتے ہوئے فرط جذبہ تحقیق میں خود رسول اکرم ﷺ کو قیاسی قرار دیدیا کہ آپ ﷺ بھی قیاس سے کام لیتے تھے (۱) جوش و جذبہ میں رسول اکرم ﷺ کی شرعی حیثیت اور مقام و مرتبہ کو بھول گئے یا بھلا دیا، اور یہ بھی ہوش نہیں رہا کہ قیاس کی کب اور کس کو ضرورت پڑتی ہے؟۔ اصول فقہ کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ " لا قیاس مع النص " (نص اور واضح دلیل کے ہوتے ہوئے قیاس کی کوئی ضرورت و حاجت نہیں ہوتی) اور رسول اکرم ﷺ کی حدیث بھی نص شرعی ہوتی ہے۔ (۲) جب صورتحال یہ ہے تو کیا بعید کہ آنے والے زمانہ میں یہ ثابت کیا جانے لگے کہ تقلید جیسی مذموم اور غیر مستحسن چیز عہد نبوی میں بھی موجود تھی۔ (نعوذ باللہ من ذلك)

جس طرح تقلید کی مشروعیت کو مختلف ذرائع و وسائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی یا کی جارہی ہے اس سے کہیں زیادہ عدم تقلید یا وجوب تقلید کے عدم تسلیم کو مذموم اور قابل نفریں عمل کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اسے نہ صرف غیر اسلامی عمل قرار دیا جارہا ہے، بلکہ اسے ہر فتنہ کی جڑ اور بنیاد قرار دیا جارہا ہے۔ انہی مختلف کوششوں اور سرگرمیوں میں سے مجلہ المآثر مئو ج ۶ ش ۴ (ص ۵۱) میں "غیر مقلدیت کا بانی اور ترک تقلید کے مہلک نتائج" کا وہ دل آزار مضمون بھی ہے جو کسی ڈاکٹر محمد توحید مرزا پوری کے قلم سے سپرد قرطاس کیا گیا ہے۔ مضمون میں علماء اہلحدیث خصوصاً مولانا عبدالحق محدث بنارسی اور میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کو سب و شتم کا خوب نشانہ بنایا گیا ہے۔ اور بڑی بے

(۱) ملاحظہ ہو: غیر مقلدین کی ڈائری (ص ۱۷۳)

(۲) اس مزعومہ کی تردید ملاحظہ ہو "تقلید کے برگ و بار" از قلم ڈاکٹر محمد یونس ارشد بلرامپوری قسط نمبر ۹ میں۔ منشور در جریدہ ترجمان بابت ۲۷ نومبر، ۴ دسمبر ۹۸ (ص ۲۱، ۲۲) موصوف محقق نے جس حدیث سے نبی کریم ﷺ کے قیاسی ہونے پر استدلال کیا ہے اس میں صرف اتنی سی بات ہے کہ آپ ﷺ نے ایک صحابیہ کو ان کی ایک ایسی بہن کی وفات پر جن کے ذمہ مسلسل دو مہینہ کے روزے تھے قرض سے تشبیہ دیتے ہوئے فوت شدہ روزوں کی قضا کا حکم دیا تھا۔ تاکہ مسائل ان کو اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ بیشتر مواقع پر آپ نے مثالوں کے ذریعہ دین کے مسائل کو واضح کیا ہے،

باکی کے ساتھ نیچریت، قادیانیت، چکڑالویت اور انکار حدیث کی اصل اور بنیاد اہلحدیثیت بنام غیر مقلدیت کو بتایا گیا ہے، اور ان تمام فتنوں کے سرغنہ لوگوں کو اہلحدیث (غیر مقلد) ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حالانکہ بیشتر کی اہلحدیثیت نہ صرف مشکوک بلکہ ان کے حنفی المسلک ہونے کی صراحت ملتی ہے۔ کہیں آگے چل کر اس پر مزید تفصیل سے گفتگو ہو گی۔ یہاں یہ کہنا ہے کہ کیا واقعتاً ترک تقلید ایسا قابل مذمت گناہ ہے جو شرک وکفر سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ (۱) یا معاملہ اس کے برعکس ہے؟ لیکن اس سے پہلے دو بڑے حنفی عالموں کے بیانات نقل کر دینا مناسب ہوگا۔ ان میں سے ایک علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی (رحمہ اللہ) کا وہ فتوی ہے جس میں مسلمان کے لئے حنفی، شافعی ہونا شرط نہیں قرار دیا گیا ہے۔ وضاحت کے لئے سوال و جواب کو مکمل طور پر نقل کر دینا بہتر ہوگا:

سوال (۱۳۲): ''مسلمان ہونے کے لئے مذہباً حنفی یا شافعی ہونا خدا اور رسول نے شرط قرار دیا ہے یا نہیں؟ اور کیا پیغمبرؐ صحابہ اور اماموں کے وقت میں بھی لوگ حنفی یا شافعی کہلاتے تھے؟ اور اماموں نے اپنی اپنی تقلید کرنے کو کہا یا نہیں؟ اور پیغمبر کے بعد ایک صدی تک تمام مسلمان کسی شخص معین اور امام معین کی تقلید نہیں کرتے تھے تو کیا اُس دور کے غیر مقلد صحابہ وتابعین اچھے اور سچے مسلمان تھے؟ یا ان کے بعد کے مقلد حنفی یا شافعی کہلانے والے؟ حدیث وقرآن کے عاملین پر ناراض ہونے والے اچھے ہیں؟ اور پیغمبر نے صحابہ وتابعین کے زمانہ کو اچھا کہا ہے یا نہیں؟ اور مابعد کے زمانے میں جھوٹ اور گناہ پھیلنے کی خبر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: ''حنفی ہونا مسلمانی میں شرط نہیں کیا گیا اور پیغمبر، اصحاب اور امام کے وقت

---

(۱) آج کل ترک تقلید کے قائلین یا تقلید کے عدم وجوب کے قائلین کے خلاف جو جنگ چھیڑی گئی ہے اس میں یہی تاثر دلانے کی کوشش ہو رہی ہے کہ ترک تقلید شرک وکفر سے بھی بڑھا ہوا فتنہ ہے۔ مختلف مظاہر شرک کے خلاف ان کے قلم کی سیاہی خشک معلوم ہوتی ہے بلکہ ان مظاہر شرک پر نکیر کرنے والوں کی مذامت کی جاتی ہے۔

مذکورہ دل آزار مضمون کا غیر جانبدار اہل علم کی تحریروں کی روشنی میں مفصل جواب دیا جا چکا ہے جو محدث بنارس، بابت اگست ۱۹۹۸ء (ص ۱۱) میں شائع ہو چکا ہے۔

مسلمان حنفی شافعی وغیرہ الفاظ کے ساتھ موسوم نہ تھے، اماموں نے اپنے قول کی تقلید کی اجازت دی ہے بشرطیکہ وہ قرآن وحدیث کے خلاف نہ ہو، اصحاب وتابعین کے دور کے مسلمان ظاہر ہے کہ اعلیٰ وافضل تھے، ان لوگوں سے جو متدین علماء اور قرآن وحدیث پر عمل کرنے والوں سے ناراض ہیں، اور پیغمبر صاحب نے صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کے دور کو اچھا کہا ہے، اور مابعد کے زمانے میں جھوٹ اور گناہ کے پھیلنے کی خبر دی ہے" (۱)

دوسرا مولانا محمد کفایت اللہ مفتی (رحمہ اللہ) کا وہ فتویٰ ہے جس میں آپ نے وضاحت کر دی ہے کہ محض ترک تقلید سے اسلام میں فرق نہیں پڑتا۔ چنانچہ آپ سے سوال کیا گیا:

"اہل حدیث جن کو ہم غیر مقلد بھی کہتے ہیں مسلمان ہیں یا نہیں؟ وہ اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں؟ اور ان سے نکاح شادی کا معاملہ کرنا درست ہے یا نہیں؟"

جواب میں آپ لکھتے ہیں:

جواب: "ہاں اہل حدیث مسلمان ہیں اور اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں، ان سے شادی بیاہ کا معاملہ کرنا درست ہے، محض ترک تقلید سے اسلام میں فرق نہیں پڑتا اور نہ اہل سنت والجماعت سے تارک تقلید باہر ہوتا ہے" (۲)

ایک دوسرا سوال:

"موجودہ وہابیوں یا غیر مقلدوں کو کافر، اسلام سے خارج اور جہنمی اور گمراہ کہنا جائز ہے یا نہیں، کیا جو شخص یہ الفاظ استعمال کرتا ہے اس پر کوئی حرف منجانب قرآن اور حدیث اور فقہ سے آتا ہے یا نہیں" کے جواب میں آپ فرماتے ہیں:

"غیر مقلدوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا صحیح نہیں، ایسا کہنے والا سخت گنہ گار ہوگا، کیونکہ ترک تقلید فی حد ذاتہ کفر نہیں ہے" (۳)

---

(۱) فتاویٰ عبدالحی (ص ۱۵۴) منقول از اکابر علماء احناف کے بھولے بسرے فتوے: جمع وترتیب شکیل احمد میرٹھی ص ۳۳)

(۲) کفایۃ المفتی (۱/۳۲۲) منقول از اکابر علماء احناف کے بھولے بسرے فتوے (ص ۲۷، ۲۸)

(۳) کفایۃ المفتی (۱/۳۲۴) منقول از اکابر علماء احناف کے بھولے بسرے فتوے (ص ۲۷، ۲۸)

ایک تیسرے بڑے عالم جن کو دنیائے حنفیت کا مجدد کہا جاتا ہے کا بھی ایک بیان جو مخصوص طور پر تقلید سے متعلق تو نہیں ہے ذکر کر دینا خالی از فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ اس سے ہماری بات کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: " لا حجة في الشيوع والكثرة بعد عهد النبي ﷺ، فإن العبرة بما كان في عهد النبي ﷺ صاحب النبوة" (۱)

''نبی ﷺ کے عہد مبارک کے بعد کسی چیز کی شہرت اور کثرت کو حجت و دلیل نہیں بنایا جا سکتا، اس لئے کہ اعتبار اسی امر کا ہوگا جو صاحب نبوت رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں موجود تھا''۔

آج ترک تقلید کی اتنے زور و شور سے مذمت کی جا رہی ہے، وجوب تقلید کے منکرین کو برا بھلا کہا جا رہا ہے تو آیئے ذرا تاریخ کی ورق گردانی کر کے دیکھا جائے کہ کیا پچھلے ادوار میں بھی جس میں تقلید کے رواج پر علماء امت کے اجماع کا دعوی کیا جاتا ہے ترک تقلید یا تارکین تقلید کے خلاف اسی جدو جہد اور سرگرمی کا مظاہرہ کیا جاتا تھا جس سرگرمی اور جدو جہد کا مظاہرہ آج کے دور میں کیا جا رہا ہے، اور ترک تقلید کو اتنا ہی برا سمجھا جاتا تھا جتنا آج سمجھا جا رہا ہے؟ تو تاریخ و سیر اور طبقات کی کتابوں کے مطالعہ سے اس امر کا بخوبی پتہ چلتا ہے کہ تقلید پر دعویٰ اجماع کے باوجود (خواہ وہ تاریخ کے کسی دور میں ہوا ہو) ہر دور اور ہر زمانے میں ایسے لوگوں کا وجود رہا ہے جو مروجہ تقلید کے پابند نہیں تھے۔ بلکہ ہمیں تاریخ کی کتابوں میں ایسی نظیریں بھی ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے ایسے علماء بھی گذرے ہیں جنہوں نے ابتداءً کسی امام کی تقلید اختیار کی، لیکن بعد میں اسے ترک کر دیا۔ البتہ ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی جس کی بنیاد پر یہ کہا جا سکے کہ ان علماء پر نکیر کی گئی ہو، یا انہیں طنز و تعریض اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا گیا ہو۔ بلکہ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے علماء اپنے وقت میں دینی قیادت اور امامت کے مقام پر فائز تھے، علماء اور عوام کی نظر میں ان کو عزت

---

(۱) فیض الباری شرح البخاری (۱/۱۸)

حاصل تھی، اور ان کا بوقت ضرورت اہل حدیث، اصحاب الحدیث اور اصحاب الآثار وغیرہ ناموں سے ذکر خیر کیا جاتا تھا۔

بعض اہل علم جنہوں نے راہ تقلید کی آبلہ پائی نہیں اختیار کی

جیسا کہ عرض کیا گیا: تقلید کو رواج حاصل ہونے کے بعد (خواہ کسی بھی دور اور زمانے میں ہوا ہو) ہمیشہ علماء کی ایسی جماعت پائی گئی ہے جنہوں نے تقلید کی وادی میں قدم نہیں رکھا، یا قدم رکھا لیکن اس کی صعوبت اور دشوار گذاری کا احساس ہوتے ہی الٹے پاؤں واپس ہو گئے، اور باوجودیکہ تقلیدی مذاہب واصولی فرقوں کے مابین رسہ کشی، باہمی نزاعات اور خصومات کی دل خراش داستانیں تاریخ کے صفحات نے اپنے سینوں میں محفوظ کر رکھی ہیں، کہیں آگے چل کر تقلیدی مذاہب کے نزاعات کی بعض خونچکاں داستانیں بیان کی جائیں گی، لیکن سردست یہاں ہم صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اس افسوسناک وغیر معمولی صورت حال میں بھی ہمیں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس سے یہ پتہ چلے کہ ترک تقلید کو پچھلے دور میں عیب سمجھا جاتا تھا، یا ترک تقلید کو کم از کم قابل افسوس عمل ہی گردانا جاتا تھا اور تارکین تقلید کو غیر پسندیدہ نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، یا انہیں غیر مقلد، یا لامذہب جیسے القاب سے نوازا جاتا تھا۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ائمہ معقول وفلاسفہ ومتکلمین ائمہ اہل سنت کو فقیہ ہوں یا غیر فقیہ، مجتہد ہوں یا غیر مجتہد "مقلد" کہتے تھے، کیونکہ ان کے نزدیک منقولات کا مقام کسی طرح بھی ظن سے اونچا نہیں ہے۔ امام غزالی " فیصل التفرقة بین الاسلام والزندقة " میں لکھتے ہیں: "اگر کوئی ان الزامات کے جواب سے عاجز آجائے تو وہ صاحب نظر نہیں بلکہ "مقلد" ہے، اور مقلد کی شرط یہ ہے کہ وہ خود خاموش رہے، یا اس سے خاموشی اختیار کر لی جائے" (۱) اس کے برعکس ہم تقلیدی مذاہب پر گامزن لوگوں کو نہیں دیکھتے کہ انہوں نے تارکین تقلید کو کسی غیر پسندیدہ لقب سے ملقب کیا

---

(۱) [illegible]

ہو۔ ذیل میں بعض ایسی شخصیات کا تذکرہ کر رہے ہیں جنہوں نے واضح طور پر تقلید کی راہ نہیں اپنائی، یا اوّلاً کسی امام کے مقلد تھے لیکن بعد میں چل کر تقلید کو ترک کر دیا۔ اس کے باوجود ان کے سوانح نگاروں نے ترک تقلید کے تعلق سے ان کے بارے میں کوئی ناپسندیدہ بات نہ تو خود کہی اور نہ کسی دوسرے سے نقل کی۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ترک تقلید ایسا گناہ نہیں ہے جس پر اتنا واویلا مچایا جائے۔ اور اسے ہر فتنہ کی جڑ قرار دیا جائے۔ ترک تقلید کے خلاف یہ ساری سرگرمیاں موجودہ دور کی پیداوار ہیں۔

۱- ابراہیم بن حسین بن خالد أبو اسحاق (ت بعد ۲۴۰ھ)

علامہ ابن فرحون مالکی نے لکھا ہے:

"كان يذهب إلى النظر وترك التقليد"

یعنی ترک تقلید اور کتاب وسنت میں غور وفکر کے ذریعہ مسائل کا استخراج واستنباط ان کا مذہب تھا۔

اور ان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"كان خيرا فقيها ...... (وهو) مذكور في المالكية، عالم بالفقه، بصير بطرق الحجة".

یعنی صاحب خیر اور فقیہ تھے، مالکیہ میں ان کو شمار کیا جاتا ہے، انہیں فقہ کی معرفت اور طرق استدلال کی مکمل بصیرت حاصل تھی۔ (۱)

۲- قاسم بن محمد بن قاسم ابو محمد القرطبی (ت ۲۷۶ھ یا ۲۷۷ھ یا ۲۷۸ھ)

آپ کے بارے میں ابن فرحون لکھتے ہیں:

"ولزم محمد بن الحكم والمزني للتفقه والمناظرة، حتى برع في الفقه، وذهب مذهب الحجة والنظر وعلم الاختلاف".

یعنی فقہ اور مناظرہ کا علم حاصل کرنے کے لئے محمد بن الحکم اور مزنی کی رفاقت

(۱) الدیباج المذھب (۲۵۹/۱، ۲۶۰) تحقیق د/ ابو النور)

اختیار کی، یہاں تک کہ ان کو فقہ کی پوری مہارت حاصل ہوگئی، (کتاب وسنت میں) غور وفکر اور استخراج واستنباط کی راہ اختیار کی، اور خلافیات کا علم حاصل کیا۔

مزید آپ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ:

''امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کی جانب میلان رکھتے تھے، وقت کے بعض مشاہیر کے رد میں ایک کتاب لکھی جس کا نام " الرد علی المقلدة " رکھا۔''

اس کے بعد مختلف علماء عصر کی شہادتیں نقل کی ہیں جنہوں نے آپ کے علم ومعرفت اور تفقہ کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کی ستائش کی ہے۔ علامہ ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" لم يكن بالأندلس أفقه منه ومن أحمد بن خالد "

اندلس میں آپ سے اور احمد بن خالد سے بڑھ کر کوئی دوسرا فقیہ نہیں تھا۔

حمیدی اور ضبی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

'' اپنے مخالفین کے رد میں متعدد کتابیں لکھی ہیں ان میں سے ایک کا نام " الايضاح في الرد على المقلدين " ہے''۔(۱)

۳-اسماعیل بن اسحاق بن ابراہیم القیسی المصری، معروف بہ ''ابن الطحان'' (ت ۳۸۴ھ)

ابن فرحون آپ کے متعلق رقمطراز ہیں:

" كان من أهل الفقه والحديث، وغلب عليه الحديث، .... وكان فتياه بما ظهر له من الحديث "۔

یعنی آپ کا فقہاء ومحدثین میں شمار ہوتا تھا، حدیث کی جانب زیادہ میلان رکھتے تھے، ...... ظاہر حدیث کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے ۔

مزید آپ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) الدیباج المذہب (۲/۱۴۳-۱۴۴)، تفصیلی سوانح کے لئے جذوۃ المقتبس (ص ۳۲۹)، بغیۃ الملتمس (ص ۴۴۶)

"مجالس درس وتدریس میں آپ کی طولانی نفس اور دیر تک مجلس میں جمے رہنے کی وجہ سے علاقے کے لوگوں نے آپ سے کافی استفادہ کیا" (۱)

۴-عبداللہ بن ابراہیم ابومحمد الأصیلی (ت ۳۹۲ھ)

ابن فرحون بعض اہل علم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"كان من حفاظ مذهب مالك، والمتكلم على الأصول، وترك التقليد، ومن أعلم الناس بالحديث وأبصرهم بعلله ورجاله".

یعنی امام مالک کے مذہب کے حافظ، اور اصول کے ماہر تھے، تقلید ترک کر دیا تھا، حدیث کے بڑے عالم اور علل حدیث ورجال حدیث میں کافی بصیرت رکھتے تھے۔

مختلف انداز سے تعریف کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"ابن ابی زید القیروانی کے ہم مثل اور انہی کے طور طریق کو اختیار کرنے والے تھے، لیکن ان کے اندر کافی جھنجھلاہٹ پائی جاتی تھی غصہ کے اوقات میں آپے سے باہر ہو جاتے تھے"۔ (۲)

۵-محمد بن عمر بن یوسف بن بشکوال ابوعبداللہ القرطبی معروف بــــ "ابن الفخار" (ت ۴۱۹ھ)

ابن فرحون آپ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"احفظ الناس، وأحضرهم علما، وأسرعهم جوابا، وأفقههم على اختلاف العلماء وترجيح المذاهب، وحافظا للحديث والأثر، مائلا إلى الحجة والنظر وكان - أولاً - يميل إلى مذهب الشافعي، ثم تركه .... وكانت له مذاهب أخذ بها في خاصة نفسه. خالف فيها أهل قطره".

---

(۱) الدیباج المذہب (۱/۲۹۰-۲۹۱)۔

(۲) الدیباج المذہب (۱/۴۳۴) نیز ملاحظہ ہو: ترتیب المدارک (۲/۶۴۲-۶۴۸ تحقیق د/احمد بکیر محمود) تذکرۃ الحفاظ (۳/۱۰۲۴)

یعنی ابن بشکوال حفظ و معرفت، استحضار علم اور حاضر جوابی میں تمام لوگوں پر فوقیت رکھتے تھے، علماء کے اختلافات اور مذاہب کی ترجیح کے بارے میں ان کو کافی تفقہ حاصل تھا، احادیث و آثار کے بھی حافظ تھے، کتاب و سنت میں غور و فکر اور ان سے خود استخراج واستنباط کا رجحان رکھتے تھے۔ پہلے امام شافعی کے مذہب کی جانب ان کا میلان تھا، پھر اسے ترک کر دیا، ..... ان کے کچھ تفردات تھے جن میں وہ اپنے ہم وطن علماء کے خلاف فتوی دیتے تھے۔

گویا عصر حاضر کے اعتبار سے دو بڑے جرم کا ارتکاب کیا تھا (۱) ترک تقلید، (۲) شاذ اقوال کا اختیار۔ اس کے باوجود ان کے ترجمہ میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جس کی بنیاد پر کہا جا سکے کہ ان کا یہ عمل ہم عصر علماء کے نزدیک معیوب اور قابل نفرت تھا۔ بلکہ اس کے برخلاف ابن فرحون آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

" وكانت له دعوات مستجابة ، وأعمال من البر صالحة "

یعنی آپ کے مستجاب الدعوات ہونے کی شہادت دی گئی ہے، اور آپ کے یہاں بکثرت اعمال صالحہ کے پائے جانے کی خبر ہے۔ (۱)

۶- عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیان أبوالشیخ الاصفہانی (تـ ۳۶۹ھ)

آپ کے بارے میں آپ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے:

" قد كان ..... من العلماء العاملين صاحب سنة واتباع " (۲)

یعنی عالم باعمل، متبع سنت اور حدیث سے شغف رکھنے والے تھے۔

آپ نے کسی امام کی تقلید نہیں اختیار کی تھی، جتنے لوگوں نے آپ کی سوانح لکھی ہے اس جانب اشارہ کیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ علم و معرفت اور زہد و ورع میں کافی اونچا مقام رکھنے کے باوجود اصحاب مذاہب کی سیر و سوانح سے متعلق مخصوص کتابوں میں آپ کا تذکرہ

(۱) الدیباج المذھب (۲/ ۲۳۵) نیز ملاحظہ ہو: الصلۃ (۲/ ۵۱۰-۵۱۲)

(۲) سیر اعلام النبلاء (۱۶/ ۲۷۹) ابوالشیخ الاصفہانی سے متعلق تفصیلی مضمون ملاحظہ ہو: محدث بنارس شمارہ بابت اکتوبر تا دسمبر ۹۶ء وسمی ۲۰۰۰ء

نہیں ملتا۔عدم تقلید پر کسی نے ان کی عیب جوئی نہیں کی۔البتہ ماضی قریب کے ایک بڑے حنفی عالم علامہ کوثری نے آپ کو مطعون کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔جس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ابوالشیخ رحمہ اللہ نے اپنی کسی کتاب میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف روایات جمع کردی ہیں۔لیکن جملہ تذکرہ نگاروں نے معاصرین ومتأخرین علماء سے آپ کی توثیق وتعدیل نقل کی ہے۔علوم حدیث سے متعلق بعض فنون میں آپ کے اقوال وآراء کو کافی اہمیت حاصل ہے۔چنانچہ ابن الصلاح نے مصطلح الحدیث کے ایک مختلف فیہ مسألہ کا ذکر کرتے ہوئے فقہاء، علماء اصول اور اہل الحدیث کی آراء کا الگ الگ تذکرہ کیا ہے۔ اہلحدیث کی رائے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" وممن أبطلها من أهل الحديث الامام ابراهيم بن اسحاق الحربى ، وأبو محمد عبدالله بن محمد الأصفهانى الملقب بأبى الشيخ "۔ (۱)

یہی نہیں بلکہ عمومی طور پر اہل الحدیث کے مذہب ومسلک کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی۔کسی بھی مسألہ میں نقطۂ نظر یا مختلف آراء واقوال کا ذکر ہوتا تو اہل الحدیث کی رائے اور ان کے مسلک کا ضرور ذکر ہوتا۔چنانچہ شیخ عبدالعزیز بن احمد بخاری (ت ۷۳۰ھ) صحابی کی تعریف کے ذکر میں لکھتے ہیں:

" اختلفوا فى تفسير الصحابى فذهب عامة أصحاب الحديث وبعض أصحاب الشافعى الى أن من صحب النبى ﷺ لحظة فهو صحابى "۔ (۲)

یعنی صحابی کی تعریف میں علماء کا اختلاف ہے، عام اصحاب حدیث اور بعض شوافع کا کہنا ہے کہ ایک لحظہ جس نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا وہ صحابی ہے"۔

یہاں اصحاب الحدیث کا ذکر ائمہ اصول کے تذکرہ میں آیا ہے۔ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

---

(۱) مقدمہ ابن الصلاح (ص ۱۳۵)

(۲) کشف الاسرار (۲/۷۰۴ منقول از تحریک آزادی فکر (ص ۱۹۹)

" ذهب أكثر أصحاب الحديث إلى أن الأخبار التى حكم أهل الصنعة بصحتها توجب علم اليقين ". (۱)

یعنی جن احادیث کو ائمہ فن نے صحیح کہا ہے وہ اصحاب حدیث کے نزدیک یقین کا فائدہ دیتی ہیں۔

پیغمبر کو اجتہاد کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ عام ائمہ اصول کا خیال ہے کہ پیغمبر بوقت ضرورت اجتہاد کر سکتا ہے، اور اسے وحی اور اجتہاد دونوں پر عمل کی اجازت ہے۔ کشف الأبرار کے مؤلف لکھتے ہیں :

" وهو منقول عن أبى يوسف من أصحابنا وهو مذهب مالك والشافعي وعامة أهل الحديث ". (۲)

یعنی احناف میں سے امام ابو یوسف، امام شافعی، امام مالک اور عام اہل حدیث کا بھی یہی خیال ہے کہ پیغمبر اپنے اجتہاد پر عمل کر سکتا ہے۔

یہاں بھی اہلحدیثوں کا ذکر مذاہب اربعہ کے ساتھ علماء اصول میں آیا ہے۔

لفظ حنفی میں یاء نسبت کے تذکرہ میں علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

" ان النسبة الى مذهب أبى حنيفة وإلى القبيلة وهم بنو حنيفة بلفظ واحد، وإن جماعة من أهل الحديث منهم أبو الفضل محمد بن طاهر المقدسي يفرقون بينهما بزيادة ياء فى النسبة إلى المذهب ويقولون : حنيفي ". (۳)

''قبیلہ بنو حنیفہ اور مذہب ابو حنیفہ کی جانب نسبت میں حنفی درست ہے۔ لیکن اہل حدیث کی ایک جماعت کا جس میں محمد بن طاہر مقدسی بھی ہیں خیال ہے کہ مذہب کی طرف نسبت میں ''حنیفی'' یاء کی زیادتی کے ساتھ ہونا چاہیے تاکہ دونوں میں تفریق ہو جائے لہذا

(۱) کشف الاسرار (۲/۲۹۱ منقول از تحریک آزادی فکر ص ۱۹۹)

(۲) کشف الاسرار (۳/۹۲۵ منقول از تحریک آزادی فکر (ص ۲۰۳)

(۳) رد المحتار (حاشیہ ابن عابدین)(۱/۱۲ طبع مصر ۱۳۰۷ ھ)، (۱/۱۱ طبع ہند)

وہ مذہب کی طرف نسبت میں حنفی کہتے ہیں''۔

یہاں علماء حدیث کی رائے لغت اور زبان کے ماہرین کی حیثیت سے مذکور ہے۔

اذان اور اقامت میں لفظ ''اکبر'' کے اعراب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" وثانيها مخالفته لما فسره أهل الحديث والفقه "(۱)

اوقاف کے ایک مسألہ میں لکھتے ہیں:

" وقف على أصحاب الحديث لا يدخل فيه الشافعي إذا لم يكن في طلب الحديث، ويدخل فيه الحنفي كان في طلبه أو لا "(۲)

''کسی نے اہلحدیث کے لئے کوئی چیز وقف کی تو شافعی اگر حدیث کا طالب علم ہے تو اس میں شامل ہوگا اور حنفی بہر حال شامل ہوگا حدیث پڑھے یا نہ پڑھے''

خوارج کے متعلق علماء کے اختلاف کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" حكمهم عند جمهور الفقهاء وأهل الحديث حكم البغاة، وذهب بعض أهل الحديث إلى أنهم مرتدون، قال ابن المنذر: ولا أعلم أحدا وافق أهل الحديث على تكفيرهم ".(۳)

یعنی ''جمہور فقہاء اور اہل حدیث کے نزدیک خوارج باغی ہیں، بعض اہل حدیث انہیں مرتد کہتے ہیں، ابن منذر فرماتے ہیں: تکفیر میں ان کی کسی نے تائید نہیں کی''۔

یہاں جمہور فقہاء کے ساتھ اہل حدیث کا تذکرہ مکتب فکر کی حیثیت سے ہوا ہے۔

اہل اہواء کے متعلق محدثین کا تذکرہ اپنی تائید میں اس طرح فرماتے ہیں:

" كذا نص المحدثون على قبول رواية أهل الأهواء ". (۴)

''محدثین نے اہل اہواء کی روایت کے قبول کی تصریح فرمائی ہے''۔

---

(۱) ردالمختار (۲۸۳/۱ طبع مصر) (۲۵۹/۱ طبع ہند)

(۲) ایضاً (۴۲۹/۳ طبع ہند)۔ ملاحظہ ہو کتنا مبنی بر عدل وانصاف فتوی ہے؟؟

(۳) ردالمختار (۲۹۳/۳، طبع ہند)

(۴) ایضاً (۲۹۳/۳) نیز ملاحظہ ہو (۳۰۹/۳)

بعض دیگر اہم کتب احناف میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا ذکر کرتے ہوئے ان کی شہادت میں کسی صحابی کے شریک نہ ہونے کی وضاحت کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں اہل حدیث کے بیان پر اعتماد کیا گیا ہے۔ چنانچہ بحر العلوم میں مذکور ہے:

"ولم یکن فیهم واحد من الصحابة کما صرح به غیر واحد من أهل الحدیث" (۱)

ان تمام بیانات سے ان لوگوں کی تکذیب ہو جاتی ہے جو اہل حدیث یا اصحاب حدیث سے صرف ان لوگوں کو مراد لیتے ہیں جو روایت حدیث، نقل حدیث، کتابت حدیث اور دفاع حدیث کا محبوب ترین مشغلہ اپنائے ہوئے تھے۔ دیگر علوم وفنون خاص طور سے علم فقہ سے ان کو کوئی لگاؤ یا دلچسپی نہیں تھی۔ سطور بالا سے مکمل طور پر وضاحت ہو جاتی ہے کہ اہل حدیث ایک مستقل بالذات مکتب فکر ہے۔ مختلف علوم فنون میں ان کی مستقل آراء اور اجتہادات ہیں جن کا خلافیات میں باقاعدہ تذکرہ ہوتا تھا اور ان کی ایک اہمیت اور حیثیت ہوتی تھی۔

۷- عمر بن احمد ابو حفص ابن شاہین البغدادی (ت ۳۸۵ھ)

یہ ایک معروف ومشہور محدث ہیں۔ خطیب بغدادی نے محمد بن عمر داؤدی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جب ابن شاہین کے سامنے امام شافعی وغیرہ فقہاء کرام کے مذاہب کا تذکرہ کیا جاتا تو فرماتے کہ میں محمدی المذہب ہوں۔ (۲)

گویا آپ نے بقول فقیہ سیدواڑہ دو جرم کا ارتکاب کیا (۱) تقلید سے انحراف کر کے غیر مقلدیت کے فتنہ کو اختیار کیا (۲) اپنے آپ کو محمدی المذہب کہہ کر یہود ونصاریٰ کی موافقت وہم نوائی کی۔ لیکن علماء جرح وتعدیل میں سے کسی نے بھی آپ کے ان دونوں

---

(۱) بحر العلوم شرح مسلم الثبوت (ص ۴۴۲ نول کشور) اس سلسلے میں مزید تفصیلات ملاحظہ فرمائیں: تحریک آزادی فکر مؤلفہ مولانا محمد اسماعیل سلفی (ص ۲۰۳-۲۰۷) میں۔

(۲) تاریخ بغداد (۱۱/۲۶۶)

عظیم جرموں میں سے کسی ایک پر آپ کو کسی طرح بھی مطعون نہیں کیا ہے اور نہ کسی طرح آپ پر نکیر کی ہے، البتہ بعض دوسرے ناحیوں سے آپ پر کلام کیا گیا ہے۔ چنانچہ احادیث میں لحن اور غلطیوں پر اصرار اور فقہ سے عدم دلچسپی کی بات آپ کے متعلق کہی گئی ہے۔ اور دار قطنی نے آپ کی ثقاہت پر بھی کلام کیا ہے جب کہ دیگر ائمہ حدیث نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔(۱)

سطور بالا سے جو چیز واضح ہو کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ سابقہ ادوار میں تقلید کے رواج کے باوجود ''غیر مقلد'' کا لفظ ایجاد نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اس وقت ایسی کوئی ضرورت محسوس کی گئی کہ یہ لفظ ایجاد کیا جائے۔

اسی طرح تقلید بھی کوئی قابل فخر لقب نہیں تھا جس کے ترک کو معیوب سمجھا جاتا، یا کم از کم اس پر افسوس کا اظہار کیا جاتا، چہ جائیکہ اس کو فتنہ کا نام دیا جاتا اور دین کے لئے اسے ایک خطرناک چیلنج کی حیثیت سے متعارف کرایا جاتا۔ لیکن صورتحال میں بتدریج تبدیلی ہوتی رہی یہاں تک کہ ائمہ کرام کے ساتھ عقیدت ومحبت نے مبالغہ اور غلو کی راہ اپنا کر تقلید جامد کی شکل اختیار کر لی، اور امام کے قول سے سرمو انحراف، اور ان کی رائے سے اختلاف کو بے دینی اور بے راہ روی سے تعبیر کیا جانے لگا، جو روح اسلام کے سراسر مخالف اور عین منافی ہے۔

یہاں کسی کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ ہم بیشتر متقدمین علماء امت کو بھی ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی جانب منسوب پاتے ہیں جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے مقلد تھے۔

ائمہ کرام کی جانب علماء امت کے انتساب کی حقیقت کو جاننے کے لئے ہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا ایک اقتباس پیش کر رہے ہیں جس میں آپ ایک اہل علم کو فقہاء شافعیہ میں شمار کرنے کا مفہوم واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) ملاحظہ ہو: سیر اعلام النبلاء (۱۶/۴۳۳)

" ومعنى انتسابه إلى الشافعي أنه جرى على طريقته في الاجتهاد واستقراء الأدلة وترتيب بعضها على بعض ووافق اجتهاده، وإذا خالف أحيانا لم يبال بالمخالفة، ولم يخرج عن طريقه إلا في مسائل، وذلك لا يقدح في دخوله في مذهب الشافعي ". (۱)

یعنی امام شافعی کی جانب نسبت اختیار کرنے کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے اجتہاد، دلائل کی بحث وجستجو، اور مختلف دلائل کی باہم ترتیب میں امام شافعی کے طریقہ کو اختیار کیا تھا۔ اوران کے اجتہاد کی موافقت کی تھی اور اگر امام شافعی کے اجتہاد سے ان کا اجتہاد مختلف رہا تو اس کی انہوں نے کوئی پرواہ نہیں کی، چند مسائل ہی میں انہوں نے امام شافعی کے اصول اور طریقے سے خروج کیا۔ اور یہ چیز ان کو مذہب شافعی میں شمار کرنے کے لئے حارج نہیں بن سکتی ہے۔

یہ صرف ایک عالم کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ بیشتر اہل علم کا جو کسی امام کی جانب منسوب ہوتے ہیں یہی حال ہے۔ چنانچہ آپ ایک دوسری جگہ ائمہ اربعہ کی جانب منسوب لوگوں کی قسمیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک تو عوام ہیں۔ دوسرے وہ جو رتبۂ اجتہاد کو پہونچے ہوئے ہیں، (ان کے مقلد ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ) ایک مجتہد دوسرے مجتہد کا مقلد نہیں ہوسکتا۔ ائمہ کرام کی جانب ان لوگوں کی نسبت ان کے طریقۂ اجتہاد اور طرز استدلال میں موافقت کی وجہ سے ہے"۔ (۲)

یعنی محض طریقۂ اجتہاد اور طرز استدلال میں موافقت کی وجہ سے امام کی جانب منسوب کردیئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم بیشتر اہل علم کو دیکھتے ہیں کہ کسی ایک امام کی جانب منسوب ہونے کے باوجود بہتیرے مسائل میں مذہب کے برخلاف کسی دوسرے

---

(۱) الانصاف (ص ۷٦ تحقیق ابوغدہ)

(۲) عقد الجید (ص ۸۱ تحقیق محمد علی الحلبی، دارالفتح، شارقہ)

قول کو اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں محسوس کرتے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ طحاوی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

" أو كل ما قاله أبو حنيفة أقول به ، وهل يقلد الا عصبى أو غبى " فطارت هذه الكلمة بمصر حتى صارت مثلا . (۱)

یعنی "کیا میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے تمام اقوال کا پابند ہوں، تقلید جامد تو صرف متعصب اور کند ذہن شخص ہی کرتا ہے"۔ آپ کی اس بات کو مصر میں اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ ایک ضرب المثل بن گئی۔

کبھی کسی امام کی کثرت موافقت کی وجہ سے بھی اس کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے جیسے امام نسائی و امام بیہقی رحمہما اللہ کو امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ (۲)

اور ایسا بھی ہوا ہے کہ بہت سے ایسے علماء جن کو بعد کے لوگ مقلد سمجھتے ہیں، وہ خود تقلید کے منکر تھے، چنانچہ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی فرماتے ہیں:

" وقد نقل عن أبى بكر القفال و أبى على والقاضى حسين من الشافعية أنهم قالوا : لسنا مقلدين للشافعى بل وافق رأينا رأيه ، وهو الظاهر من حال الامام أبى جعفر الطحاوى فى أخذه بمذهب أبى حنيفة ". (۳)

"ابوبکر قفال، ابوعلی اور قاضی حسین سے جو کہ شافعیہ میں گنے جاتے ہیں منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم شافعی کے مقلد نہیں ہیں بلکہ ہماری رائے ان کی رائے کے موافق پڑ گئی۔ امام ابوحنیفہ کے مسلک کو اختیار کرنے میں امام ابوجعفر طحاوی کی ظاہری حالت سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔"

---

(۱) لسان المیزان (۱/۲۸۰) نیز ملاحظہ ہو: الایقاف علی سبب الاختلاف لمحمد حیاۃ السندی (ص ۴۳ ت مشعل بن بانی) لسان اور ایقاف کی عبارت میں تھوڑا سا فرق ہے۔

(۲) حجۃ اللہ البالغۃ (۱/۱۵۳)

(۳) مولانا محمد شاہجہاں پوری نے "النافع الکبیر" کے حوالے سے نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو: الارشاد الی سبیل الرشاد (ص ۱۲۹)

اس کے علاوہ اور بھی متعدد اسباب بیان کیے جاتے ہیں جن کی وجہ سے ائمہ سلف اور علماء امت ائمہ اربعہ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں (۱) ۔

یہ بھی ایک غیر منطقی بات ہے کہ ائمہ اربعہ کے بعد پیدا ہونے والے تمام علماء کرام کو ''مقلد'' قرار دیدیا جائے جبکہ تقلید بلا دلیل کسی دوسرے کی بات مان لینے کو کہتے ہیں، اور مقلدین کا شمار متفقہ طور پر اہل علم میں نہیں ہوتا۔ یہ ان اہل علم کے ساتھ حد درجہ کی بے ادبی اور گستاخی ہے کہ محض انتساب کی وجہ سے انہیں ائمہ اربعہ کا مقلد سمجھ لیا جائے۔

حافظ مغرب علامہ ابن عبدالبر اور حافظ ابن القیم مالکیؒ اور حنبلی نسبت رکھتے ہوئے اول الذکر نے اپنی کتاب '' جامع بیان العلم وفضلہ '' میں اور مؤخر الذکر نے اپنی کتاب ''اعلام الموقعین '' میں تقلید کی مذمت اور اس کے ابطال میں کتاب وسنت اور اقوال ائمہ سلف سے اتنے سارے نصوص جمع کردیئے ہیں کہ ان پر شاید ہی کوئی اضافہ کرسکے۔ اگر کوئی آج کے زمانے میں تقلید کے خلاف انہی تمام باتوں ہی کو جمع کردے تو اس کے خلاف ؛ یوان تقلید میں بھونچال آجائے گا۔ اور اس کے خلاف نہ جانے کتنے فتاوی صادر کردیئے جائیں گے۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے تقلید کے بطلان اور اس کے فساد پر تمام لوگوں کا اتفاق نقل کیا ہے۔ (۲) اب اگر مالکی یا حنبلی نسبت سے مراد امام مالک یا امام أحمد بن حنبل رحمہما اللہ کی تقلید جامد ہوتی تو کیونکر انکے یہاں یہ تناقض دیکھنے کو ملتا؟ اس صورت میں دو ہی باتیں ہوسکتی ہیں:

۱- یا تو یہ لوگ اپنی نسبت میں غلط ہوں، ۲ یا پھر تقلید کی مذمت اور اس کے ابطال میں نقل کردہ تمام نصوص غلط ہوں۔ اور یہ دونوں باتیں حد درجہ غلط ہیں۔ اس لئے ائمہ کرام کی جانب انتساب کا معنی ومفہوم وہی ہے جو اہل علم سے نقل کیا گیا۔ یعنی کتاب

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الارشاد الی سبیل الرشاد (ص ۱۲۹ و مابعدھا) نیز ''بعض ائمہ کی طرف مسلکی انتساب کی حقیقت'' از قلم نورالاسلام سلفی مطبوع در محدث بنارس مجریہ اپریل ۹۹ء (ص ۴۱ - ۴۴)

(۲) جامع بیان العلم وفضلہ (۲/۱۱۹) ۔ متعلقہ عبارت یوں وارد ہوئی ہے: ''ولا خلاف بین ائمة الأمصار فی

وسنت سے مسائل کے استخراج واستنباط، ان سے استدلال اور اجتہاد میں امام کے اصول وضوابط اور طریقۂ کار کو اختیار کرنا، نہ کہ ان کے جملہ اقوال وآراء کی اندھی تقلید کرنا۔ کیونکہ یہ مقام ومرتبہ صرف اور صرف نبی رحمت اور رسول امت حضرت محمد ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ کے ہر قول وفعل کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔

کیا اہلحدیث اور غیر مقلد دونوں ایک ہیں؟

''اہل حدیث'' اور ''غیر مقلد'' دو الگ متضاد معنی ومفہوم کی مستقل بالذات اصطلاحیں ہیں۔ چنانچہ لفظ اہل حدیث ائمہ سلف کی اختیار کردہ قدیم اصطلاح ہے جو نہایت پاکیزہ اور معنی خیز اہمیت کی حامل ہے۔ اس سے مراد وہ جماعت ہے جو کتاب وسنت کی اتباع کو دنیوی واخروی نجات کا سبب اور ذریعہ تصور کرتی ہے، اور اس کی عملی تنفیذ کو اپنی زندگی کا اولین فریضہ گردانتی ہے۔ جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ سمیت تمام ائمہ سلف کو کسی ایک شخصیت میں اپنے آپ کو محصور کیے بغیر اپنا دینی پیشوا اور مقتدا سمجھتی ہے جو ہر طرح کی عزت وتوقیر اور ادب واحترام کے مستحق ہیں اور جن کی تعبیرات وتشریحات کتاب وسنت کو سمجھنے کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسی حقیقت کی ترجمانی کے لئے جماعت کے مابین اس مقولہ کو بار بار دہرایا جاتا ہے، "فهمنا مقيد بفهم السلف" یعنی کتاب وسنت کے تعلق سے ہمارا فہم سلف کے فہم سے مقید ومربوط ہے۔ کیونکہ مختلف اعتبارات کے پیش نظر سلف کو کتاب وسنت کا جو فہم حاصل تھا وہ بعد کے لوگوں کو حاصل ہونا مشکل ہے۔ اسی حقیقت کی عکاسی کے لئے اہلحدیثوں نے زمانہ قدیم سے اپنے لئے سلفی نسبت کو بھی اختیار واستعمال کیا ہے، اور عملی طور پر جماعت اہل حدیث نے زمانہ ماضی وزمانہ حاضر میں اصول وفروع کے اندر اسی نہج اور طریقہ کار کو مکمل طور پر اپنانے کی کوشش کی ہے جس پر ائمہ سلف گامزن تھے۔ بیرونی افکار ونظریات بالخصوص یونانی فلسفہ کی یلغار کی وجہ سے رواج پانے والی اعتقادی بدعات اور کلامی موشگافیوں سے،

-تقلید مروج سے انحراف کے باوجود- چنداں متأثر نہیں ہوئے۔ بلکہ یہ لوگ ان جدید اعتقادات اور نئی نئی ایجادی تعبیرات سے برسر پیکار رہے۔ باوجود یکہ علماء متکلمین کو اپنی ذہانت وفطانت پر بڑا فخر وناز تھا، اپنی تحقیقات کے سامنے کسی کو خاطر میں لانے والے نہیں تھے، لیکن ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے والے یہی لوگ تھے جنہوں نے عامۃ المسلمین کو تاویل سمیت ان کی مختلف دھاندلیوں سے بچاتے ہوئے کتاب وسنت کی حمایت کی۔ جب کہ تقلیدی مذاہب پر گامزن لوگوں میں ایسے حضرات کی کمی نہیں ہے جو فلسفہ اور علم الکلام کی خوش گپیوں سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ چنانچہ اعتقادی بدعات کے دور میں ایسے لوگ ملتے ہیں جو حنفی بھی ہیں معتزلی بھی۔ دیگر مذاہب کا حال بھی کچھ اسی طرح کا ہے۔

اس کے برخلاف ''غیر مقلد'' کی اصطلاح جس معنی ومفہوم میں مستعمل ہے اس کے اعتبار سے غیر مقلد اس شخص کو کہتے ہیں جو ذہنی آوارگی کا شکار ہو، ہر طرح کی قیود سے آزاد ہو کر محض ہوئی پرستی کی بنیاد پر کتاب وسنت کی تعبیر وتشریح کا عادی ہو، وہ اپنے آپ کو ائمہ سلف کی روش، انکے ارشادات اور ان کی تصریحات کا پابند نہ سمجھتا ہو۔

لیکن اہل حدیث خواہ جدید دور کے ہوں یا قدیم دور کے، کسی خاص فرد، امام یا مجتہد کی آراء کی جامد اور کلی پابندی نہ کرتے ہوئے ائمہ سلف کی عام روش اور تصریحات وتشریحات کے اصول وفروع دونوں میں اپنے آپ کو وجوبی طور پر پابند تصور کرتے ہیں۔ اس حقیقت سے ناآشنائی کی بناء پر بعض اہل حدیث حضرات لفظ غیر مقلد کو گوارا کر لیتے ہیں جس کی بناء پر مولوی محمد ابو بکر غازی پوری جیسے لوگوں کو یہ کہنے کا موقعہ مل جاتا ہے کہ یہ لوگ اپنے لئے غیر مقلد کا لفظ بھی اختیار واستعمال کرتے ہیں بلکہ اس پر فخر بھی کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ لفظ اہلحدیثوں کا اپنا اختیار کردہ نہیں بلکہ مخالفین کا دیا ہوا لقب ہے، جس کے معنی ہیں ذہنی آوارگی کا شکار۔ جب کہ اہلحدیث کتاب وسنت کی تعبیر وتشریح میں ائمہ سلف کے پابند ہوتے ہیں۔ ان کے یہاں اصول وفروع میں کوئی مسئلہ ایسا نہیں پایا جاتا جو منہج سلف یا

طریقہ سلف سے ہٹا ہوا ہو۔ ہاں بعض اہل علم کے یہاں بعض شذوذ پائے جاتے ہیں، لیکن بعض شذوذ کی وجہ سے انہیں ذہنی آوارگی سے متصف کر دیا جائے تو یہ سراسر زیادتی ہے۔ کیونکہ ہر دور، ہر زمانے اور ہر جگہ ایسے اہل علم موجود رہے ہیں جن کے یہاں بعض مسائل میں شذوذ پایا جاتا ہے۔

اہلحدیثیت کو غیر مقلدیت سے تعبیر کرتے ہوئے اسے ہر فتنہ کی اصل اور بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔ جو سراسر بہتان ہے۔ اس سلسلے میں نیچریت جس کے بانی مبانی سر سید احمد خاں ہیں، قادیانیت جس کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی ہیں، چکڑالویت (یعنی انکار حدیث) جس کے بانی عبداللہ چکڑالوی ہیں جیسے فتنوں کو اہلحدیثیت سے جوڑنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور ان سرغنہ لوگوں کو اہلحدیث ثابت کیا جاتا ہے۔ ہم اگر ان کی اہلحدیثیت کو بالفرض تسلیم بھی کر لیں تو کیا کسی کو یہ حق پہونچتا ہے کہ قطعیت کے ساتھ ان پر یہ حکم عاید کر دے کہ اپنی اہلحدیثیت کی وجہ سے ہی وہ گمراہ ہوئے ہیں؟۔ جب کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"إن العبد ليعمل عمل أهل النار وإنه من أهل الجنة ، ويعمل عمل أهل الجنة وإنه من أهل النار ، وإنما الأعمال بالخواتيم ".(۱)

"یعنی بندہ (بظاہر) اہل جہنم کا عمل کرتا ہے حالانکہ (حقیقت میں) وہ جنتی ہوتا ہے، اور (اسی طرح) جنتیوں کا عمل کرتا ہے اور (حقیقت میں) وہ جہنمی ہوتا ہے، کیونکہ اعمال کا اعتبار خاتمہ پر ہوتا ہے"۔

اگر اہلحدیثیت اختیار کرنے کے بعد کوئی شخص گمراہی کی راہ اپناتا ہے تو حقیقت امر میں گمراہی اس کا مقدر تھی۔ اس لئے گمراہی کی راہ اس نے اختیار کی، نہ کہ اہلحدیثیت اختیار کرنا یا مروجہ تقلید سے انحراف اس کی گمراہی کا سبب ہے۔ اور اس منطق سے کہ چونکہ گمراہی سے پہلے اہلحدیث تھا اس لئے اس کی اہلحدیثیت ہی اس کی گمراہی کا اصل سبب ہے، لہذا

(۱) صحیح البخاری - کتاب القدر - باب العمل بالخواتیم (۱۱/۴۹۹، حدیث نمبر ۶۶۰۷ مع الفتح، دار الافتاء) وصحیح مسلم - کتاب الایمان - (۱/۱۰۶ حدیث نمبر ۱۷۹ فواد عبد الباقی)

یہ کہنا بھی بجا ہوگا کہ گمراہی سے پہلے وہ اسلام کا بھی دعویدار تھا لہذا اس کی گمراہی کا اصل سبب (نعوذ باللہ) اس کا مسلمان ہونا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ فتنوں کے سرغنہ اہلحدیث نہیں بلکہ حنفی تھے۔ سرسید اُحمد خاں باوجودیکہ رفع الیدین آمین بالجہر کا التزام کرتے تھے لیکن وہ ایک آزاد خیال آدمی تھے۔ اور اہلحدیثیت صرف رفع الیدین اور آمین بالجہر میں محصور نہیں ہے۔ غالباً وہ خود اس لقب کو پسند بھی نہیں کرتے تھے۔ دیگر حضرات کے متعلق صراحت ملتی ہے کہ وہ حنفی ہی تھے۔(۱) صرف اہلحدیثیت کو بدنام کرنے کے لئے اس قماش کے لوگوں کو زبردستی اہلحدیث ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ جب کہ امر واقع یہ ہے کہ ان تمام فتنوں کی بیخ کنی میں علماء اہل حدیث ہی تقریر و تحریر کے ذریعہ پیش پیش رہے۔ جس طرح سابق میں تمام فتنوں کے مقابلے میں اصحاب حدیث سینہ سپر رہے بالکل اسی طرح عصر حاضر کے تمام فتنوں کی سرکوبی میں علماء اہل حدیث نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔(۲)

جو چیز قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ مذکورہ فتنوں کے قائدین و زعماء اگر اہلحدیث تھے تو اہلحدیثیت پر برقرار رہتے ہوئے انہوں نے ان فتنوں کو نہیں جنم دیا، بلکہ اہلحدیثیت سے

---

(۱) مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں مرزا بشیر لکھتا ہے: اصولاً آپ (مرزا غلام احمد) ہمیشہ اپنے آپ کو حنفی کہتے تھے اور اپنے لئے کسی زمانے میں بھی اہلحدیث کا لفظ پسند نہیں فرمایا (سیرت المہدی (۴۹/۲) اور خود اس نے اپنی ڈائری کلام مرزا (ص ۴۷) میں لکھا ہے: "ہمارے یہاں جو آتا ہے پہلے اسے حنفیت کا رنگ چڑھانا پڑتا ہے ....." علاوہ ازیں جگہ جگہ اس نے اہلحدیثوں کے خلاف زبان طعن دراز کی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: علماء دیوبند کا ماضی تاریخ کے آئینہ میں، مولفہ حکیم محمود (ص ۳۸ و مابعد) ط: انصار السنۃ میرٹھ۔ عبداللہ چکڑالوی کے بارے میں مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ پہلے وہ رسمی حنفی تھے، پھر ترک تقلید کے ساتھ حدیث کی طرف جھکے، لیکن انہیں جلد ہی معلوم ہوگیا کہ ان کا مزاج حدیث پر مطمئن نہیں ہوگا۔ تحریک آزادی فکر (ص ۱۷۷)

(۲) سرسید احمد خان کے ہفوات اور اسلام کے بارے میں ان کے افکار و خیالات پر اشاعۃ السنۃ، ضیاء السنۃ اور اخبار اہلحدیث میں مسلسل تنقید کی جاتی رہی ہے۔ نواب صاحب نے بھی ان کی کجرویوں کو اپنی متعدد تالیفات (مثلاً حدیث الغاشیۃ، حجج الکرامۃ) میں واضح کیا ہے۔ قادیانیوں اور منکرین حدیث کے خلاف علماء اہل حدیث کے جہود کی تفصیل کے لئے مولانا محمد مستقیم سلفی کی کتاب "جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات" (متعلقہ ابواب) اور دوسری کتاب "گمراہ اور منحرف فرقوں کی تردید میں جماعت اہلحدیث کی خدمات" کا مطالعہ کیا جائے۔

بے زار ہونے کے بعد انہوں نے فتنوں کی راہ اپنائی۔ لیکن آپ کے یہاں حال یہ ہے کہ مختلف فتنوں میں ملوث ہونے کے بعد بھی حنفیت کے اعلی مقام پر فائز رہے۔ خواہ دور قدیم کے فتنے ہوں یا دور جدید کے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی جن کا حاشیہ فقہ کی موجودہ بیشتر کتابوں پر پایا جاتا ہے، اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں:

"وبالجملة فالحنفية لها فروع باعتبار اختلاف العقيدة فمنهم الشيعة ، ومنهم المعتزلة ومنهم المرجئة ۔ (۱)

یعنی "مذہب حنفی کے ان فقہاء کے اعتقاد میں بھی اختلاف ہے، ان میں بعض تو شیعہ رافضی ہیں، بعض ان میں معتزلہ بھی ہیں اور بعض مرجئہ بھی ہیں"۔

چنانچہ غسان بن اُبان کوفی مرجئہ اور فرقہ غسانیہ کے پیشوا اور امام ہیں، امام محمد بن حسن الشیبانی کے شاگرد ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کی نبوت کے منکر ہیں۔ ایمان کے مسائلے میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہم نوا ہیں۔ (۲)

فرقہ مریسیہ کے امام بشر بن غیاث مریسی کے متعلق علامہ مقریزی لکھتے ہیں:

"كان عراقي المذهب في الفقه تلميذا للقاضي أبي يوسف يعقوب الحضرمي "۔

یعنی "فقہ میں عراقی مذہب کے حامل تھے، قاضی ابو یوسف کے شاگرد تھے"۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے اس کا مناظرہ ہوا، امام شافعی نے اس کے خیالات کا مذاق اڑاتے ہوئے اس سے کہا:

"نصفك كافر لقولك بخلق القرآن ونفي الصفات ، ونصفك مؤمن لقولك بالقضاء والقدر وخلق اكتساب افعال العباد "۔ (۳)

یعنی: تم آدھے کافر ہو کہ تم قرآن کو مخلوق سمجھتے ہو، اور صفات باری کی نفی کرتے ہو

(۱) الرفع والتكميل (۲۷، ۲۸ مطبع انوار محمدی)

(۲) الخطط للمقريزي (۲/۳۵۰) دار صادر، نیز ملاحظہ ہو: الفوائد البہیہ (ص ۲۵)

(۳) الخطط للمقريزي (۲/۳۵۰ دار صادر بیروت)

اور آدھے مؤمن ہو کیونکہ تم قضاء وقدر کو مانتے ہو اور انسانی اعمال کا خالق اللہ کو سمجھتے ہو"۔

یوں تو بیشتر احناف جس قرآن کی ہم تلاوت کرتے ہیں اس کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، کیونکہ وہ یا تو ماتریدی ہیں یا اشعری، اور یہ دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ایک بڑے اشعری عالم عبدالرحمٰن الأیجی رقم طراز ہیں:

" اعلم أن ما يقوله المعتزلة وهو خلق الأصوات والحروف وكونها حادثة قائمة فنحن نقول به ، ولا نزاع بيننا وبينهم في ذلك ، وما نقوله من كلام النفس ينكرون ثبوته "۔ (۱)

"واضح ہو کہ (قرآن کریم کے) حروف واصوات کے مخلوق ہونے اور ان کے حادث ہونے کا جو عقیدہ معتزلہ رکھتے ہیں ہم بھی وہی عقیدہ رکھتے ہیں، اس معاملے میں ان کے اور ہمارے درمیان کوئی نزاع نہیں ہے۔البتہ ہم جو کلام نفسی کا عقیدہ رکھتے ہیں اس کے وہ منکر ہیں"

فتنۂ اعتزال تاریخ اسلام کا ایک نہایت بھیانک اور بدترین فتنہ تھا۔صدیاں بیت گئیں لیکن امت آج بھی اس فتنہ کا کرب محسوس کر رہی ہے۔کتنی آسانی کے ساتھ آج اس فتنہ کی موافقت اور ہم نوائی کی جا رہی ہے۔گویا بلا وجہ امام اہل السنۃ احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ان کے دیگر چند ساتھیوں نے حکومت وقت سے دشمنی مول لے کر فتنۂ خلق قرآن کے خلاف آواز اٹھائی، اور اس سنگلاخ راہ میں بعض خلفاء بنو عباسیہ کے کوڑے سہے، قید و بند کی صعوبت برداشت کی۔ذلت و رسوائی کا سامنا کیا۔حالانکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی صلابت وقوت نے بفضلہٖ تعالیٰ امت کو دو اہم بھیانک ومہیب نتائج والے فتنوں سے بچا لیا۔اگر انہوں نے اتنا سخت موقف نہ اپنایا ہوتا تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کے عواقب کتنے ہولناک اور بھیانک ہوتے۔

مسلک اعتزال کے ایک زبردست حامی ومؤید علامہ محمود بن عمر أبو القاسم زمخشری

(۵۳۸ھ) ہیں۔ جن کے بارے میں مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

"كان من أكابر الحنفية حنفي المذهب معتزلي المعتقد ...." (۱)
یعنی علامہ زمخشری کا اکابرین احناف میں شمار ہوتا تھا۔ مسلکاً حنفی اور عقیدۃً معتزلی تھے"۔

یہ چند مثالیں اس بات کو واضح کرنے کے لئے ان شاء اللہ کافی ہوں گی کہ الحدیثیت کو غیر مقلدیت کا نام دے کر اسے ہر فتنہ کی جڑ قرار دینا کذب محض ہے۔ الحدیث اپنی الحدیثیت پر باقی رہتے ہوئے کسی فتنہ سے متاثر نہیں ہوسکتا۔ البتہ احناف ودیگر مقلدین مذاہب کے یہاں قدیم وجدید میں ایسے لوگوں کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جنہوں نے حنفیت ودیگر مذاہب پر برقرار رہتے ہوئے متعدد فتنوں کا نہ صرف اثر قبول کیا ہے بلکہ ان فتنوں کو ہوا دینے میں قائدانہ رول ادا کیا ہے اور ایسے لوگوں کی تعداد علماء اصول فقہ میں بکثرت موجود ہے۔

اس جماعت نے جس کو اپنی پارسائی کا بڑا غرہ ہے بیشتر امور میں اپنی پردہ داری کے لئے جماعت الحدیث کو غلط الزام دینا اور اسے مطعون کرنا اپنا شیوہ اور شعار بنالیا ہے۔ جس طرح زمانہ قدیم میں تقلیدی مذاہب کے ماننے والے وقت کے فتنوں اور اعتقادی بدعتوں سے محفوظ ومامون نہیں رہ سکے بلکہ بعض فتنوں میں انہوں نے قائدانہ رول ادا کیا ہے اسی طرح عصر جدید کے متعدد فتنوں کے بانی مبانی احناف مقلدین ہی رہے ہیں۔ یا کم از کم الحدیث بےزار ضرور تھے۔ چنانچہ جماعت اسلامی جس کو فتنۂ مودودیت کے نام سے یہ لوگ جانتے ہیں (۲) اس کے مؤسس اور بانی مولانا مودودی (رحمہ اللہ) الحدیث نہیں تھے۔ (۳) اور آج بھی اس جماعت سے وابستہ بیشتر افراد حنفی المسلک

---

(۱) الفوائد البهية في تراجم الحنفية (ص ۸۷ مطبع مصطفائی) نیز ملاحظہ: الجوهر المضيئة في طبقات الحنفية (۲/۱۶۰-۱۶۱) ط: دائرة المعارف النظامية، حیدرآباد)

(۲) یہی وجہ ہے کہ تردید میں "رد فتنۂ مودودیت" کے نام سے مستقل کتاب تصنیف کی گئی ہے۔

(۳) تقلید وعدم تقلید سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: "میں نہ مسلک الحدیث کو اس کی تمام تفصیلات =

ہیں۔ اور برصغیر بلکہ عالم اسلام کے تمام قبوری فرقے کسی نہ کسی تقلیدی مذہب سے ہی منسلک ہیں (۱) فکر فراہی کے بانی مولانا حمید الدین فراہی (رحمہ اللہ) بھی اہلحدیث نہیں تھے، حد رجم کے انکار کا فتنہ برپا کرنے والے بھی حنفی المسلک ہی ہیں، اور آج کل کچھ زیادہ ہی اپنی سرگرمیوں کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

لہذا یہ دعوی کہ اہلحدیثیت یا ترک تقلید تمام فتنوں کی جڑ اور بنیاد ہے سراسر باطل اور بہتان محض ہے۔ آپ کا یہ دعوی اس وقت صحیح ہوتا جب امت کو تقلید کی جکڑ بندیوں میں کس کر ہر طرح کے فکری و عملی انحراف اور کجروی و گمراہی سے مقلدین کو بچا لیتے اور انہیں عقیدہ و عمل میں ایک پلیٹ فارم پر جمع رکھتے۔ چنانچہ آپ کا یہ دعوی کہ ''امت کو انتشار وافتراق سے بچانے اور اس کے شیرازہ کو جمع رکھنے کے لئے ائمہ اربعہ کی تقلید واجب وضروری ہے'' ایک دھوکہ محض ہے۔ کیونکہ آپ نے کسی بھی میدان میں نہ تو عمل میں اور نہ عقیدہ میں اور نہ دیگر کسی میدان میں اپنی تقلیدی برادری کو اختلاف وتفرقہ بازی سے محفوظ رکھنے میں کسی طرح کی کوئی کامیابی حاصل کی ہے اور نہ کر سکیں گے۔ کیونکہ تقلید کی بنیاد ہی اختلاف وافتراق پر ہے۔ چار مختلف ائمہ کرام کی تقلید کو ضروری قرار دیکر امت کو چار فرقوں میں پہلے سے ہی تقسیم کر رکھا ہے۔ اس کے بعد اتحاد کا دعوی کر رہے ہیں۔ اگر بات بنائے بغیر حقیقت پسندی اور واقعیت پسندی سے کام لیا جائے تو اہلحدیثیت نہیں بلکہ تقلید ہی تمام فتنوں کی جڑ ہے۔ چنانچہ شرک وبدعات میں مبتلا وہی لوگ ہیں جو تقلید جامد کی جکڑ بندیوں کے شکار ہیں۔ بلکہ واضح طور پر احناف میں بقول علامہ لکھنوی شیعہ بھی پائے

= کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت ہی کا پابند ہوں۔ رسائل ومسائل (ص ۱۸۵) غالباً آپ نے کتاب وسنت میں مسالہ کا حل نہ ملنے پر حنفی مذہب اختیار کرنے کا اعتراف کیا ہے۔

(۱) احمد رضا خاں سمیت بریلوی وکچھوچھوی مکتب فکر کے تمام قائدین علماء حنفی مقلد ہیں جنہوں نے افراد امت کو علانیہ طور پر مظاہر شرک وبدعت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ غالباً آپ کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ شرک وبدعت سے بڑھ کر اور کونسا فتنہ ہوسکتا ہے۔ شاید تقلیدی برادری میں مشارکت کی وجہ سے ان کی جانب اتنی نظر کرم نہیں کی جاتی جتنی اہلحدیثوں کی جانب کی جاتی ہے۔ گویا تقلید ایسا کار ثواب ہے جس کے ہوتے ہوئے بڑے سے بڑا گناہ بھی معاف ہے یا اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

جاتے ہیں، معتزلہ بھی پائے جاتے ہیں اور مرجئہ بھی۔

اس کے برخلاف جماعت اہلحدیث نے بڑی حد تک عقیدۂ وعمل کے میدان میں مسلمانوں کو جمع کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اگر کوئی دعوت مسلمانوں کو فکری انتشار اور ذہنی کجروی سے بچا سکتی ہے تو یہی سلفی دعوت ہے، جو امت کو کتاب وسنت سمیت ائمہ سلف سے مربوط کرتی ہے۔ اور اگر کوئی اس دعوت سے وابستگی کے بعد کسی فکری انحراف یا عملی کجروی کا شکار ہوتا ہے تو اس میں اہلحدیثیت یا دعوت عمل بالکتاب والسنہ کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ یہ اس کی اپنی عقل کا فساد اور تلون مزاجی ہے جو اس کے انحراف کا سبب بنی ہے۔

اہلحدیثوں کے تعلق سے عوام کو مغالطہ کے ذریعہ یہ باور کرانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ آج کے اہلحدیثوں اور سابقہ ادوار کے اہلحدیثوں میں کافی فرق پایا جاتا ہے۔ عصر حاضر کے اہل حدیثوں کو طرح طرح کے الزامات سے مطعون کر کے انہیں آزاد خیال ثابت کیا جارہا ہے، جو قرآن وحدیث کا من مانا معنی نکالتے ہیں۔ آیات قرآنیہ کے معنی میں تحریف اور احادیث رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھلواڑ کرنا ان کا شیوہ ہے۔(۱)

اور پہلے اہلحدیث ان حضرات کو کہا جاتا تھا جو درس حدیث، روایت حدیث، حفظ حدیث، تعلیم حدیث، تدبر حدیث یا کسی بھی انداز سے خدمت حدیث کا مشغلہ رکھتے تھے۔ عقائد صحیحہ کے علم بردار اور اہل سنت والجماعت میں داخل تھے ..... (۲)'' بظاہر یہ بہت ہی خوشنما کلام معلوم ہوتا ہے لیکن اس خوشنما کلام کے ذریعہ اصحاب حدیث اور محدثین کی تعظیم وتوقیر نہیں کی جارہی ہے، بلکہ اس کے ذریعہ اس جماعت قدسیہ کو فقہ کی معرفت سے عاری قرار دیا جارہا ہے، جیسا کہ آگے چل کر غیر واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے:

''اس صراحت سے معلوم ہوا کہ درس حدیث، کتابت حدیث، دفاع حدیث کا

---

(۱) مقدمہ راحۃ القلب والعینین مولفہ احمد اللہ قاسمی (ص ٦)

(۲) محاضرہ علمیہ بر موضوع رد غیر مقلدیت مولفہ محمد راشد اعظمی (۱/ ۱۸)

مشغلہ رکھنے والے حضرات اہل حدیث ہیں۔"(۱)

یہ بالکل صحیح ہے کہ آج کے اہل حدیث اور پہلے کے اہل حدیث میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے، یہ صرف اہلحدیثوں کا مسائلہ نہیں ہے، آپ کا بھی یہی مسائلہ ہے۔ آج کے احناف مقلدین اور پہلے کے احناف میں بھی زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ایک علامہ طحاوی بھی حنفی عالم ہیں جن کے متعلق نقل کیا گیا کہ:

" أوكل ما قاله أبو حنيفة أقول به ، وهل يقلد إلا عصبى أو غبى "۔

"کیا میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تمام اقوال کا پابند ہوں، تقلید جامد تو صرف متعصب یا بلید الفہم شخص ہی کرتا ہے"

ایک علامہ کرخی بھی حنفی عالم ہیں جنہوں نے یہ چرخی چلائی:

"ہر وہ آیت جو ہمارے اصحاب کے قول کے خلاف ہو اسے نسخ یا ترجیح (کذا) پر محمول کیا جائیگا ، اور بہتر یہ ہے کہ اسے تاویل پر محمول کیا جائے تاکہ توافق ظاہر ہو جائے"۔(۲)

" إن كل خبر يجئ بخلاف قول أصحابنا فإنه يحمل على النسخ أو على أنه معارض بمثله "۔ (۳)

"ہر وہ حدیث جو ہمارے اصحاب اصول کے قول کے خلاف ہو اسے نسخ پر محمول کیا جائے گا، یا یہ سمجھا جائے گا کہ وہ معارض ہے اپنے ہم پلہ حدیث کے"(۴)

اس قسم کی چرخی اگر تمام مذاہب کے لوگ چلادیں تو کتاب وسنت کے تمام دلائل نہ

---

(۱) محاضرہ علمیہ برموضوع ردغیر مقلدیت (۲۰/۱)

(۲) اصول الکرخی مع اصول البز دوی (ص ۳۷۳ سطر ۳، ۴، ط: قدیمی کتب خانہ کراچی) منقول از اصلی اہل سنت (ص ۱۲۰)

(۳) اصول الکرخی (اردو) (ص ۲۴ نمبر ۳۸، ط: تحقیقات اسلامی، اسلام آباد) منقول از اصلی اہل سنت (ص ۱۲۰)

(۴) اصول الکرخی مع اصول البز دوی (ص ۳۷۳ س ۱۵، ۱۶)، اصول الکرخی (اردو) ص ۲۵ نمبر ۲۹ - منقول از اصلی اہل سنت (ص ۱۲۱)

صرف دھرے کے دھرے رہ جائیں گے بلکہ چرمرا کر رہ جائیں گے۔

بعد کے اہلحدیثوں نے اپنے لئے لفظ ''اہلحدیث'' کے انتخاب واختیار کے وقت پہلے کے اہلحدیثوں سے ہم سری، برابری اور منازعت کا خواب نہیں دیکھا تھا۔ بلکہ اس سے ان کا مقصد اصول وفروع میں مذہب اہل حدیث اور منہج محدثین کا اتباع اور التزام تھا۔ اور یہ واضح ہونا چاہئے کہ اصحاب حدیث اور اہل حدیث سے صرف روایت حدیث، نقل حدیث اور علم حدیث سے شغف رکھنے والی جماعت قدسیہ ہی نہیں مراد ہوتی ہے، بلکہ اس لفظ کو ''اہل السنہ والجماعۃ'' کے ہم معنی بھی استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اس لفظ کی تشریح وتوضیح کے وقت بیان کیا جا چکا ہے۔ اور بظاہر لگتا ہے کہ یہ لوگ محدثین کی جماعت کا بڑا ہی ادب واحترام کرتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ محدثین کے علم کو روایت حدیث اور نقل حدیث تک محدود مانتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ''اہلحدیث کوئی مکتب فکر نہیں ہے، بلکہ حفاظ حدیث اور اس فن کے ماہرین کو اہلحدیث کا نام دیا گیا ہے''۔

اس مزعومہ کو ''ایک بہت بڑا مغالطہ اور اہلحدیث'' کے عنوان کے تحت مولانا محمد اسماعیل سلفی (رحمہ اللہ) نے ذکر کیا ہے، اور اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ وہ جماعت ہے جو اپنے افکار میں ان شخصی پابندیوں سے آزاد ہے وہ مجتہد ہوں یا نہ ہوں لیکن وہ شخصی اجتہادات کے پابند نہیں، بلکہ ان بزرگوں کے لئے مواد اور دلائل فراہم فرماتے ہیں، خود بھی پیش آمدہ مسائل پر کتاب اللہ اور سنت اور ائمہ سلف کے ارشادات کی روشنی میں غور فرماتے ہیں، ائمہ اربعہ کے اجتہادات سے موافقت ہو یا مخالفت، اس کے لئے وہ چنداں فکر مند نہیں ہوتے'' (۱)

اسی طرح اصحاب حدیث کو تفقہ سے عاری قرار دیتے ہوئے کہا جاتا ہے:

''اہل حدیث کی مثال عطار کی ہے، اور فقہاء کی مثال طبیب کی''۔

علامہ سلفی لکھتے ہیں:

---

(۱) تحریک آزادی فکر (ص ۱۲۵ الدار العلمیۃ دہلی)

''اس کا اثر ذہن پر یہ ہوتا تھا کہ شاید یہ دو گروہ ہیں، فقہاء عطاری نہیں کرتے، اور اہل حدیث، حدیث کے طبیب نہیں ہوتے، لیکن جب علوم حدیث اور دفاتر سنت دیکھنے کا موقعہ ملا تو معلوم ہوا کہ یہ دو فرقے نہیں بلکہ عملی زندگی میں طبعی رجحانات کے مطابق ایک خاص طریق ہے، جسے پسند کر لیا گیا ہے۔ نہ اس کا مطلب ہے کہ محدثین فقہ نہیں جانتے، نہ یہ درست ہے کہ فقہاء حدیث نہیں جانتے، قدرت نے سب کو استعداد عطا فرمائی ہے، جس کام کے لئے کسی نے اس استعداد کو استعمال کیا وہ چیز اسے عطا کر دی گئی'' (۱)

یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن خلدون نے تاریخ فقہ اور اس کے تدیجی ارتقاء پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''فقہاء دو الگ مکتب فکر میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک اہل الرأی والقیاس کے نام سے معروف ہوا جس کا مرکز عراق تھا۔ دوسرا اہل الحدیث کے نام سے مشہور ہوا جس کا مرکز حجاز تھا''۔

پھر ہر ایک مکتب فکر کی خصوصیات و امتیازات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ (۲)

---

(۱) تحریک آزادیٔ فکر (ص ۱۳۷-۱۳۸)

(۲) مقدمہ ابن خلدون (ص ۴۴٦)

(۵)

مذہبیت اور لا مذہبیت: ایک جائزہ

سابقہ سطور میں ایوان تقلید کی جانب سے عطا کردہ بعض اسماء والقاب پر روشنی ڈالی گئی، اور سلفیت واہلحدیثیت پر عاید کئے گئے بعض اتہامات کا تفصیلی جائزہ بھی لیا گیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مقلدین کے دیئے ہوئے ایک نئے نام ''لا مذہبیت'' کا بھی تفصیلی جائزہ لے کر واضح کر دیا جائے کہ حقیقت میں کون اس لقب کا زیادہ مستحق ہے؟

جس طرح کچھ عرصہ تک ائمہ اربعہ رحمہم اللہ میں سے کسی ایک کی تقلید کے وجوب سے انکار کو ''غیر مقلدیت'' کا نام دیا جاتا رہا ہے، اسی طرح کچھ عرصہ سے "کل جدید لذیذ" کے تحت اس نئے نام ''لا مذہبیت'' کو ایجاد کر کے برصغیر کی جماعت اہل حدیث پر اسے چسپاں کیا جا رہا ہے، اور اس جدید کی لذت سے کام ودہن کو سکون بہم پہونچانے کا بندوبست کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ یہ لفظ بھی اپنی تہوں میں کوئی اچھا اور پسندیدہ مفہوم نہیں رکھتا ہے۔ اس لئے کہ اس لفظ کا اردو میں مختصر ترجمہ ''بد دینی'' سے کیا جا سکتا ہے۔ مناسب ہوگا کہ حقائق کی روشنی میں تجزیہ کر کے دیکھ لیا جائے کہ درحقیقت کون بد مذہب، بد دین یا لا مذہبی ہے؟ آیا وہ لوگ جو کتاب وسنت اور ائمہ امت کی ہدایت ورہنمائی کے مطابق ائمہ اربعہ یا دیگر ائمہ کرام رحمہم اللہ میں سے مخصوص طور پر کسی ایک کی تقلید کو اپنے اوپر واجب وضروری نہ سمجھتے ہوئے ہر ایک کو اپنا پیشوا اور مقتدیٰ تسلیم کرتے ہیں اور لائق اتباع گردانتے ہیں، یا وہ لوگ جو ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کو اسلام کا ایک ایسا رکن تصور کرتے ہیں جس کے بغیر دعوئ اسلام درست ہی نہیں ہوسکتا۔ اس سلسلے میں اصحاب تقلید کے متعین کردہ لا مذہبیت کے معنی ومفہوم سے واقفیت بھی حاصل کر لینا مناسب ہوگا، اور اس کے لئے لفظ ''مذہب'' کی لغوی واصطلاحی تعریف سے معرفت ضروری ہے۔ کیونکہ

''لا مذہبیت'' اسی لفظ ''مذہب'' سے بنا ہے۔شاید موصوف غازی پوری ہماری اس تفصیل کو بھی طول لایعنی کا شاہکار قرار دیں اور اس سے اپنے شکم میں درد اور پیٹ میں مروڑ محسوس کریں اور بغور پڑھنے سے اپنی معذوری پیش کر دیں۔تو ان کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ یہ تحریر صرف ان کی ذات گرامی کو مدنظر رکھ کر سپرد قلم نہیں کی گئی ہے، ان کے علاوہ اس جہاں میں اور بھی ہیں۔

''مذہب'' لغت میں

لغوی اعتبار سے لفظ ''مذہب'' ذھاب سے بنا ہے۔عربی زبان میں کہا جاتا ہے: ذھب یذھب ذھاباً جس کے معنی ہیں: گذرنا، جانا۔متعلقہ لفظ کی دو میں سے کوئی ایک حیثیت ہو سکتی ہے:

(۱) مصدر میمی۔اس صورت میں (ذھاب) جانے کے معنی میں ہوگا۔

(۲) ظرف مکان یا ظرف زمان۔اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے: جانے کی یا گذرنے کی جگہ یا وقت۔

علماء لغت کی وضاحت کے مطابق لفظ ''مذہب'' کا اطلاق متعدد معانی پر ہوتا ہے، مثال کے طور پر:

(۱) وضو خانہ۔کیونکہ یہ ایسی جگہ ہے جہاں آدمی بار بار جاتا ہے۔

(۲) قضائے حاجت کی جگہ۔

(۳) طریقہ۔کہا جاتا ہے: " ذھب فلان مذھبا حسنا " أی طریقة حسنة یعنی فلاں شخص نے بہترین طریقہ اپنایا ہے۔

(۴) اصل۔کہا جاتا ہے: " لا یدری له مذھبه " یعنی اس کی اصل معلوم نہیں ہے۔

(۵) عقیدہ و مسلک۔(۱)

---

(۱) ملاحظہ ہو لسان العرب (۱/۳۹۴) و تاج العروس (۲/۳۵) الکویت

لغت کی جدید کتاب ''المعجم الوسیط'' میں سابقہ بعض معانی کا تذکرہ کرنے کے بعد کہا گیا ہے:

" (وعند الامام) مجموعة من الآراء والنظريات العلمية والفلسفية ، ارتبط بعضها ببعض ارتباطا يجعلها وحدة منسقة " . (۱)

یعنی (علماء کی نظر میں) مذہب ایسے علمی وفلسفیانہ افکار ونظریات کو کہتے ہیں جن کے مابین ایسا ترابط پایا جاتا ہے جو ان کو ایک مرتب ومنظم اکائی کی شکل دے دیتا ہے۔

اس تعریف کی روشنی میں لفظ مذہب کو کسی مخصوص طریقہ یا عقیدہ کے ساتھ متعین کرنا درست نہیں ہے۔ مولانا عبدالحفیظ بلیاوی مصباح اللغات میں لفظ ''مذہب'' کے معنی واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''المذهب: (مصدر) روش، طریقہ، اعتقاد، اصل مج مذاہب ....
اسلام کے مشہور مذاہب چار ہیں، حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی'' (ص ۲۶۸)

موصوف بھی یہ نہیں کہہ سکے کہ لفظ ''مذہب'' انہی چاروں مذاہب کے ساتھ مخصوص ہے، اگر اسلام میں ان کے علاوہ کوئی طریقہ یا مسلک اپناتا ہے تو اسے بدمذہب یا لا مذہب کہا جائے گا۔

''مذہب'' فقہاء کی نظر میں:

مالکی مذہب کی مشہور کتاب ''مختصر خلیل'' کے مقدمہ میں وارد لفظ ''مذہب'' کی تشریح کرتے ہوئے شارح ہلالی (۲) نے نور البصر فی شرح المختصر میں لکھا ہے:

''مذہب اصلاً لفظ ''ذھاب'' سے مفعل کے وزن پر ظرف زمان اور ظرف مکان دونوں ہوسکتا ہے، اسے عرف عام میں اپنے معنی سے منتقل کر کے ان تمام مسائل کے لئے بطور علم استعمال کیا جانے لگا جن کو کوئی مجتہد اختیار کرتا ہے، یا جن کا متبعین اپنے امام کے وضع کردہ اصول وضوابط کی روشنی میں استخراج واستنباط کرتے ہیں''۔

---

(۱) المعجم الوسیط (۱/ ۳۱۷)

(۲) بروقت ان کا نام اور ان کی تاریخ وفات نہیں معلوم ہوسکی۔

دوسرے مالکی عالم حطاب (۱) لکھتے ہیں:

''مذہب کو لغت میں ''راستے'' اور جانے کی جگہ کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، بعد میں فقہاء کے نزدیک اس لفظ کو ان تمام اجتہادی مسائل و احکام میں ایک عرفی حقیقت کی حیثیت حاصل ہو گئی، جن کو کوئی امام (۲) اختیار کرتا ہے''۔

حاشیہ الدسوقی (۳) میں ''مذہب مالک'' کی وضاحت کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

''مذہب مالک سے مراد وہ تمام اجتہادی احکام و مسائل ہیں جن کو امام مالک (رحمہ اللہ) نے اپنی پوری اجتہادی قوت صرف کرنے کے بعد اختیار کیا ہے، چنانچہ ایسے تمام احکام و مسائل جن کو قرآن و سنت میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے ان کو کسی مجتہد کا مذہب نہیں کہا جا سکتا ہے''۔ (۴)

لیکن مجتہد کا مذہب نہ قرار دینے سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ مذہبیت کی بھی نفی کر دی جائے گی کہ کتاب و سنت کے واضح طور پر بیان کردہ مسائل و احکام کو یا ان کے التزام کو لامذہبیت کا نام دے دیا جائے۔

''لامذہبیت'' معنی و مفہوم کے اعتبار سے

''لامذہبیت'' دراصل (لا) بمعنی غیر، اور ''مذہبیت'' سے مل کر بنا ہے، لفظ ''مذہبیت'' مذہب کا مصدر صناعی ہے۔ جس طرح انسان میں یاء مشدد اور تاء تانیث کا اضافہ کر کے ''انسانیت'' بنالیا گیا ہے۔ مذکورہ لفظ ''لامذہبیت'' عموماً لادینیت، آزاد خیالی، دین بے

(۱) مکمل نام: محمد بن محمد بن عبدالرحمن ابو عبداللہ، حطاب رعینی سے مشہور ہیں، ان کی کتاب کا نام ''مواھب الجلیل فی شرح مختصر الخلیل'' ہے۔ ۹۵۴ھ میں ان کی وفات ہے، ملاحظہ ہو: معجم المؤلفین (۱۱/۲۳۰)۔

(۲) ملاحظہ فرمائیں کسی بھی امام یا مجتہد کے اختیار کردہ مسائل پر بقول ہلالی و حطاب مذہب کا اطلاق کیا جاتا ہے، ائمہ اربعہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ یا یہ کہ امامت و اجتہاد کو مذاہب اربعہ کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے۔

(۳) ان کا مکمل نام: محمد بن أحمد بن عرفہ الدسوقی المالکی۔ فقہ، علم الکلام، نحو، اور بلاغت وغیرہ کے ماہر تھے، ۱۲۳۰ھ میں ان کی وفات ہے۔ معجم المؤلفین (۸/۲۹۲)

(۴) ملاحظہ ہو: الصوارم والأسنة (ص ۱۱۲) مذکورہ تمام اقتباسات اسی کتاب سے منقول ہیں۔

زاری اور غیر مذہبی طرز معیشت وغیرہ کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے (۱)۔ لیکن ایک مخصوص حلقے میں خاص طریقے سے ”غیر مقلدین“ کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ چنانچہ برصغیر میں ”جماعت اہلحدیث“ پر اور جزیرہ نما عرب میں ”سلفی جماعت“ پر زبردستی اس کا اطلاق کیا گیا ہے، اس لئے کہ مبینہ طور پر انہی دونوں جماعتوں کی تردید وابطال میں لکھی جانے والی کتابوں کو ”لامذہبیت“ کے عنوان سے معنون کیا گیا ہے، بلکہ مکمل صراحت کے ساتھ سلفیت واہلحدیثیت (جس میں اندھی تقلید کی ادنی گنجائش نہیں ہے) ہی کو ”لا مذہبیت“ کا نام دیا جاتا ہے۔ حالانکہ سلفیت واہلحدیثیت کو لامذہبیت کا نام دینا نہ صرف اس جماعت کے ساتھ ظلم وزیادتی ہے بلکہ لفظ کے ساتھ بھی کھلواڑ ہے، جس کی نہ تو لغوی، نہ عرفی اور نہ ہی کسی اور اعتبار سے تائید ہوتی ہے۔ یہ ایک لفظ کا من مانا استعمال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ بھی ”غیر مقلد“ کی طرح اہلحدیثوں اور سلفیوں کی نظر میں مبغوض اور ناپسندیدہ ہے، جسے وہ اپنے حق میں نبز بالألقاب کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ (۲)

”لامذہبیت“ مذہبیین (مقلدین) کی نظر میں

جیسا کہ عرض کیا گیا جزیرۂ نما عرب میں ”لامذہبیت“ کا اطلاق سلفی جماعت کے حق میں کیا گیا ہے۔ چنانچہ شامی عالم ڈاکٹر محمد سعید رمضان بوطی نے سلفیوں کی تردید میں جو کتاب تصنیف کی ہے اس کا نام رکھا ہے "اللامذهبية أخطر بدعة تهدد الشريعة الاسلامية" (لامذہبیت شریعت اسلامیہ کے لئے ایک نہایت خطرناک دھمکی آمیز بدعت ہے)۔

کتاب کے مشتملات پر غور کرنے سے کوئی بھی شخص واضح طور پر یہی نتیجہ اخذ کرے

---

(۱) چنانچہ فاضل دیوبند مولوی محمد رفیع کی مرتب کردہ ”جامع اللغات اردو“ میں (لامذہب) کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھا گیا ہے: ”بے دین، نیچری، دہریہ“ (ص ۶۳۰) اور انہی معانی میں یہ لفظ عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے، ملاحظہ ہو: آزادی فکر ونظر اور اسلام، مؤلفہ سلطان احمد اصلاحی (ص ۱۵)

(۲) ملاحظہ ہو: بدعة التعصب المذهبي (ص ۱۵۵ ملحق)

گا کہ اس لفظ سے مراد سلفی جماعت ہے جس میں کسی ایک مخصوص امام کی تقلید جامد کو ممنوع سمجھا جاتا ہے، اور اسی بناء پر سلفی دعوت کے حاملین کو ہدف ملامت اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا گیا ہے۔(۱)

اور برصغیر میں ابوبکر غازی پوری کے ذریعہ تصنیف کی جانے والی مشہور زمانہ کتاب "وقفة مع اللامذهبية" میں اس لفظ سے برصغیر کی جماعت اہل حدیث کو مراد لیا گیا ہے، کیونکہ اس کتاب کی تصنیف اسی جماعت کی تردید کے لئے عمل میں لائی گئی ہے، اور بہت ہی نمایاں طور پر جزیرۂ نما عرب کی سلفی جماعت اور برصغیر کی جماعت اہلحدیث کے ما بین فرق دکھلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ساتھ ہی برصغیر میں سلفیت کا لبادہ اوڑھ کر اپنے آپ کو سلفی کہنے والوں کی سلفیت کو مصنوعی، منافقانہ اور غرض مندانہ قرار دیا گیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ دلوں میں نہ صرف جھانک کر بلکہ گھس کر ان کی نیتوں پر قطعی حکم لگایا گیا ہے کہ برصغیر کے لامذہبیوں (غیر مقلدین) نے سلفیت کا لبادہ اوڑھ کر عرب کی پٹرولی ثروت پر ڈاکہ ڈالا ہے، اور سیم و زر جمع کر کے داد عیش دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی مختلف قسم کی تہمتیں ان پر عاید کی گئی ہیں۔ جبکہ عرب کی سلفیت کا اس کتاب میں تحسین آمیز اسلوب میں تذکرہ کیا گیا ہے (۲)، جس سے یہی مفہوم اخذ کیا جا سکتا ہے کہ لامذہبیت اور

---

(۱) ملاحظہ ہو: بدعة التعصب المذهبي (ص ۳۳۹، ۳۴۰ و ملحق ۱۵۵) یہاں یہ واضح کر دینا مناسب ہوگا کہ بوطی کی مذکورہ "لا مذهبية" ہم کو دستیاب نہیں ہو سکی ہے جس کی وجہ سے مجبوراً بدعة التعصب المذهبي میں دیئے گئے اس کتاب کے اقتباسات پر اعتماد کیا گیا ہے۔

(۲) جزیرہ نما عرب کی سلفیت کی ستائش موصوف غازی پوری کی مصلحت شناسی اور موقعہ پرستی کی ایک بین دلیل ہے، ورنہ وہ خود علامہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ کے نام ایک کھلے خط میں علی الاطلاق سلفیت کو اپنے زہر آلود تیر و نشتر کا نشانہ بنا چکے ہیں، اس خط میں انہوں نے سلفیت کو انگلیوں پر گنے جانے والے ایک ایسے خارجی ٹولہ سے تعبیر کیا ہے جس کی کسی زمانہ میں کوئی اہمیت و وقعت نہیں رہی ہے، علامہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ جن کو "مسائل غیر مقلدین" میں سلفیوں کا امام وقت کہا گیا ہے، انہی شیخ ابن باز کو اسی خط میں جسے انہوں نے اپنے عربی پرچے "صوت الاسلام" کے ایک اداریے میں تحریر کیا ہے ہدف ملامت بناتے ہوئے اور ان کے اوپر مختلف انداز سے کیچڑ اچھالتے ہوئے یہاں تک لکھ مارا ہے کہ وہ اپنے عمل اور رویے سے دشمنان اسلام یہود و نصاریٰ کو شعوری یا غیر شعوری طور پر مدد پہنچا رہے ہیں، اور امت کی صفوں میں =

سلفیت میں ان کے یہاں فرق پایا جاتا ہے۔ بلکہ ایک دوسری کتاب میں مبینہ طور پر متعدد مسائل میں برصغیر کی جماعت اور عرب کی سلفی جماعت کے مابین اختلاف رائے اور تضاد ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔(۱)

اس طرح ایوان تقلید کی دو مختلف جہتوں سے لا مذہبیت کے تعلق سے دو مختلف باتیں کہی گئی ہیں۔

''لا مذہبیت'' کی بوطی تفسیر اور تضاد بیانی:

یہی نہیں کہ ایوان تقلید کی مختلف جہتوں سے ''لا مذہبیت'' کی مختلف تفسیر کی گئی ہے بلکہ لا مذہبیت کے عنوان سے کتاب تصنیف کرنے والے پہلے شخص نے بھی اس لفظ کی تفسیر وتشریح میں تضاد بیانی سے کام لیا ہے۔ جب انہوں نے'' اللامذهبية أخطر بدعة تهدد الشريعة الاسلامية ''(یعنی لا مذہبیت شریعت اسلامیہ کے لئے ایک نہایت خطرناک دھمکی آمیز بدعت ہے) نامی کتاب تصنیف کی اور سلفیت کے خلاف زہر

=نفرت وعداوت اور اختلاف وانتشار کا بیج بوکر پورے عالم میں اسلامی کاز اور اسلامی تحریکات کو نقصان پہونچار ہے ہیں۔ پھر گول گیند کی طرح لڑھکتے ہوئے اپنی ''لا مذہبیت'' کے مقدمے میں نجد وحجاز کی سلفیت کو بالعموم عقیدہ توحید اور دعوت اسلام کی غیر معمولی غیرت، اور دین اسلام کی نشر واشاعت اور تبلیغ کی راہ میں اس کے جود وسخا کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اسی طرح جس عقیدہ کو انہوں نے انگلیوں پر گنے جانے والے ایک خارجی ٹولہ کا عقیدہ بتلایا تھا اور اس کی نشر واشاعت پر شیخ ابن باز رحمہ اللہ کو دشمنان اسلام کی تائید اور مدد بہم پہونچانے والا سے تعبیر کیا تھا اسی عقیدہ کو ایک دوسری پوتھی ''وقفة مع معارضي شيخ الاسلام محمد بن عبد الوهاب....''(ص ۲۵) میں حق وصواب قرار دیتے ہوئے دیگر عقائد پر بطلان کا حکم عاید کرتے ہیں۔ پھر کچھ دنوں بعد ان کے غیظ وغضب کی ہانڈی پک کر ابلنے لگتی ہے، اور اپنے گنگائی زمزم (ش ۳ ج ۱) کے اداریہ میں سلفیت کو عالم اسلام کے لئے ایک بڑا فتنہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ سرزمین حجاز کے علماء بھی اس سے پریشان ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالی نے چند دنوں بعد ہی ان کی اس افتراء پردازی کا پردہ چاک کردیا، جیسا کہ ایک مضمون میں اس پر تفصیل سے کلام کیا جاچکا ہے۔ دوسروں کو تضاد بیانی، کذب وفریب اور افتراء پردازی سے متصف کرنے والے غازی پوری اور ان کے ہمنوا گیند کی طرح لڑھکنے والے اپنے اس موقف کو کیا نام دیں گے؟

(۱) ملاحظہ ہو: مسائل غیر مقلدین، مقدمہ (۵-۲۳)، وقفة مع اللامذهبية (مقدمہ ص ۶، ۷)

اگلنے کی ناکام کوشش کی اور ایک مناظرہ میں ان سے اس حکم پر دلیل کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے لامذہبیت کی ایک نئی تعریف کرتے ہوئے اپنی قائم کردہ عمارت از خود منہدم کر دی۔ فرماتے ہیں:

''مذہبیت یہ ہے کہ درجہ اجتہاد کو نہ پہونچا ہوا شخص کسی امام کی اتباع اور پیروی کو اپنے اوپر لازم کر لے، خواہ وہ متعدد ہوں یا متعدد نہ ہوں۔''

''اور لامذہبی اس شخص کو کہا جائے گا جو اپنے فتوی طلبی میں کسی ایک امام یا متعدد ائمہ کرام کی اتباع اور پیروی کا التزام نہ کرے۔''(۱)

اس تفسیر و توضیح کے مطابق روئے زمین پر شاید ہی ایسا کوئی شخص ہو جس کو 'لامذہبی' کہا جا سکے۔ اس طرح سلفیت کی تردید میں انہوں نے اپنی مذکورہ کتاب تصنیف کی تھی، لیکن ان کی اس جدید تعریف کی بنیاد پر سلفی حضرات بھی مذہبی قرار پائیں گے کیونکہ ان کے نزدیک کسی ایک متعین امام کی تقلید جامد ممنوع ہے کہ اس امام کی کسی رائے یا مسألہ میں غلطی واضح ہو جانے کے بعد بھی اس پر آدمی جما رہے۔ ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ دین کے تمام مسائل و احکام میں اسی موقف اور مسلک کو اختیار کریں جو اقرب الی الکتاب والسنۃ ہو اور ائمہ سلف میں سے کسی نے اس کو اختیار کیا ہو۔ چنانچہ ان کے اختیار کردہ تمام مسائل کسی نہ کسی امام کے اختیار کردہ ہوتے ہیں۔ وہ تمام ائمہ سلف سے ہٹ کر کوئی ایسا مسلک یا کوئی ایسی رائے ہرگز نہیں اپناتے جس کو کسی نے نہ اختیار کیا ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ محض سلفیوں اور اہلحدیثوں کے اختیار کر لینے کی وجہ سے کوئی بھی مسألہ ان کی نظر میں وجوبی طور پر شاذ، مرجوح اور جمہور امت کے خلاف ہو جاتا ہے خواہ اسے ائمہ اربعہ ہی میں سے کسی نے اختیار کیا ہو۔ جیسا کہ نابالغ ہوشیار حافظ قرآن لڑکے کی امامت کے جواز کو فقیہ سید واڑہ

---

(۱) بدعة التعصب المذهبي (ص ۳۳۹-۳۴۰) مذکورہ مناظرہ کی پوری روداد بدعة التعصب المذهبي کے مؤلف نے جمع کر دی ہے جس کو اس مناظرہ سے واقفیت حاصل کرنی ہو مذکورہ کتاب کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ واضح ہو کہ یہ مناظرہ علامہ شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ اور ڈاکٹر سعید رمضان بوطی کے درمیان مؤخر الذکر کے گھر میں منعقد ہوا تھا۔

نے جمہور امت کے خلاف غیر مقلدین کا قول شاذ کہا ہے (۱)۔ اور سلفیت دشمنی اور اہلحدیثوں کی عداوت میں فرمان رسول اور صحابی رسول کے ساتھ استہزائی رویہ اختیار کیا ہے۔ جبکہ اس قول کو امام شافعی سمیت متعدد ائمہ سلف نے اختیار کیا ہے۔ آگے چل کر اس موضوع پر ان شاء اللہ تفصیلی گفتگو ہوگی۔ بروقت اتنا واضح کر دیں کہ اہلحدیثوں اور سلفیوں کے نزدیک ائمہ سلف امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ میں محصور نہیں ہیں جیسا کہ موصوف غازی پوری سمجھتے ہیں۔

اس سے زیادہ عجیب وغریب بات یہ ہے کہ موصوف بوطی نے اپنی اسی کتاب میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ کسی ایک متعین امام کی تقلید کا عدم التزام جائز اور درست ہے۔ (۲)

قارئین! ملاحظہ فرمائیں ڈاکٹر بوطی کی تضاد بیانی۔ ''اللامذهبية أخطر بدعة'' نامی کتاب تصنیف کر کے انہوں نے یہی باور کرانا چاہا ہے کہ سلفیت ہی لا مذہبیت ہے جس میں کسی ایک متعین امام کی تقلید کو جائز نہیں سمجھا جاتا ہے، اور سلفیت پر بدعت کا حکم عاید کیا ہے۔ اس مفروضے پر جب دلیل کا مطالبہ کیا گیا تو راہ فرار اختیار کرتے ہوئے لامذہبیت کی ایک نئی تعریف ایجاد کی، جس میں لامذہبیت کا مفہوم یہ بتلایا کہ '' جاہل شخص کا کسی ایک امام یا متعدد امام کی اتباع نہ کرنا'' لا مذہبیت ہے، اور اس سے سلفی عوام کو متہم کیا کہ '' وہی دین میں کسی کی تقلید نہیں کرتے'' (۳) گویا من مانا طریقہ اپناتے ہیں جو سراسر بہتان ہے۔ اور سلفیوں کے بارے میں وہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ: '' وہ بعض معاصرین کی تعصب کی حد تک تقلید کرتے ہیں''۔ (۴)

آپ ہی فیصلہ کیجئے، کسی بھی صاحب عقل وفہم کے لئے کسی شخص یا کسی جماعت کو بیک وقت دو متضاد تہمتوں سے متہم کرنا زیب دیتا ہے؟ کہ ایک طرف یہ کہا جائے کہ سلفی

---

(۱) ملاحظہ ہو مسائل غیر مقلدین (ص ۱۷۹-۱۸۱)

(۲) اللامذهبية أخطر بدعة (ص ۷۶) منقول از الملحق بدعة التعصب المذهبي (ص ۱۵۵)

(۳) بدعة التعصب المذهبي (ص ۱۵۵ الملحق)

(۴) اللامذهبية أخطر بدعة (ص ۹۰-۹۱) منقول از الملحق بدعة التعصب المذهبي (ص ۱۵۷)۔ واضح ہو کہ بدعة التعصب المذهبي میں لامذہبیت کے تعلق سے کافی وشافی رد موجود ہے۔

عوام کسی کی تقلید نہیں کرتے، ڈائریکٹ کتاب وسنت سے مسائل اخذ کرتے ہیں اور دوسری طرف انہی کے بارے میں یہ بھی کہا جائے کہ وہ بعض معاصر علماء کی تعصب کی حد تک تقلید کرتے ہیں۔ کسی کو بیک وقت دو متضاد حکموں سے متصف کرنا انہی لوگوں کا کام ہوسکتا ہے جو اپنی عقل کو کتب فقہ کی گردان سے منور کر چکے ہیں۔

''لامذہبیت'' فقیہ دیوبند محمد راشد اعظمی کی نظر میں:

مسلک احناف کے عظیم ترین قلعہ دار العلوم دیوبند میں طلبہ کو باطل تحریکات سے متعارف کرانے کے لئے کچھ گھنٹیاں مخصوص کی گئی ہیں۔ اس مقصد کے لئے رسائل کی شکل میں کتابوں کی تالیف بھی عمل میں لائی گئی ہے۔ چونکہ اہلحدیثیت جس کو کرم فرما حضرات غیر مقلدیت اور لامذہبیت کا نام دیتے ہیں ان کی نظر میں سب سے بڑی باطل تحریک تھی، اس لئے ''رد غیر مقلدیت'' کے عنوان سے پانچ رسالے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ (۱) ان کے

---

(۱) یہ ہیں رواداری اور اعلی ظرفی کے علم بردار حضرات، جو اہلحدیثوں کو تنگ نظر اور شدت پسند کہتے تھکتے نہیں، ان کا یہ عالم ہے کہ اہلحدیثیت کو اسلام دشمن تحریک شمار کرتے ہیں اور از ہر ہند کے نصاب تعلیم میں ایسی کتابیں شامل کی گئی ہیں جو دل آزاری اور بہتان تراشی کا نہ صرف پلندہ ہیں بلکہ جن میں انسانی سطح سے گر کر جماعت اہلحدیث کا رد وابطال کیا گیا ہے، حقائق وواقعات کو مسخ کر کے پیش کرنے کی جسارت کی گئی ہے، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے درمیان بھی تقلید کے رواج کو ثابت کرنے کی ناروا کوشش کی گئی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کی رواداری کا نقطۂ عروج اس حد کو پہونچ گیا ہے کہ ان کی ایک تنظیم نے (جس کو پروان چڑھانے میں جماعت اہلحدیث کے علماء نے بھی زبردست رول ادا کیا ہے) غیر مقلدین (اہلحدیثوں) کے خلاف ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد کر کے اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں، کافی واویلا مچا کر اور دہائی دے کر ان کے خلاف قراردادیں پاس کی ہیں۔

یہاں ہم مولوی ابوبکر غازی پوری اور ان کے ٹولہ سے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ آپ لوگوں نے اپنی غیبی طاقتوں کے ذریعہ یہ معلوم کر کے کہ ''جامعہ سلفیہ بنارس نے آپ لوگوں کی تردید کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی ہے'' جبکہ اس طرح کی کوئی بات سوچی بھی نہیں گئی ہوگی۔

آپ اپنے از ہر ہند اور جمعیۃ العلماء کے متعلق کیا فرماتے ہیں جہاں نونہالان امت کی پرورش وپرداخت ہی اہل حدیث دشمنی پر ہورہی ہے، اور قوم وملت سے بھیک مانگ کر غیر مقلدین (اہلحدیثوں) کے خلاف ایک بڑے اجتماع کا اہتمام کیا گیا۔ شاید آپ کے اکابرین نے عالم بالا میں جا کر اس کی اجازت حاصل کر لی ہے، اس لئے آپ خاموش ہیں، اور اہلحدیث بیچاروں کو اس روئے زمین پر ہی جینے کے حق سے محروم کیا جارہا ہے۔ وہ کہاں سے عالم بالا کی بات سوچ سکتے ہیں، لہذا ان کو کمیٹی کی تشکیل کا بھی حق نہیں ملنا چاہئے۔ اس کے باوجود وہی ملزم قرار دیئے جاتے ہیں کہ انہی کی جانب سے ابتداء کی جاتی ہے۔

پیش کرنے والے کوئی مولانا محمد راشد اعظمی ہیں۔ پہلے رسالہ میں بڑے دلچسپ انداز میں اور پیشہ ورانہ مہارت سے کام لیتے ہوئے برصغیر کی جماعت اہلحدیث کو ''لا مذہبی'' اور ''بد مذہب'' ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، موصوف فرماتے ہیں:

''اکابر کو جن حقائق اور خصوصیات کی بناء پر اہل حدیث کہا گیا تھا ان حقائق سے یہ موجودہ اہل حدیث دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتے، اس لئے ان کا نام اہل حدیث کے بجائے لا مذہب اور آزاد مشرب ہونا ہی مناسب اور قرین عقل وفہم ہے۔ کیونکہ فقہاء ومحدثین کی اصطلاح میں مذہب کا اطلاق بسا اوقات رائے ونقطہ نظر اور مسلک کے معانی پر ہوتا ہے۔ اسی مفہوم کے اعتبار سے ائمہ اربعہ کے مسالک کو وہ لوگ مذہب کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت امام نووی شارح مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فهو مذهبنا ومذهب الجمهور".

نیز فرماتے ہیں:

"فمذهب الشافعي وأبي حنيفة والجمهور أن الإبل أفضل، ثم البقر، ثم الغنم كما في الهدايا، ومذهب مالك ......".

بعدہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، اور نواب صدیق حسن خان رحمہم اللہ سے اقتباسات نقل کئے ہیں جن میں لفظ ''مذہب'' کا اطلاق ائمہ اربعہ کے مسالک اور ان کے آراء پر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل سرخی کے تحت فقیہ دیوبند صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''ان کا مناسب نام کیا ہوگا ؟''

''ان عبارات سے واضح ہوا کہ فقہاء ومحدثین کے نزدیک (مذہب کا) اطلاق مذاہب ائمہ اربعہ پر بھی ہوتا ہے، اور یہ حضرات ان مذاہب اربعہ میں سے کسی میں بھی داخل نہیں ہیں، اس بنیاد پر انہیں لا مذہب اور آزاد مشرب کہنا زیادہ مناسب اور مبنی بر حقیقت ہے۔''(۱)

---

(۱) ردغیر مقلدیت (۱/۲۱،۲۲)

اپنے مخالفین بالخصوص اہلحدیثوں کے دلوں پر تحکمانہ انداز استعمال کرتے کرتے اب الفاظ کے استعمال پر بھی تحکمانہ اسلوب اپنایا جا رہا ہے۔ اللہ جانے یہ اختیار ان کو کہاں سے حاصل ہو گیا کہ جس کے حق میں جو لفظ چاہیں استعمال کریں اور جو نہ چاہیں نہ استعمال کریں اور نہ کسی کو استعمال کرنے دیں۔ اور اس کو مناسب، قرین عقل وفہم اور مبنی بر حقیقت کا نام دیں۔ اب تک یہی دیکھتے اور سنتے چلے آ رہے ہیں کہ انفرادی یا اجتماعی طور پر لوگ اپنے لئے جس نام کا انتخاب کرتے ہیں دیگر حضرات اسی کی پابندی کرتے ہیں اس میں ان کو اعتراض نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر یہی حضرات دیوبند کی طرف نسبت کر کے اپنے آپ کو دیوبندی کہتے ہیں، جبکہ اس کی کوئی شرعی حیثیت بھی نہیں ہے، چاہے جتنا اسے خوابوں اور مناموں کے ذریعہ مقدس ومتبرک ثابت کرنے کی کوشش کی جائے اور اس کا قلابہ عرش اور جنت سے ملایا جائے (۱) اسے ایک عجمی گاؤں سے زیادہ کوئی اہمیت وحیثیت نہیں حاصل ہو سکتی۔ اسی نام سے ایک مابہ الامتیاز جماعت بھی بنالی گئی تو کیا کسی کو یہ حق پہونچتا ہے کہ ان سے کہے کہ نہیں، تمہارا یہ نام مناسب نہیں ہے، بلکہ تمہارا مناسب نام یہ ہونا چاہئے؟

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ حضرات اپنے آپ کو اس غیر دینی اور غیر شرعی نام سے مربوط کر لینے کے بعد پشیمانی کا شکار معلوم ہوتے ہیں، اور اپنی جھینپ مٹانے کے لئے اس طرح کے اوچھے اور نامناسب حربے استعمال کر کے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں۔

اگر جماعت اہل حدیث نے اپنے لئے اہل حدیث، سلفی، محمدی یا اسی جیسے متبرک اور پاکیزہ ناموں کا انتخاب کیا اور اس ایمان ویقین کے ساتھ کیا کہ محض ناموں کے حسن انتخاب سے نجات نہیں ملے گی بلکہ حسن عمل اور حسن کردار بھی اس کے لئے لازم وضروری ہے، تو کرم فرما حضرات کے یہاں ان ناموں کو شرف قبولیت نہیں بخشا گیا، بلکہ ان تمام

---

(۱) اسے مبالغہ آرائی پر نہ محمول کیا جائے بلکہ اطمینان کے لئے ''مبشرات دار العلوم'' مؤلفہ انوار الحسن ہاشمی کا مطالعہ کر لیا جائے، اس میں آپ ایسی ایسی غیبی بشارتیں ملاحظہ کر سکتے ہیں جن کی وجہ سے اس خطہ کو بقعہ ارضی کہنا کبھی بھی مناسب نہیں ہوگا۔ واضح ہو اس کتاب پر بڑی بڑی بزرگ شخصیات کی مہر تصدیق بھی ثبت ہے۔

ناموں میں انہیں نفاق ،غرض مندی، اور خیانت کا شائبہ ہی نظر آتا ہے۔ اور کیوں نہیں نظر آئے گا؟ ان اللہ والوں کی دور رس نگاہیں تو عرش الٰہی کا نظارہ کرنے میں بھی کامیابی حاصل کر لیتی ہیں، ہزاروں میل دور بیچ سمندر میں طوفان زدہ جہاز کو دیکھ لیتی ہیں اور اس کی مدد کے لئے چشم زدن میں وہاں تک بزرگ حضرات پہونچ جاتے ہیں اور جہاز کو کندھا دے کر ساحل سے لگا دیتے ہیں۔(۱) بہرحال جماعت اہل حدیث کے حق میں اس کی مرضی کے خلاف ان اللہ والوں (؟) نے پہلے پہل جو نام منتخب کیا وہ ''غیر مقلد'' تھا، اس کو بڑے وسیع پیمانہ پر شہرت دی گئی یہاں تک کہ یہ جماعت عوام وخواص میں ''غیر مقلدین'' کے نام سے معروف ہوگئی۔ ان سے متاثر ہو کر بعض اہلحدیث حضرات بھی اپنے آپ کو غیر مقلد کہنے میں کوئی قباحت نہیں محسوس کرتے۔ اور اب اسی تحکمانہ رویہ کو بروئے کار لا کر ''لامذہبیت'' کے نام کو فروغ دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ گویا محض عدم تقلید کی وجہ سے یہ جماعت ہمیشہ ہمیش کے لئے ''مذہب'' سے خارج کر دی گئی، اور اس کے مسلک پر مذہب کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی تحکمانہ رویہ ہو سکتا ہے؟ اس سے بھی عجیب وغریب وہ استدلال ہے جو فقیہ دار العلوم دیوبند نے جماعت اہلحدیث کو ''لامذہب'' اور ''آزاد مشرب'' کا نام دینے کے سلسلے میں پیش کیا ہے۔ محض اس بناء پر کہ مذہب کا اطلاق مذاہب ائمہ اربعہ پر بھی ہوتا ہے، اور یہ حضرات ان مذاہب اربعہ میں سے کسی میں بھی داخل نہیں ہیں اس لئے انہیں لامذہب اور آزاد مشرب کہنا زیادہ مناسب اور مبنی بر حقیقت ہے۔ قارئین کرام فقیہ دار العلوم دیوبند کے اس فقیہانہ استدلال سے ان کی عقل وفہم اور اعلیٰ بصیرت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس بے تکی بات کو کتنی جرأت وبے باکی کے ساتھ قرین عقل وفہم اور مبنی بر حقیقت قرار دے کر محض دھونس اور دھاندلی بازی کے ذریعہ اپنی بات منوانے کی زبردستی کوشش کی جا رہی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بات

(۱) اب حال یہ ہے کہ سوقیانہ ڈراموں کے ذریعہ ان متبرک وپاکیزہ ناموں کے انتخاب پر جماعت اہلحدیث یا ان کا دفاع کرنے والوں کو جمن، کلو، ہدہد، کرکر، کاؤں کاؤں سے تشبیہ دی جاتی ہے، اور اپنے سفلہ پن کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ دیوبند کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے پر ہم بھی انہیں بہت کچھ کہہ سکتے ہیں لیکن ہمیں اس طرح کی اوچھی حرکتیں پسند نہیں ہیں۔

حد سے زیادہ مبنی بر غلط اور عقل وفہم سے بعید ہے۔ بزعم خویش قرین عقل وفہم اور مبنی برحقیقت اس استدلال کی حقیقت بس اتنی ہی ہے جتنی اس استدلال کی کہ اناج کا اطلاق گیہوں، جو، چنا اور مٹر پر بھی ہوتا ہے اور چونکہ چاول ان میں سے کسی میں داخل نہیں ہے اس لئے چاول اناج نہیں ہے۔ یہ ہے ازہر ہند کے ایک استاذ کا استدلال اور اس کی حقیقت ۔ اور اس قسم کے فضلاء کی تیار کردہ کتابیں داخل نصاب ہیں۔ خیر یہ ان کا اپنا داخلی معاملہ ہے چاہے جس طرح کے استاذ کی تقرری فرمائیں اور جس نوعیت کی کتابیں داخل نصاب کریں، ہم کو زیادہ کچھ کہنے کا حق نہیں ہے۔ لیکن اتنا ضرور عرض کریں گے کہ جماعت اہلحدیث کی دشمنی میں اس حد تک خبط الحواسی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے کہ زبان وقلم پر گرفت باقی نہ رہے، اور الفاظ وجملوں کے صحیح استعمال کی صلاحیت کھو بیٹھیں ۔ یہاں کوئی دعوی کر سکتا ہے کہ فقیہ موصوف کی عبارت میں کتابت کی غلطی سے ''ہی'' کے بجائے ''بھی'' ہو گیا ہے۔ شاید موصوف کہنا چاہتے ہیں ''مذہب کا اطلاق مذاہب ائمہ اربعہ پر ہی ہوتا ہے''۔(۱)

اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم اس مفروضہ کو تسلیم کر بھی لیں پھر بھی بات بنتی نظر نہیں آتی۔ کیونکہ موصوف اعظمی صاحب علم ومعرفت کے اس مقام کو ابھی نہیں پہونچ سکے ہیں (خواہ ان کی حیثیت دارالعلوم دیوبند میں جو بھی ہو) کہ ان کے اتنے بڑے دعوی کو ائمہ لغت وائمہ فقہ وغیرہم سے نقل کئے بغیر بلا چوں چرا تسلیم کر لیا جائے۔ موصوف نے علماء کرام کے جو اقتباسات پیش کئے ہیں ان سے صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ ائمہ اربعہ کے آراء

---

(۱) فقیہ سید واڑہ جناب ابوبکر غازی پوری اور ان کی ہم نوائی کرنے والے حضرات جس طرح جماعت اہلحدیث کے علماء کی مطبعی غلطیوں پر گرفت کر کے ان کو اچھالتے اور ان کی بنیاد پر جہالت کی سند عطا کرتے ہیں اس سے ہر شخص یہی نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ ان کے یہاں طباعت کی غلطیاں نہیں پائی جاتی ہیں، جو کچھ سپرد قلم کرتے ہیں اس کو حرف اخیر کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، اس میں طباعت وغیرہ کی کسی غلطی کا امکان نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض اکابر نے قسم کھا کر اس کا دعوی بھی کیا ہے، جیسا کہ اس کی جانب اشارہ کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ اپنی زبان فیض ترجمان سے کئی مرتبہ یہ الفاظ فرمائے: ''سن لو! حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے، اور بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانہ میں ہدایت ونجات موقوف ہے میرے اتباع پر'' (تذکرۃ الرشید ۲/۱۷)

ومسالک پر بھی مذہب کا اطلاق ہوتا ہے۔ان سے ہرگز ہرگز یہ نہیں ثابت ہوتا کہ مذاہب کا اطلاق صرف ائمہ اربعہ کے مسالک ہی پر ہوتا ہے ان کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے آراء ومسلک کو مذہب نہیں کہا جا سکتا۔اگر اس طرح کا دعوی کیا گیا تو وہ مبنی بر غلط، عقل وفہم سے بعید اور امر واقع کے خلاف دعوی ہوگا۔کیونکہ اس قسم کی بات نہ تو ہمیں لغت کی کتابوں میں ملتی ہے اور نہ ائمہ سلف کے کلام میں، بلکہ اس کے برعکس لغت کی کتابوں میں مطلق کسی رائے ومسلک کو مذہب سے تعبیر کیا گیا ہے۔اور ائمہ سلف نے بھی مذہب کا اطلاق ائمہ اربعہ کے علاوہ دیگر اہل علم کے مذاہب پر بھی کیا ہے۔چنانچہ مشہور ومعروف محدث ابن شاہین (۳۸۵ھ) اپنے آپ کو ''محمدی المذھب'' کہا کرتے تھے۔(۱) اسی طرح علامہ لالکائی (م ۴۱۸ھ) عقیدہ سے متعلق اپنی معروف کتاب ''شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ'' میں لکھتے ہیں:

" مذهبنا واختيارنا اتباع رسول الله ﷺ وأصحابه والتابعين والتمسك بمذهب أهل الأثر مثل أبي عبد الله أحمد بن حنبل ". (۲)

مذکورہ عبارت میں اہل الاثر کے مسلک کو مذہب سے تعبیر کیا گیا ہے۔اسی طرح علامہ سفارینی نے اپنی معروف کتاب ''لوامع الانوار'' میں متعدد بار سلف کے معتقدات کو ''مذہب سلف'' سے تعبیر کیا ہے۔(۳)

ان تمام امور سے بڑھ کر حافظ ابن المدینی رحمہ اللہ نے رسول اکرم ﷺ کے لائے ہوئے دین کو ''مذہب'' سے تعبیر کیا ہے، فرماتے ہیں:

" هم أهل الحديث الذين يتعاهدون مذهب الرسول ﷺ ويذبون عن العلم " (۴)

---

(۱) تاریخ بغداد (۱۱/ ۲۶۷) سیر اعلام النبلاء (۱۶/ ۴۳۳)

(۲) (۱/ ۱۷۹)

(۳) (۱/ ۲۵، ۶۴، ۱۳۷)

(۴) مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ مؤلفہ السیوطی (ص ۴۸، ۴۹ ط المنیر یہ)

طائفہ منصورہ کی توضیح وتشریح کرتے ہوئے حافظ ابن المدینی فرماتے ہیں کہ:

''وہ اہل حدیث لوگ ہی ہیں جو مذہب رسول ﷺ کی حفاظت اور نگہداشت کرتے ہیں اور علم کا دفاع کرتے ہیں''۔

اگر ان حقائق کے بعد بھی کوئی یہ دعوی کرتا ہے کہ مذہب کا اطلاق صرف مذاہب اربعہ کے ساتھ مخصوص ہے تو اس سے بڑھ کر اور کوئی دعوی جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ اس طرح کا دعوی کرنے والا تسکین نفس کے لئے الفاظ سے کھلواڑ کرنا چاہتا ہے۔ شاید کوئی شخص ''مذہب: فقہاء کی نظر میں'' (ص ۱۷۰) کے تحت دیئے گئے بعض اقتباسات سے استدلال کرنے کی کوشش کرے کہ مذہب کا اطلاق فقہاء کے یہاں ائمہ مجتہدین کے آراء ومسالک کے ساتھ مخصوص ہے، تو اس کا استدلال بھی درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ کسی نے بھی اس طرح کا دعوی نہیں کیا ہے بلکہ ان کا یہ کہنا ہے کہ کسی امام مجتہد کی اختیار کردہ رائے یا مسلک کو اس کا مذہب کب قرار دیا جائے گا؟ اور اس سلسلے میں یہ بات کہی گئی ہے کہ کسی رائے ومسلک کو امام کا مذہب اسی وقت قرار دیا جائے گا جبکہ امام نے اس رائے ومسلک کو اپنی اجتہادی صلاحیت استعمال کرنے کے بعد اختیار کیا ہو۔ اگر کوئی مسألہ کتاب وسنت میں واضح طور پر بیان کردیا گیا ہو تو اسے کسی امام کا مذہب نہیں کہا جائے گا۔ اسی طرح امام کے متبعین نے اپنے امام کے وضع کردہ اصول وضوابط کی روشنی میں کوئی مسألہ مستنبط کیا اور اسے اختیار کیا تو وہ بھی اسی امام کا مذہب قرار دیا جائے گا۔ اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مذہب کا اطلاق ائمہ اربعہ کے مذاہب کے ساتھ مخصوص ہے۔

اگر فرض کرلیا جائے کہ ان اقتباسات سے یہی بات ثابت ہوتی ہے تو ان کا یہ کہنا غلط ہوگا جس کی کسی بھی رو سے تائید وتصدیق نہیں ہوتی۔ اپنی چہار دیواری میں کوئی اصطلاح ایجاد کرکے اس کے مطابق مخالفین پر کسی طرح کا حکم عاید کرنا آپ ہی کے یہاں مبنی برحقیقت اور قرین عقل وفہم ہوسکتا ہے، اہل علم کے یہاں اس سے بڑھ کر اور کوئی حکم مبنی برظلم وزیادتی نہیں ہوسکتا۔ یہ بھی نہایت عجیب وغریب بات ہے کہ باطل سے باطل ترین

تحریکات یا ادیان پر مذہب کے اطلاق کو گوارا کر لیا جاتا ہے لیکن جماعت اہل حدیث جو اپنے آپ کو کتاب وسنت کے ساتھ مربوط کرنے کی پوری کوشش کرتی ہے (اور انہی دونوں چیزوں کی اتباع کا حکم بھی دیا گیا ہے) تو محض اس بناء پر اس کو مذہبیت سے خارج قرار دے دیا جاتا ہے کہ یہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ میں سے مخصوص طور پر کسی ایک کی تقلید جامد کو جائز نہیں سمجھتی۔ ہم یہاں یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ان کا یہ عمل کفار ومشرکین کے اس عمل کی یاد تازہ کر دیتا ہے جس میں انہوں نے انبیاء ورسل اور ان پر ایمان لانے والوں کو ''صابی'' (بد دین) کا نام دیا تھا۔ اہلحدیث دشمنی میں یہ حضرات اس قدر آگے نکل چکے ہیں کہ اپنے اکابرین کو بھی منہ چڑھانے سے باز نہیں آتے۔ چنانچہ انہی کے ایک معتبر عالم مولانا عبدالحی رحمہ اللہ مندرجہ ذیل استفتاء کے جواب میں تقلید کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں۔

اولاً استفتاء کی عبارت ثانیاً مولانا موصوف کا جواب پیش خدمت ہے:

''س: مسلمان ہونے کے لئے مذہباً حنفی یا شافعی ہونا خدا اور رسول نے شرط قرار دیا ہے یا نہیں؟ اور کیا پیغمبر، صحابہ اور اماموں کے وقت میں بھی لوگ حنفی یا شافعی کہلاتے تھے؟ اور اماموں نے اپنی اپنی تقلید کرنے کو کہا یا نہیں؟ اور پیغمبر کے بعد ایک صدی تمام مسلمان کسی شخص معین اور امام معین کی تقلید نہیں کرتے تھے تو کیا اُس دور کے غیر مقلد صحابہ وتابعین اچھے اور سچے مسلمان تھے؟ یا اُن کے بعد کے مقلد حنفی یا شافعی کہلانے والے حدیث وقرآن کے عاملین پر ناراض ہونے والے اچھے ہیں..........۔

ج: حنفی ہونا مسلمانی میں شرط نہیں کیا گیا، اور پیغمبر، اصحاب اور امام کے وقت مسلمان حنفی شافعی وغیرہ کے الفاظ کے ساتھ موسوم نہ تھے، اماموں نے اپنے قول کی تقلید کی اجازت دی ہے بشرطیکہ وہ قرآن وحدیث کے خلاف نہ ہو، اصحاب وتابعین کے دور کے مسلمان ظاہر ہے کہ اعلیٰ وافضل تھے ان لوگوں سے جو متدین علماء اور قرآن وحدیث پر عمل کرنے والوں سے ناراض ہیں..........''(۱)

(۱) فتاوی ابوالحسنات عبدالحی (ص ۱۰۴) منقول از اکابر علمائے احناف کے ... فتوے (ص ۳۳)

کیا اس حقیقت بیانی کے بعد عصر حاضر کے مقلدین کی چیرہ دستیاں خود اپنے اکابرین کو منہ چڑھانے کے مترادف نہیں ہیں ؟ ــــــــــ لیکن یہ حضرات اہل حدیث دشمنی میں اس سے بھی آگے جا سکتے ہیں۔ بہرحال مذکورہ بالا فتوے سے جہاں مذہبیت کے ٹھیکہ داروں کے دعوی کی حقیقت انہی کے ایک محقق عالم کی زبانی کھل کر سامنے آجاتی ہے وہیں استفتاء کی نوعیت اور اس کی زبان سے اس بات کا بھی بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اہل حدیثوں کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں کس طرح کے تصورات کام کر رہے تھے کہ اس قسم کے سوالات اور استفتاءات کی ضرورت پیش آئی۔ یہ تو ایک ضرورت کے مطابق نمونہ پیش کیا گیا، ورنہ ان کے فتاوے اس سے کہیں زیادہ تکلیف دہ اور دل آزار سوالات واستفتاءات پر مشتمل ہوتے ہیں جن میں کفر وعدم کفر کے بارے میں بھی سوالات ملتے ہیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی وقت اور زمانہ کے استفتاء اور دینی سوالات اس وقت کے معاشرہ کی ذہنیت اور عام رجحانات کی عکاسی کرتے ہیں۔

یہ بھی ایک نہایت عجیب بات ہے کہ مقلدین حضرات اپنے آپ کو ائمہ سلف اور علماء امت کی توقیر واحترام کا تنہا اجارہ دار تصور کرتے ہیں اور اہلحدیثوں کو محض ترک تقلید اور کتاب وسنت سے تصادم کی صورت میں ائمہ کرام کے اقوال کو نظر انداز کر دینے کی بناء پر گستاخ، بے ادب، شریر اور بدمذہب قرار دینے میں بڑی فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہیں۔ ان کی کتابیں، مضامین اور پرچے اس قسم کے سنگین الزامات اور دل آزار تہمتوں سے پر ہوتے ہی ہیں۔ اب ان کی ایک تنظیم جس نے مسلمانان ہند کے دینی و بنیادی حقوق کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اپنے مفادات اور مصالح کا ذمہ داروں کو زیادہ خیال ہوتا ہے۔ اس کی مجلس عاملہ نے اپنی ایک میٹنگ منعقدہ ۱۳،۱۴،۱۵ اکتوبر ۱۹۹۹ء میں غیر مقلدین (اہل حدیثوں) کے خلاف ایک بڑے اجتماع کے انعقاد کا فیصلہ کیا ہے، اس کے لئے اور اس جیسے دیگر عظیم منصوبوں کے لئے اہل خیر حضرات سے دردمندانہ اپیل کی ہے کہ (اس طرح کی) ملی ضرورتوں (؟) کی تکمیل کے لئے اس جمعیت کی مدد کریں۔ گویا اہلحدیثوں کے خلاف اجتماع منعقد کر کے ایک بڑی ملی ضرورت پوری کی جا رہی ہے۔

اوراس اپیل میں اہلحدیثوں پر یہ الزام عاید کیا گیا ہے کہ انہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ ؒ اور احناف کے خلاف ایک طرح سے تحریک اور مہم چلا رکھی ہے،(۱)

اہلحدیثوں کے خلاف اپنی ریشہ دوانیوں پر پردہ ڈالنے کی یہ ایک بہترین ترکیب ہے کہ ان کے خلاف خوب پروپیگنڈہ کیا جائے ۔ ان سفید پوش حضرات کو ان کی اپنی جماعت نے جو تحریک اور مہم چلا رکھی ہے وہ نہیں دکھائی دیتی جبکہ ان کے ازہر ہند نے اس مہم کو اپنے درسی نصاب میں شامل کر رکھا ہے اور اسی پر نونہالان امت کی پرورش کی جاتی ہے، جس کا اعتراف نقش دوام کے مؤلف نے خود کیا ہے۔

بہر حال اہلحدیثوں کو گستاخ اور بے ادب قرار دینے والے یہ حضرات خود ایک امام کی تقلید کو ضروری قرار دے کر دیگر ائمہ متبوعین کے ساتھ وہی کچھ مبینہ طور پر انجام دیتے ہیں. جس کا الزام وہ اہلحدیثوں کو دیتے ہیں ۔ بلکہ اپنے آراء و مسلک کی حقانیت و برتری اور صحت کو ثابت کرنے کے لئے تمام قسم کے حربے اور وسائل بروئے کار لاتے ہیں، خواہ ان میں دیگر ائمہ کرام کے تقدس و احترام کی پامالی ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے بھی بڑھ کر کتاب و سنت کی خلاف ورزی کا ہی کیوں نہ ارتکاب کرنا پڑے ۔ مثال کے طور پر یہی لے لیجئے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی مخصوص طور پر عدم تقلید کو لادینیت، بددینی اور لامذہبیت سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ انجام و نتائج کی پرواہ کئے بغیر بڑے زور و شور سے اس کی تشہیر کی جا رہی ہے ۔ کتابوں پر کتابیں تصنیف کی جا رہی ہیں ۔ حالانکہ ہر دور اور ہر زمانے میں ایسے علماء کا گروہ ضرور موجود رہا ہے جس نے تقلید جامد کو مذموم قرار دیتے ہوئے عدم تقلید کی راہ اپنائی بلکہ اس کی دعوت بھی دی ہے، ائمہ اربعہ کی تقلید کے وجوب پر اجماع ثابت کرنے کے لئے چاہے جتنا زور صرف کیا جائے اس حقیقت کو شاید ہی کوئی جھٹلانے کی جسارت کر سکے ۔ سابقہ سطور میں ایسے بعض علماء کی واضح دلائل کی روشنی میں نشاندہی کی جا چکی ہے،(۲) اس سے جہاں ائمہ کرام کی تقلید پر دعوی اجماع کی حقیقت واشگاف ہو

(۱) ملاحظہ ہو: اہل خیر حضرات سے مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کے اراکین کی دردمندانہ اپیل (ص ۱۲)

(۲) افسوس کہ طہٰ شیرازی نامی ڈرامہ باز کو ان اقتباسات میں "ملی کا دھیان چھینکے پر" یا "بھوکے کے دو اور دو مل کر

جاتی ہے وہیں ائمہ کرام کی توقیر واحترام کے دعوی کا کھوکھلا پن بھی واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس سے ان علماء امت کا بھی لا مذہب، بے دین اور غیر مقلد ہونا لازم آتا ہے جو ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی تقلید کے قائل نہیں تھے؟ اس سے بڑھ کر قرون مشہود لہا بالخیر جن میں صحابہ کرام، تابعین عظام، اتباع تابعین اور ائمہ کرام شامل ہیں، جو رواج تقلید سے پہلے پائے جاتے تھے، وہ سب کے سب لا مذہب قرار پائیں گے (نعوذ باللہ من ذلک)۔ اس سے بھی بڑھ کر کوئی اور گستاخی ہو سکتی ہے؟ جن کے واسطے سے ہم تک دین اپنی صحیح شکل میں پہونچا اور جنہوں نے دین اسلام کی نشر واشاعت میں اپنے خون بہائے، ہر قسم کی تکلیفیں اور

= چار روٹی" کے مانند تقلید ہی کی جھلک نظر آئی، چنانچہ اپنے ایک ڈرامے میں "جھوٹ کا پول کھل کر رہتا ہے" کے عنوان سے کافی "مہذب" انداز میں سین پیش کیا ہے، ظاہری بات ہے تہذیب وثقافت پر انہی لوگوں کی اجارہ داری ہے، کچھ بھی کریں وہ تہذیب کے دائرہ میں ہی شمار کیا جائے گا، کہا جاتا ہے کہ کسی بھی صاحب قلم کی تحریر میں اس کے اپنے معاشرہ، فطرت اور صنعت وحرفت کا عکس نمایاں ہوتا ہے، موصوف شیرازی اپنے باپ بیٹے کی زبان میں لکھتے ہیں: اس سے (یعنی راقم کی تحریروں سے) عدم تقلید کا ثبوت زمانہ قدیم میں ثابت ہو جائے گا، مگر تقلید کا ثبوت بھی چوتھی صدی ہجری سے پہلے ثابت ہو جائے گا"۔ زمزم ج ۲ ش ۱۰ (ص ۶۱)

لیکن انہیں یہ نظر نہیں آیا کہ ائمہ اربعہ کی تقلید پر اجماع کا جو دعوی کیا جاتا ہے ان اقتباسات سے اس کی بھی مبینہ طور سے نفی ہو جاتی ہے۔ اور رہا یہ مسالہ کہ تقلید کا رواج کب سے ہوا چوتھی صدی سے یا دوسری صدی سے، یہ کوئی اہم مسالہ نہیں رہ گیا ہے کیونکہ اب تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے سے ہی تقلید کے رواج کا دعوی کیا جارہا ہے۔ ملاحظہ ہو: رد غیر مقلدیت (۲/۳۲-۴۰)

اس پر آدمی یہی کہہ سکتا ہے کہ کچھ عجب نہیں مرور زمانہ کے ساتھ مولانا ابو بکر غازی پوری کی نسل سے ایسے محققین جنم لیں گے جو عہد نبوی سے ہی رواج تقلید کا دعوی کر بیٹھیں گے بلکہ ایک بزرگ بہت ہی پہلے اس کا دعوی کر چکے ہیں چنانچہ تقلید کو عہد رسول ﷺ سے ہی متوارث بتلایا ہے، ملاحظہ ہو: مقدمہ اعلاء السنن (۲/۷) جس طرح انہی کے ایک محقق نے اہلحدیثیت کی جدت وحداثت کو ثابت کرتے ہوئے اسے ڈیڑھ سو صدی (یعنی رسول اکرم ﷺ کی ولادت سے ہزارہا سال قبل) پرانی جماعت قرار دیا ہے، اور اس اعتراف کے باوجود کہ نماز میں رفع الیدین کا مسالہ صحابہ کرام کے زمانہ سے ہی مختلف فیہ چلا آرہا ہے، تاہم رفع الیدین کی جملہ احادیث ضعیف، موضوع، معضل، مضطرب، شاذ، منکر اور غیر سالم عن المعارضہ ہیں، یعنی کچھ صحابہ کرام ایسے بھی تھے جو اس نوعیت کی احادیث پر عمل پیرا تھے، (نعوذ باللہ من الخزی والخذلان) یہ ہے تقلید کا نشہ جس نے صحابہ کرام کو بھی نہیں بخشا، ان کو بھی مقلد بنا کر رکھ دیا اور وہ بھی ضعیف، موضوع، معضل ومنکر احادیث پر عمل کیا کرتے تھے، اور یہ ہے روشن دماغی جس کو کتب فقہ کی گردان سے جلا بخشا جاتا

مشقتیں برداشت کیں، وہی آج بزبان قال نہیں تو بزبان حال لامذہب اور بے دین قرار دیئے جارہے ہیں، اور سوال کیا جارہا ہے کہ کیا صحابہ وتابعین وغیرہ جنہوں نے ائمہ اربعہ کی تقلید نہیں کی اچھے تھے، یا آج کے وہ مسلمان اچھے ہیں جو کسی ایک امام کی تقلید کرتے ہیں۔ افسوس ہے ایسی عقلوں پر جو تقلید کی بھٹی میں اس قدر تپی ہوئی ہیں کہ انجام ونتائج کی پرواہ کئے بغیر ظالمانہ احکام کی ایسی چھری چلاتی ہیں جس کی زد سے اسلاف امت بھی محفوظ نہیں رہ سکے۔

اگر ائمہ اربعہ رحمہم اللہ میں سے کسی ایک کی عدم تقلید یا ان سے کسی مسائلے میں اختلاف (دلائل کی روشنی میں) لامذہبیت اور بے دینی ہے تو آپ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ان شاگردوں کے بارے میں کیا کہنا پسند کریں گے جنہوں نے امام موصوف کے شاگرد ہونے کے باوجود ان کی تقلید جامد نہیں کی، بلکہ مذہب کے ایک تہائی مسائل میں دوسرے قول کے مطابق دو تہائی مسائل میں اپنے استاذ کی مخالفت کی ہے۔(۱)

ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کو غیر ضروری قرار دینے کو باعث گستاخی اور بے ادبی کہنے سے درحقیقت اپنی گستاخی اور بے ادبی کی پردہ داری مقصود ہے۔ یوں تو بظاہر ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے مذاہب کو برحق کہا جاتا ہے اور اس کا اعلان کیا جاتا ہے، لیکن ان مقلدین کی کتابوں کو دیکھ کر ہر شخص بآسانی ازخود فیصلہ کرسکتا ہے کہ یہ حضرات اپنے دعویٰ توقیر واحترام میں کتنے سچے ہیں۔ اپنے امام اور علماء مذاہب کے حق میں مبالغہ کی حد تک تعریف وتوصیف اسی وقت مکمل تصور کرتے ہیں جب تک دیگر ائمہ کرام اور علماء کی تنقیص نہ کرلیں، اور اس مقصد کے لئے وضع حدیث (حدیث گھڑنے) سے بھی گریز نہیں کرتے۔ مخالفین مذہب کو اہل کتاب بلکہ کفار تصور کرتے ہیں۔ مخالف مذہب احادیث کی من گھڑت تاویل بلکہ تکذیب سے کام لینا ان کے یہاں معیوب نہیں ہے۔ اور اس نوعیت کی احادیث کے روایت کرنے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی ہدف طعن وتشنیع بنانے میں

---

(۱) ملاحظہ ہو: ردالمختار (۱/۱۶۶) ومقدمہ عمدۃ الرعایۃ (۸) نیز: التحریر المختار لرد المحتار (ص ۱۱ بولاق مصر)

پس و پیش نہیں کرتے۔ اس کے لئے ان کے یہاں کچھ مسلمہ اصول بھی بنائے گئے ہیں، جن کے بطلان اور فساد کا خود ان کے بعض اکابرین کو بھی اعتراف ہے، اور ان اصولوں کو کتابوں سے خارج کر دینے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ نہ تصور کیا جائے کہ یہ تمام باتیں تعصب اور عداوت و دشمنی کی وجہ سے کہی جا رہی ہیں۔ ہم تو اللہ تعالی سے اس قسم کی بیماریوں سے اس کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ مذکورہ تمام حقائق پر انہی کی کتابوں سے واضح دلیلیں اپنے بعض مضامین اور زیر مطالعہ مضمون کی سابقہ سطروں میں پیش کر چکے ہیں۔ ان شاء اللہ آئندہ سطروں میں بھی موقعہ و محل کی مناسبت سے پیش کی جائیں گی۔ البتہ یہاں اتنا ضرور عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ اگر ان کی مراد اسی قسم کی مذہبیت ہے تو ہم ایسی مذہبیت کے نہ صرف منکر بلکہ اس سے بے زار بھی ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی اس طرح کی مذہبیت سے ہم کو محفوظ و مامون رکھے، آمین۔

اور اگر مذہبیت سے مراد کتاب اللہ اور سنت رسول کی اطاعت و پیروی ہے اور ائمہ سلف کے نقش قدم پر چلنا ہے اور در حقیقت یہی مذہبیت ہے بھی، تو ہم اس مذہبیت کے نہ صرف حامل بلکہ امت کے ہر فرد پر اس کو واجب اور فرض سمجھتے ہیں۔

اور یہ دعوی کہ علماء متقدمین جن کو اہل حدیث کہا گیا ہے اور موجودہ اہلحدیث کے مابین دور کا بھی واسطہ نہیں ہے بلکہ موجودہ اہلحدیث اور علماء متقدمین کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے در حقیقت ایک دھاندلی ہے جس کے ذریعہ سادہ لوح عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے اور مسلک اہلحدیث سے بدظن کرنے کی سعی نامسعود ہے۔ ورنہ وہ خود اچھی طرح جانتے ہیں کہ اہلحدیثوں نے کبھی بھی متقدمین سے ہم سری کا دعوی نہیں کیا نہ کسی چیز میں ان سے برابری کا تصور کیا۔ لہذا ان کے اور متقدمین کے درمیان علم و عمل، کردار و اخلاق اور تقوی و طہارت ہر چیز میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ اور یہ چیز صرف انہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ تمام مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ آج کے مسلمانوں اور سابقہ زمانہ کے مسلمانوں میں زمین و آسمان کا ہر اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے۔ تو کیا آج کے

مسلمان کو مسلمان نہ کہا جائے؟ چونکہ آپ کے یہاں ایمان میں کمی وبیشی نہیں ہوتی اس لئے ہوسکتا ہے آپ اپنے آپ کو ایمان ویقین میں اور نتیجۃً علم وعمل میں بھی صحابۂ کرام، تابعین عظام، ائمہ سلف کے برابر اور مساوی سمجھتے ہوں۔ کم از کم ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ آپ اپنے تئیں کچھ بھی اپنے کو سمجھیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دور کے احناف میں خواہ وہ مقام ولایت میں جس مقام کو پہونچے ہوں اور متقدمین احناف میں بعد المشرقین والمغربین پایا جاتا ہے جیسا کہ سابقہ سطور میں مثالوں کے ذریعہ واضح کیا جا چکا ہے۔ موجودہ دور کے اہلحدیثوں نے اپنے لئے لفظ ''اہل حدیث'' کا انتخاب کر کے پہلے کے اہلحدیثوں سے ہمسری، برابری یا ان سے منازعت کا خواب نہیں دیکھا تھا بلکہ اس سے ان کا مقصد اصول وفروع میں مذہب اہلحدیث اور منہج محدثین کا اتباع والتزام تھا۔

وجوب تقلید پر ایک عجیب وغریب طرز استدلال

اس تغیر پذیر دنیا کے اندر روزانہ ایک نئی چیز کا ظہور ہوتا ہے، جدید اختراعات سامنے آتی ہیں جو لوگوں کو ورطۂ حیرت میں ڈالنے کا سبب بنتی ہیں۔ شاید اسی سے متاثر ہوکر ایوان تقلید سے تقلید کے وجوب کو ثابت کرنے کے لئے نئے نئے طریقے ایجاد کئے جاتے ہیں تاکہ لوگوں کے گرد قائم کردہ حصار تقلید کو مضبوطی عطا کی جائے۔ چنانچہ اسی طرح کا ایک جدید اور انوکھا استدلال کچھ عرصہ پہلے دیکھنے کو ملا، جو "نظرة وتأملات" کے عنوان سے ایک تین صفحاتی وثیقہ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس وثیقہ کی توزیع وتقسیم کے لئے ڈاک کا سہارا لیا گیا تھا۔ تعجب خیز امر یہ ہے کہ اس کے ٹائیٹل پیج پر ایک بین الاقوامی شہرت یافتہ علمی وفکری وادبی شخصیت کا نام نامی مذکور ہے۔ وثیقہ کے مندرجات کو دیکھ کر ذہن اس بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے کہ اتنی بڑی شخصیت سے اس قسم کا عمل صادر ہوسکتا ہے کیونکہ اسے ہم اس نوعیت کے عمل سے بالاتر تصور کرتے ہیں۔ کچھ بعید نہیں کہ غلط طریقے

سے اس نام کو استعمال کیا گیا ہو۔ واللہ أعلم بحقیقۃ الأمر۔

بہر حال مذکورہ وثیقہ میں لفظ ''تقلید'' سے گریز کرتے ہوئے عصر حاضر میں تقلید کی اہمیت وضرورت اور اس کے وجوب کو بالکل نئے اسلوب اور جدید طرز میں ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نام کی صراحت کیے بغیر جماعت اہلحدیث کو ہدف ملامت وتنقید بنایا گیا ہے، اور یہ الزام عاید کیا گیا ہے کہ یہ جماعت تقلیدی مذاہب خصوصاً حنفی مذہب کو اپنے شدید حملوں کا نشانہ بناتی ہے جبکہ برصغیر میں مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت حنفی مذہب کی مقلد ہے۔ جن بنیادوں پر تقلید کے وجوب کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱- چونکہ موجودہ دور کو اسپیشلا ئزیشن کا دور کہا جاتا ہے، ہر معاملہ میں اصحاب اختصاص ہی کی جانب رجوع کیا جاتا ہے، اس لئے زمانہ کی رعایت کرتے ہوئے تقلید کے مروجہ لفظ سے مکمل اجتناب کیا گیا ہے، اور اصحاب اختصاص (اسپیشلسٹ حضرات) کی جانب ہر معاملہ میں رجوع کو بنیاد بنا کر دینی معاملہ میں اصحاب اختصاص کی طرف رجوع (دوسرے صاف لفظوں میں تقلید) کو واجب وضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح تقلید کی قباحت پر نہایت خوشنما غلاف چڑھا کر بڑے ہی حسین انداز میں اسے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کے وجوب کو ثابت کیا گیا ہے۔

۲- ابتدائی دور میں کسی خاص فقہی مکتب فکر کی عدم پابندی کو زمانے کی طبیعت سے ہم آہنگ اور وقت کے تقاضوں کے عین مطابق قرار دیا گیا ہے، اور جب تقلید کا رواج ہوا اور کسی ایک خاص فقہی مکتب فکر کی پابندی اور اس کی تقلید کو واجب وضروری قرار دیا گیا تو وہ بھی وقت کی ضروریات میں سے ایک اہم ضرورت اور زمانہ کا ایک غیر معمولی تقاضہ تھا۔(۱)

---

(۱) یہاں تقلید کے عدم رواج اور کسی خاص مکتب فکر کے عدم التزام کو ابتدائی دور کی طبیعت اور اس کے تقاضوں سے ہم آہنگ قرار دیا جا رہا ہے، جبکہ انہی کے بعض اہل علم یہ کہہ آئے ہیں کہ تقلید کا رواج عہد رسول علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم سے ہی متوارث چلا آ رہا ہے، ملاحظہ ہو: مقدمہ اعلاء السنن (۲/۷)

۳ - موجودہ دور الحاد و مادیت کا دور ہے۔ مسلم معاشرہ کو مختلف حد درجہ خطرناک چیلنجوں کا سامنا ہے۔ لوگ خواہشات نفس کی پیروی میں دینی، اخلاقی اقدار و قیود سے آزاد ہونے کے لئے بے چین ہیں بلکہ آزاد ہوتے جا رہے ہیں۔ اس صورتحال میں کسی ایک خاص مذہب کا التزام اور اس کی پابندی اشد ضروری ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کسی ایک فقہی مسلک اور مکتب فکر کے ذریعہ درپیش چیلنجوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد اصل مقصد کو بیان کیا گیا ہے جس کی طرف سابقہ سطور میں اشارہ کیا جا چکا ہے، یعنی برصغیر میں ایک جماعت حنفی مکتب فکر کو شدید نکتہ چینی کا نشانہ بناتی چلی آ رہی ہے۔

غیر جانبداری کے ساتھ مذکورہ دلائل کا جائزہ لیتے ہیں تو حسب ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:

۱- اصحاب اختصاص اور ماہرین علم وفن اور صنعت وحرفت سے رجوع کی بات اپنی جگہ صدفی صد بجا اور درست ہے۔ ہر دور اور ہر زمانہ میں اس کا التزام کیا جاتا رہا ہے بلکہ عصر حاضر میں اِس کا کچھ زیادہ ہی اہتمام کیا جاتا ہے۔ لیکن کسی ایک صاحب اختصاص اور ماہر فن پر مکمل انحصار اور کلی اعتماد کو ہم تسلیم کرنے سے عاجز ہیں کیونکہ مشاہدات و تجربات سے یہ بات ثابت ہے کہ لوگ معمولی سے معمولی معاملات میں بھی کسی ایک صاحب اختصاص یا ماہر فن پر مکمل انحصار نہیں کرتے، بلکہ مختلف اصحاب اختصاص اور ماہرین سے رجوع کرنے کے بعد ہی عملی قدم اٹھاتے ہیں تاکہ غلطی کا امکان کم ہو۔ اگر کسی وجہ سے کسی ایک صاحب اختصاص پر انحصار کر بھی لیا تو ناکافی یا غلطی کا امکان ظاہر ہوتے ہی فوراً کسی دوسرے بڑے ماہر فن اور صاحب اختصاص کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ بلکہ کسی ایک پر انحصار لوگوں کے لئے باعث ندامت اور صد افسوس بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ لہذا دین جیسے اہم اور نازک معاملہ میں کسی ایک شخص پر کلی انحصار کیونکر قابل قبول ہو سکتا ہے۔ یا انحصار کر بھی لیا جائے تو غلطی یا عدم درستگی کے ظاہر ہو جانے پر اصرار و عناد کا موقف نہ اختیار کرتے

ہوئے غلطی کے ازالہ اور عدم درستگی کی راہ سے بچنے کی کوشش ضروری ہو جاتی ہے۔ اگر ہم تقلید کو اصحاب اختصاص کی جانب رجوع پر قیاس کرتے ہیں یا ماہرین فن پر انحصار کا نام دیتے ہیں تو اس سے کسی ایک شخصیت یا کسی ایک فقہی مسلک میں اپنے آپ کو محصور کر لینے کے جواز یا وجوب پر کس طرح استدلال کیا جا سکتا ہے؟

۲-صدر اول اور قرون اولی میں عدم تقلید اور بعد کے ادوار میں تقلید کے رواج کو وقت اور زمانہ کی ضرورت اور تقاضا قرار دینے کی صورت میں شریعت اسلامیہ کا عدم کمال اور اس کا ناتمام ہونا لازم آتا ہے۔ اور یہ کہ وقت اور زمانے کی طبیعت اور اس کے تقاضوں کی روشنی میں ثابت شدہ احکام میں تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ گویا دینی معاملات میں وقت اور زمانے کا اعتبار کیا جا سکتا ہے، اور اس کو بھی تشریعی مصادر میں ایک مصدر کی حیثیت حاصل ہے۔ حالانکہ یہ نہایت غلط اور حد درجہ مخالف کتاب وسنت بات ہے۔ اگر ہم اس کو تسلیم کر لیتے ہیں تو آزاد خیال اور دینی واخلاقی اقدار وقیود سے بے زار حضرات کی منہ مانگی مراد بر آئے گی، جو متعدد شرعی احکام کو ترقی کی راہ میں حائل ایک بڑی رکاوٹ تصور کرتے ہیں۔ وقت اور زمانے کے تقاضوں کی رعایت کرتے ہوئے ان میں تبدیلی کے خواہاں ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ تقلید کے سلسلے میں وقت کے تقاضوں کی رعایت کی جائے، اور دیگر احکام میں ان کی رعایت نہ کی جائے، حالانکہ بعض ائمہ سلف سے نہایت واضح الفاظ میں منقول ہے:

"لن يصلح آخر هذه الأمة إلا ما أصلح أولها".

یعنی اس امت کے آخر کو وہی چیز درست کر سکتی ہے جس نے اس کے اول کو درست کیا تھا۔

کیا اس وضاحت کے بعد بھی زمانے اور وقت کے تقاضوں اور ان کی طبیعت کا اعتبار کیا جا سکتا ہے؟؟

۳-درپیش مسائل ومشکلات اور چیلنجوں سے نمٹنے کے لئے تقلید کو لازمی قرار دینا درحقیقت مسائل کا حل نہیں ہے۔ اگر حقیقی معنوں میں ہم مسائل کا حل چاہتے ہیں تو

کتاب وسنت اور سلف امت سے اپنے رشتوں کو مضبوط کریں۔ کیونکہ کتاب وسنت ہی ہماری جملہ مشکلات کے حل کی ضمانت فراہم کرتے ہیں۔ اور منہج سلف ہی کو اپنا کر جن چیلنجوں کا ہمیں سامنا ہے، ہم ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ واقعات ومشاہدات بتلاتے ہیں کہ تقلید کے ذریعہ افراد امت کی شیرازہ بندی کا دعوی محض دعوی ہے، امر واقع سے اس دعوی کو ادنی سی بھی نسبت نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تقلید کی جکڑ بندیوں نے ہی امت کو مختلف کیمپوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا ہے۔ بلکہ ایک ہی مذہب کے ماننے والے جماعت در جماعت، گروہ در گروہ میں بٹ کر رہ گئے ہیں اور تقسیم امت کا سلسلہ ہنوز جاری ہے بند نہیں ہوا ہے۔ جبکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ ایک مذہب کے مقلدین کم از کم ایک پلیٹ فارم پر جمع رہتے، ان کے مابین کوئی تقسیم نہ ہوتی، جیسا کہ تقلید کے بارے میں دعوی کیا جاتا ہے۔ حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسی طرح ان تمام دینی واخلاقی برائیوں اور چیلنجوں میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے، جن پر قدغن لگانے کے لئے تقلید کو واجب اور فرض قرار دیا جارہا ہے۔ جبکہ دعوی کے مطابق ہونا یہ چاہئے تھا کہ تقلیدی معاشرہ میں ان کا وجود ہی نہ ہوتا۔ کیونکہ مقلدین کی کثرت ہے۔ تنہا حنفی مسلک کے مقلدین کی تعداد مسلمانان عالم کی دو تہائی کے برابر ہے، جیسا کہ علامہ زاہد کوثری نے صراحت کی ہے(۱) اور ایک تہائی میں مالکی، شافعی، حنبلی اور دیگر مذاہب کے ماننے والے ہیں۔ تو تقلید کی بنیاد پر عالم اسلام سے برائیوں کا بالکل خاتمہ ہونا چاہئے تھا۔

اور یہ دعوی کہ ترک تقلید سے ہی انکار حدیث، قادیانیت جیسے فتنے جنم لیتے ہیں۔ اس کی حیثیت اتہام سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر کسی غیر مقلد نے انکار حدیث کی راہ اپنائی یا قادیانیت کو اختیار کیا تو مقلدین میں سے بھی ایسی دسیوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جن میں لوگوں نے نہ صرف انکار حدیث کی راہ اپنائی یا قادیانیت اختیار کی بلکہ ان فتنوں کی آبیاری میں قائدانہ رول ادا کیا۔ فتنوں کا تعلق ترک تقلید سے نہیں بلکہ شیاطین جن وانس

---

(۱) تانیب الخطیب، مولفہ: زاہد الکوثری (ص:۲)

اور خواہشات نفس کی اتباع اور پیروی سے ان کا ربط ہے۔ بلکہ دیکھا جائے تو تقلید سے ہی بہت سے فتنے رونما ہوئے ہیں، جیسا کہ آگے اس کو واضح کیا جائے گا ان شاء اللہ۔ کیا یہ کم بڑا فتنہ تھا کہ تقلید کے نتیجے میں امت اپنے مرکز وحدت مسجد حرام ہی میں چار مختلف مصلوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی تھی۔ ہر مذہب کے ماننے والے الگ الگ اپنے اپنے امام کے پیچھے مسجد حرام میں پنج وقتہ نمازیں ادا کرتے تھے۔ ایک رسول اور ایک قرآن کو ماننے والی ایک امت ایک اللہ کے لئے، ایک وقت کی نماز ایک قبلہ کی طرف ایک مسجد میں بیک وقت چار الگ الگ محرابوں میں چار اماموں کے پیچھے ادا کرے، کیا یہ کوئی معمولی فتنہ تھا؟ واللہ! یہ ایک نہایت ہی عظیم فتنہ تھا جس سے امت دو چار تھی۔ اللہ تعالی کے فضل وکرم اور پھر سعودی حکومت کی کوششوں سے امت کے چہرے سے اس بدنما داغ کا ازالہ ہوا، فالحمد للہ علی ذلک۔ امت کے باغیرت لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن کچھ لوگ آج بھی پائے جاتے ہیں جو تقلید کی بھٹی میں اس حد تک تپے ہوئے ہیں کہ سابقہ دور کو یاد کر کے آہیں بھرتے ہیں۔ ملک عبدالعزیز رحمہ اللہ کے اس عظیم کارنامہ پر خوش ہونے اور اللہ تعالی کا شکر بجالانے کے بجائے کف افسوس ملتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور ان کے حق میں دعائے خیر کے بجائے اس سابقہ دور کے لوٹ آنے کی اللہ تعالی سے آرزو اور تمنا کرتے ہیں۔

''لامذہبیت'' کی اصطلاح کا تاریخی پس منظر

ایک عرصہ تک ترک تقلید کو ''غیر مقلدیت'' کا نام دیا جارہا تھا۔ سابقہ سطور میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ ''غیر مقلدیت'' کی اصطلاح کب اور کن لوگوں کے ہاتھوں ایجاد کی گئی اس کی تحدید وتعیین ایک مشکل امر ہے، تاہم اتنا واضح ہے کہ اس اصطلاح کی ایجاد بہت بعد میں عمل میں آئی ہے۔ کیونکہ سابقہ ادوار میں تقلید کے رواج کے باوجود ہمیں ایسی

مثالیں بکثرت ملتی ہیں جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر اہل علم نے تقلید کی راہ اپنانے سے گریز کیا ہے، یا تقلید پر کچھ دنوں کاربند رہنے کے بعد اسے ترک کر دیا۔ لیکن ہمیں اس کی مثال نہیں ملتی کہ وہ معاشرہ میں مبغوض قرار دیئے گئے ہوں، یا انہیں ''غیر مقلدیت'' کا طعنہ دیا گیا ہو۔ بلکہ سرے سے ہمیں قدیم کتابوں میں اس لفظ کا ذکر ہی نہیں ملتا ہے۔ اس کے برخلاف تقلید کی قباحت وشناعت میں علماء کرام کے بے شمار اقوال ملتے ہیں۔ بہرحال غیر مقلدیت کے ذریعہ نبز بالألقاب سے جی بھر گیا تو اب ایک نئی اصطلاح ایجاد کی گئی ہے اور بڑے شد ومد کے ساتھ اس کا استعمال کیا جا رہا ہے اور اس کو شہرت دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اور وہ ہے ''لا مذہبیت''۔ اس نئی اصطلاح کی ایجاد واختراع کا سہرا کس کے سر جاتا ہے، اس سلسلے میں بھی قطعیت کے ساتھ کچھ کہا نہیں جا سکتا ہے۔ لیکن اتنا طے ہے کہ غیر مقلدیت کی طرح یہ اصطلاح بھی قدیم نہیں جدید بلکہ جدید تر ہے۔ ''رد غیر مقلدیت'' کے مصنف تفقہ مآب محمد ارشد اعظمی صاحب (جو مفتی اعظم کا لقب رکھتے ہیں) کی تحقیق انیق کے مطابق صاحب مظاہر حق نواب قطب الدین (م ۱۲۸۹ھ) نے اپنے رسالہ موسوم بہ "تحفة العرب والعجم" میں مولانا عبدالحق محدث بنارسی اور ان کی جماعت کے حق میں ''لا مذہبی'' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ (۱)

دوسری قدیم ترین شخصیت جس نے ''لا مذہبیت'' کی اصطلاح استعمال کی ہے وہ علامہ زاہد کوثری (م ۱۳۷۱ھ) کی شخصیت ہے، جن کی مسلک حنفی پر فدائیت کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی فضیلت و برتری ثابت کرنے اور ان پر کیئے گئے بعض اعتراضات کا جواب دینے کے لئے امام مالک، امام شافعی اور دیگر ائمہ حدیث (رحمہم اللہ) کو آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ خاص طریقے سے امام شافعی رحمہ اللہ کی فقاہت، عدالت، اور زبان دانی سمیت ان کے حسب ونسب پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ (۲)

---

(۱) رد غیر مقلدیت (۱/۴، ۲۲)

(۲) کوثری کے انہی تصرفات کی وجہ سے ابو الفیض احمد بن الصدیق غماری نے ان کو "مجنون ابی حنیفة" کا لقب دیا ہے، ملاحظہ ہو: بدع التفاسیر مؤلفه عبدالله غماری (ص ۱۸۱)

ان کا کہنا ہے: ''اللامذهبية قنطرة اللادينية ''(۱) یعنی لامذہبیت بے دینی کا پل ہے۔ اپنی کتاب ''الترحيب بنقد التأنيب ''میں بھی اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے۔(۲)

ان کے بعد جن صاحب نے ''لامذہبیت'' کی اصطلاح استعمال کی ہے وہ ہیں شام کے عالم ڈاکٹر محمد سعید رمضان بوطی۔ آپ نے " اللامذهبية أخطر بدعة تهدد الشريعة الاسلامية " کے عنوان سے ایک کتاب ہی تصنیف کر ڈالی ہے، یعنی لا مذہبیت شریعت اسلامیہ کے لئے دھمکی آمیز ایک حد درجہ خطرناک بدعت ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موصوف ابوبکر غازی پوری اس سلسلے میں ان کے خوشہ چیں ہیں، حبّ علی نے نہیں بلکہ بغض معاویہ نے دونوں کو قریب کر دیا ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر بوطی صاحب شافعی ہیں اور غازی پوری صاحب حنفی۔ تقلید کی قدر مشترک کے ساتھ سلفیت دشمنی اور علامہ البانی رحمہ اللہ سے بغض وعداوت نے دونوں کو جمع کر دیا ہے۔ ورنہ احناف وشوافع کے مابین زمین وآسمان کا بعد پایا جاتا ہے، جیسا کہ آگے چل کر کہیں اس کی وضاحت کی جائے گی۔ موصوف بوطی صاحب سلفیت دشمنی میں اس قدر تپے ہوئے ہیں کہ انہیں یہ چیلنج کرنے میں ذرا بھی شرم وحیا دامن گیر نہیں ہوئی کہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں سلفیت کا لفظ ہی انہیں نظر نہیں آیا۔ اور نہ اس نام کی کوئی جماعت دکھلائی دی۔ اور اس کے ساتھ ہی سلفیت پر بدعت کا حکم چسپاں کر دیا، جس سے ان کی علمی تہی دامنی، سلفیت سے بغض وحسد کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے اسی عناد کو دیکھ کر محدث عصر اور بقول فقیہ سید واڑہ سلفیت کے امام علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کو مناظرہ کی پیش کش کرنی پڑی، جو بمشکل تمام انہی یعنی موصوف بوطی کے گھر میں صرف ایک قسط میں منعقد ہوسکا۔ دوسری قسط کی کوششوں کے باوجود نوبت نہیں آسکی۔ اس مناظرہ کی مختصر روداد شیخ محمد عید عباسی نے اپنی معرکۃ

(۱) بدعة التعصب المذهبي (ص۱۴۲)

(۲) ان کی عبارت ملاحظہ ہو: وأما عندي فربما يكون هذا الناقد من اللامذهبية الحدثاء الذين يضللون أتباع أئمة الهدى المتبوعين، الترحيب بنقد التأنيب (ص ۲۹۵ مطبوع مع التأنیب)

الآراء کتاب "بدعة التعصب المذهبی" میں ذکر کر دیا ہے۔اور ساتھ ہی ان کی لا مذہبیت والی کتاب کا حقیقت پسندانہ جائزہ بھی لیا ہے، فجزاه الله أحسن الجزاء۔

برصغیر ہند و پاک میں ''لا مذہبیت'' کی اصطلاح کو فروغ دینے کی وسیع پیمانے پر کوشش ہو رہی ہے، اور اسے خوب رواج دیا جا رہا ہے۔عوام کو یہ باور کرانے کی مہم چلائی جا رہی ہے کہ عدم تقلید مذہبی بے راہ روی کے عین مترادف ہے، تاکہ عوام ان کے غلط پروپیگنڈوں سے متاثر ہو کر اہلحدیثوں کے قریب نہ جائیں، اور ان کی دعوت جو کتاب وسنت کے عین موافق ہے کو نہ سن سکیں۔ کیونکہ آج عوام کے ایک بڑے طبقہ میں دینی بیداری پیدا ہو چکی ہے۔محض آباء واجداد کی تقلید کی بنیاد پر کسی چیز کو قبول کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار نہیں پاتے ہیں جب تک کہ اسے اچھی طرح سمجھ نہ لیں، اور کتاب وسنت سے اس کی دلیل نہ جان لیں۔لہذا ان کے لئے ضروری تھا کہ اس دعوت کے خلاف ایسی مہم چلائی جائے جس سے عوام میں اس سے بدظنی پھیل جائے اور وہ سلفیوں کی کسی بات کو سننے کے لئے تیار ہی نہ ہوں۔خاص اسی مقصد کے تحت جرائد ومجلات نکالے جا رہے ہیں، بلکہ دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم ادارہ میں ان کے خلاف طلبہ کی ذہن سازی کی جاتی ہے، اور ان کی لا مذہبیت وبددینی کو (اپنے زعم کے مطابق) نونہالان امت کے ذہنوں میں بیٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔چنانچہ اس مقصد نیک کی خاطر مستقل کتابیں تصنیف کر کے انہیں داخل نصاب کیا گیا ہے۔

دیوبند کے ایک لائق سپوت محمد ابوبکر غازی پوری نے " وقفة مع اللامذهبية " لکھ کر اس مہم کو مہمیز لگانے کی عظیم خدمت انجام دی ہے۔ جب وابستگان دارالعلوم کو اس خدمت جلیلہ سے آگاہی حاصل ہوئی تو اسے لازمی طور پر بنظر تحسین دیکھا، آنکھوں سے لگایا، مؤلف کتاب کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا، اور دل کھول کر داد دی، اور انہیں اتنی پذیرائی حاصل ہوئی کہ اہلحدیثوں کو منبوذ (اچھوت) کہنے والے یہ حضرت جو خود اپنی جماعت میں اچھوتوں کی زندگی گذار رہے تھے اس سے نکل کر قوم کے ہیرو بن گئے۔

''لا مذہبیت'' کی اصطلاح کو جس شد و مد سے عام کیا جارہا ہے خوف ہے کہیں غیر مقلدیت کی طرح اس کو بھی اتنا رواج نہ حاصل ہو جائے کہ جس طرح غیر مقلدیت اور اہلحدیثیت کو ہم معنی سمجھا جانے لگا ہے اسی طرح لا مذہبیت اور اہلحدیثیت کو بھی کچھ دنوں بعد ہم معنی سمجھا جانے لگے۔ اور پھر کچھ عرصہ بعد ابوبکر غازی پوری جیسے فقیہ اعظم پیدا ہوں اور ناموں کے تعلق سے اہلحدیثوں کے تقلبات سے نقاب کشائی کرتے وقت ''لا مذہبیت'' کو بھی شمار کرنے لگیں، اور کہنے لگیں کہ ایک زمانہ میں اہلحدیثوں نے اپنا نام ''لا مذہب'' بھی رکھا تھا، جس پر ان کو کافی ناز تھا۔ اور اپنے ذہن و دماغ سے اس کا کوئی سبب بھی متعین کر لیں یا موقعہ و محل کی مناسبت کے پیش نظر اسے نامعلوم اور مجہول قرار دے کر اس پر کوئی بڑی عمارت قائم کرنے کی کوشش فرمائیں جیسا کہ موصوف غازی پوری نے اہلحدیثوں کے مختلف ناموں کا تذکرہ کرتے وقت کیا ہے اور اپنی غیبی صلاحیت و کشفی قوت کا مظاہرہ کیا ہے۔ غیر مقلدیت کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''انہوں نے ''غیر مقلدین'' کا بھی لقب اختیار کیا تھا، اور ایک طویل مدت تک اسی لقب پر بھی قائم رہے اور بڑے فخر و مباہات سے ائمہ اسلام میں کسی کی عدم تقلید کا اظہار کرتے تھے''(۱)

---

(۱) وقفة مع اللامذهبية (ص ۲۸)

سابقہ سطور میں راقم نے عرض کیا تھا کہ اہلحدیثوں نے کبھی بھی غیر مقلدین کے لقب پر ناز نہیں کیا اور نہ اسے اپنے لئے پسند کیا، اس پر موصوف غازی پوری کے شاگرد رشید بلکہ دایاں بازو (نور علی نور) اپنے زمزم (ش ۱۰ ج ۲ ص ۲۹) میں مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم صاحب کی (مارے جوش و جذبہ کے عبدالعظیم ابوالقاسم لکھ مارا ہے) عبارت ''حد تو یہ ہے کہ فریب خوردہ اہلحدیثان ہند جو اپنے آپ کو غیر مقلد کہلوانے میں فخر محسوس کرتے ہیں'' کو پیش کر کے حاشیہ آرائی کرتے ہیں ''اس عبارت کو .... رضاء اللہ... مبارکپوری ذرا غور سے پڑھ لیں تاکہ ان کو اپنی اس بات کی حقیقت معلوم ہو کہ اہلحدیثوں نے کبھی عدم تقلید پر فخر نہیں کیا ہے، اور نہ ان کا نام کبھی غیر مقلد رہا ہے، یہ شہادت ان کے گھر کی ہے، اور انہیں جیسے ایک محقق کی ہے'' اس کرم فرمائی اور ذرہ نوازی پر آں موصوف کا شکریہ ادا کرتے ہیں، ان سے بھی ہماری یہی درخواست ہے کہ مولانا ابوالقاسم کی عبارت پر پہلے وہ خود اپنی چشم بینا اور دل بابصیرت سے غور کر لیں اس کے بعد ہم سے غور کرنے کا مطالبہ کریں، مولانا ابوالقاسم نے فریب خوردہ اہلحدیثان ہند کا نام لیا ہے، نہ کہ علی الاطلاق اہلحدیثان ہند کا۔ ظاہری بات ہے کہ جو فریب خوردہ ہوگا اس کی باتیں ہمارے لئے یا ہمارے خلاف حجت نہیں بن سکتی ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قدرے تفصیل سے ''لا مذہبیت'' کے معنی و مفہوم کی تحدید و تعیین میں مقلدین مذاہب کی تضاد بیانی اور گل افشانی کا تذکرہ کرنے کے بعد ان کی مذہبیت پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے تا کہ " الأشياء تتبين بأضدادها " (یعنی چیزیں اپنی ضد (مخالف) سے زیادہ واضح ہو جاتی ہیں) کے پیش نظر ان کی مذہبیت نکھر کر سامنے آ جائے۔ اگر مذہبیت سے ان کی مراد یہی مذہبیت ہے جو آگے آ رہی ہے اور اسی مذہبیت کے وہ اجارہ دار ہیں تو ہم ایسی مذہبیت کے نہ صرف منکر ہیں بلکہ اللہ رب العزت سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو ایسی مذہبیت سے محفوظ و مامون رکھے۔ (آمین)

(۶)

فتنوں کی جڑ تقلید یا عدم تقلید (۱)

''لا مذہبیت'' کی اصطلاح ایجاد کر کے اہلحدیثوں اور سلفیوں کی نیش زنی کرنا، اسے الحاد و بے دینی یا اسلام کے لئے ایک خطرناک فتنہ قرار دینا اور ترک تقلید کے مہلک نتائج کا ہوّا کھڑا کرنا در حقیقت اپنی بے دینی اور ائمہ کرام کی تقلید پر اپنے جمود کے لئے وجہ جواز فراہم کرنے کی سعی لا حاصل ہے۔ چنانچہ وہ خود مذکورہ صفات کے زیادہ مستحق ہیں، کیونکہ اللہ اور اس کے رسول علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم پر ائمہ کرام کے اقوال خصوصاً فقہاء متأخرین کے فتاوی اور ان کی تفریعات اور فرضی مسائل کو ترجیح دینے کا جو موقف اپنا رکھا ہے اور اس کے نتیجہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ کے حق میں جنم لینے والی بلا کی جو مبالغہ آمیزی ہے وہی در حقیقت بے دینی اور الحاد کی طرف لے جانے والی ہے۔ چنانچہ اطراء و مبالغہ آمیزی پر مبنی اسی موقف نے علامہ عامر عثمانی رحمہ اللہ جیسے جہاندیدہ شخص کو بھی یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ:

''فقہ کے بہتیرے مسائل ایسے ہوتے ہیں جو صرف بادی النظر ہی میں نہیں، بلکہ

---

(۱) یہاں یہ واضح کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم اس قسم کے مسائل سے بادل نخواستہ ہی تعرض کرتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے تو مجبوراً قلم اٹھانا پڑتا ہے۔ آج کل کچھ زیادہ ہی اس بات کا چرچا کیا جا رہا ہے کہ ترک تقلید ہی تمام فتنوں کی جڑ ہے۔ اور اس کے مہلک نتائج سے باخبر کرنے کے لئے مضمون پر مضمون لکھے جا رہے ہیں بلکہ اسے وقت کا بہت بڑا فتنہ قرار دیتے ہوئے اس کے رد و ابطال میں مخصوص طور پر پرچے نکالے جا رہے ہیں۔ اور دعوت عمل بالکتاب والسنۃ جسے یہ لوگ لا مذہبیت وغیر مقلدیت سے تعبیر کرتے ہیں اسے برصغیر سے اکھاڑ پھینکنے کا عزم مصمم کا اظہار کیا جا رہا ہے لہذا انہی چیرہ دستیوں سے مجبور ہو کر یہاں کچھ عرض کرنے کی جسارت کر رہے ہیں، امید کہ قارئین کرام ہمیں اس سلسلے میں کسی حد تک معذور گردانیں گے۔

تھوڑے سے غور وفکر اور نقد ونظر کے بعد بھی قرآن وسنت کے خلاف محسوس ہوتے ہیں، لیکن جب زیادہ امعان نظر اور تفحص اور تحقیق وتدقیق سے کام لیا جائے تو عین حق ثابت ہوتے ہیں''۔

آخر ایسی کیا ضرورت آن پڑی تھی کہ ایسے آراء ومسالک اختیار کئے جائیں جن کی کتاب وسنت سے مطابقت وموافقت ثابت کرنے کے لئے غیر معمولی امعان نظر اور عمیق ترین تحقیق وتدقیق کی ضرورت پڑے جبکہ کتاب وسنت کے اندر دوٹوک انداز میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ ''دین کو نہایت آسان بنایا گیا ہے۔'' فقہاء کرام کی ذمہ داری تو یہ ہے کہ وہ دین کے مسائل کو مزید آسان اور واضح شکل میں پیش کریں تاکہ ہر شخص آنکھ بند کر کے نہیں بلکہ سمجھ کر اور اطمینان قلب کے ساتھ دینی احکام کو بجالائے۔ سو فقہاء کرام نے ایسا ہی کیا، اللہ تعالی انہیں اس کا مکمل اجر عطا فرمائے گا۔ یہ تو بعد میں لوگوں نے اپنے عمل اور رویہ سے دین کے معاملات کو مشکل بنا دیا ہے، اور یہاں تک کہہ دیا کہ ''فقہاء کی تقلید اللہ اور رسول ہی کے احکام تک پہونچنے کا ذریعہ ہے''۔ یہی نہیں بلکہ تفقہ فی الدین کو فقہاء کرام کے ساتھ مخصوص کرتے ہوئے انہیں ماہرین اطباء کا لقب دیا گیا اور اس کے بالمقابل حدیث رسول کے ساتھ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ گذارنے والے محدثین کو محض عطار کی حیثیت عطا کی گئی جنہیں فقاہت سے عاری سمجھا گیا۔ امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری جیسا شخص نے بھی اگر کسی فقیہ پر نقد کیا تو اسے ہدف لعن وطعن بناتے ہوئے انتہائی غلط وبے بنیاد بدظنی کا شکار بتلایا گیا جس کے اندر فقیہ اور اس کی فقہ کی باریکیوں اور گہرائیوں کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں تھی، اور اس نے خواہ مخواہ ان سے بیر مول لیا۔

یہ ساری تفصیلات دیکھنی ہوں اور تقلید کی کرشمہ سازی کا یقین کرنا ہو تو ماہنامہ تجلی دیوبند ڈاک نمبر دسمبر ۱۹۷۲ء ملاحظہ فرمائیں۔

ذیل میں تقلید جامد (مذہبیت) پر مرتب ہونے والے بعض سنگین نتائج کے چند نمونے پیش کر کے قارئین کرام سے عرض کریں گے کہ وہ خالی الذہن ہو کر کسی جانبداری کے بغیر ان نمونوں کو ملاحظہ فرمائیں اور از خود فیصلہ کریں کہ کیا اسی کا نام مذہبیت ہے ؟ کیا یہی وہ مذہبیت ہے جو عین اسلام ہے یا جسے لیکر رسول اکرم ﷺ دنیا میں تشریف لائے تھے یا یہی وہ مذہبیت ہے جو راہ مستقیم اور دین حق کی طرف لے جانے کے لئے پل کا کام دیتی ہے؟

ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دینا مناسب ہوگا کہ اس سے ہمارا مقصد ائمہ کرام رحمہم اللہ کی توہین وتنقیص نہیں ہے، اور نہ ہم ان کی دینی خدمات پر پانی پھیرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ائمہ کرام کی توقیر وتکریم اور ان کی عزت واحترام کو اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔ انہوں نے جو خدمات انجام دی ہیں ان سے ان کا مقصود دین اسلام پر عمل کو آسان سے آسان اور واضح ترین شکل میں پیش کرنا تھا۔ لہذا ان کے حق میں اللہ تعالی سے ہماری یہی دعا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں مؤمنین کی صفات بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

" ربنا اغفر لنا و لإخواننا الذين سبقونا بالإيمان ، ولا تجعل في قلوبنا غلا للذين آمنوا ربنا إنك رؤف رحيم " (الحشر:۱۰)

اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے، اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال ،اے ہمارے رب! بیشک تو شفقت ومہربانی کرنے والا ہے۔

لیکن اس ادب واحترام کا مطلب کبھی بھی یہ نہیں رہا ہے کہ ہر مسائلے میں ہم ان کی اطاعت وپیروی کے پابند ہیں۔ کتاب وسنت سے مخالفت ظاہر ہو جانے کے بعد اگر ہم ائمہ کرام کے اقوال کو خود انہیں کی تلقین کے مطابق ترک کر دیتے ہیں، یا اس مخالفت کو واضح کرتے ہیں تو اس سے ان کے ادب واحترام میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا ہے اور نہ ہی

اس سے ان کی توہین وتنقیص لازم آتی ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو ائمہ کرام کے شاگردان رشید جو ہم سے زیادہ اپنے اساتذہ کرام کی توقیر وتکریم کا جذبہ رکھتے تھے اور ادب واحترام کا مفہوم ہم سے زیادہ سمجھتے تھے کبھی ان کی مخالفت کرنے کی جرأت نہ کرتے۔ جبکہ امر واقع یہ ہے کہ انہوں نے بیشمار مسائل میں اپنے اساتذہ کے خلاف اقوال وآراء کو ترجیح دیا ہے، جیسا کہ سابقہ سطور میں واضح کیا جا چکا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ائمہ کرام علم ومعرفت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے، کتاب وسنت کا صحیح تفقہ ان کو حاصل تھا اس سے انکار وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دل میں ان ائمہ کرام کے خلاف بغض وحسد ہوگا۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز ہرگز یہ نہیں ہے کہ دین کے تمام مسائل میں ان کی رائے یا ان کا اجتہاد موافق حق وصواب ہو۔ ورنہ صحیح سنت سے مخالفت کی صورت میں ان کی رائے یا ان کے اجتہاد کو ترک کر دینے کی ان کی تلقین کا کوئی معنی ومفہوم نہ ہوگا، بلکہ ایک لایعنی بات ہوگی۔ اسی طرح ان کے شاگردوں کا ان کے خلاف فتوی دینا درست نہیں ہو سکتا۔

ساتھ ہی یہ بھی واضح ہونا چاہئے کہ کسی بھی امام کے کسی بھی قول کی مخالفت کو واضح کرتے ہوئے علماء اہلحدیث نے مخالفت برائے مخالفت کا اسلوب نہیں اپنایا ہے، اور نہ دلیل کے بغیر ان کی مخالفت کی ہے اور نہ وہ اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن مولوی ابوبکر غازی پوری اور ان کے ہم نوا حضرات نہ صرف عصر حاضر کے علماء اہلحدیث کو اس سے متہم کرتے ہیں بلکہ متقدمین ائمہ حدیث کو بھی نہیں بخشتے ہیں۔ چنانچہ علامہ عامر عثمانی رحمہ اللہ جو اپنی روشن خیالی اور رواداری میں شہرت رکھتے ہیں وہ بھی امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری علیہ الرحمۃ کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف بے بنیاد انتہائی غلط اور لغو بدظنی کا شکار قرار دیتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور الزام عاید کرتے ہیں کہ امام صاحب کے قول کی گہرائی کو نہ سمجھ پانے کی وجہ سے انہوں نے خواہ مخواہ بیر مول لے لیا تھا۔(۱) اب اگر امام بخاری رحمہ اللہ

(۱) ملاحظہ ہو: ماہنامہ تجلی، دیوبند ڈاک نمبر دسمبر ۱۹۷۲ء، منقول از مجالس تالیف محمد اسماعیل منور (ص ۴)

امام صاحب کے قول کی گہرائی کو سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں اور بدظنی کی وجہ سے خواہ مخواہ کی دشمنی مول لینے سے انہیں متہم کیا جائے تو پھر امت میں کون ہے جو امام صاحب کی مخالفت کی جرأت کرسکتا ہے۔لیکن خود ان کی کتابوں میں امام صاحب کے بعض اقوال کو ظاہر قرآن کے مخالف کہا گیا ہے، اور ان کے قول کو چھوڑ کر صاحبین اور دیگر شاگردوں کے اقوال کو مذہب بنایا گیا ہے (۱)۔اس مخالفت سے امام صاحب کی شخصیت پر کوئی آنچ نہیں آسکتی۔لیکن یہی اسلوب اگر کوئی اہلحدیث عالم خواہ متقدم ہو یا متأخر اختیار کرتا ہے تو فوراً اس کو گستاخ، بدتمیز اور کم فہم قرار دیتے ہوئے مختلف اوصاف سے اسے نوازنا شروع کر دیتے ہیں۔بالکل اسی طرح سے جس طرح سے علماء اہل حدیث کے اختیار کردہ مسائل کو مزاج اور مذہب کے برخلاف پانے کی وجہ سے شاذ قرار دے کر ان کو گالیوں کی سوغات دینا شروع کر دیتے ہیں، یہود و نصاری کی موافقت و تائید ان کو نظر آنے لگتی ہے حالانکہ وہ مسائل خود ان کے یا دیگر ائمہ کرام کے اختیار کردہ ہوتے ہیں، لغو بدظنی، خواہ مخواہ کی دشمنی اور معاندانہ روش کے یہ خود شکار ہوتے ہیں لیکن دوسروں کو بلکہ خاص طور سے علماء اہلحدیث کو متہم کرتے ہیں۔

مذہب، امام مذہب، کتب مذہب اور علمائے مذہب کی مبنی بر غلو تقدیس

آج کل ترک تقلید کی بڑی شد و مد کے ساتھ مخالفت کی جا رہی ہے، اور مخالفت میں اس حد تک جوش و جذبہ کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے کہ اسے تمام فتنوں کی جڑ اور بنیاد قرار دے کر تقلید کے اثبات اور وجوب میں ایسی باتیں اور ایسے دلائل پیش کیے جاتے ہیں جن کو سن کر اور پڑھ کر آدمی انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔کیونکہ باتیں ہی کچھ اس طرح کی ہوتی ہیں کہ کسی بھی صاحب ہوش و حواس سے اس قسم کی باتوں کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے۔

(۱) اس کو ایک مستقل مضمون میں دلائل کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔

مثال کے طور پر برصغیر کی ایک نہایت عظیم شخصیت جنہیں شیخ الہند جیسا عظیم ترین لقب حاصل ہے جذبہ تقلید سے اس حد تک سرشار ہیں کہ انہوں نے تقلید کے اثبات میں قرآن کریم کی ایک آیت میں مبینہ طور پر اضافہ کر ڈالا۔ ہمیں اس عظیم ہستی کے بارے میں یہی حسن ظن ہے کہ انہوں نے عمداً ایسا نہیں کیا ہے، بلکہ غیر شعوری اور ذہول ونسیان کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے، جو ہر انسان کا خاصہ ہے، خواہ علم وفضل اور کمال معرفت کے جس مقام پر بھی فائز ہو۔ لیکن تعجب ہے ہمیں اس بات پر کہ کس طرح تحکمانہ بلکہ تحقیرانہ انداز سے اس اضافہ کو بنیاد بنا کر منکرین تقلید کی گوشمالی کرنی چاہی ہے۔ اور یہ کسی ایک عام عالم کی بات نہیں ہے بلکہ ایک ایسے صاحب علم وفضل کی بات ہے جن کو اسی قرآن کریم کے معانی کو اردو قالب میں ڈھالنے کا عظیم شرف بھی حاصل ہے۔ اس سے بھی زیادہ تعجب خیز امر یہ ہے کہ اس مبینہ غلطی کی نشاندہی کے بعد بھی نہ صرف غلطی کو باقی رکھا گیا بلکہ اس کو باقی رکھتے ہوئے از ہر ہند کے فاضل اساتذہ کی زیر نگرانی نصف صدی سے زائد عرصہ تک اس کتاب کی طباعت عمل میں لائی جاتی رہی۔ اور یہی نہیں کہ صرف اسی ایک صاحب علم وفضل ہستی سے اس قسم کی فروگذاشت ہوئی ہو بلکہ ان کے علاوہ اور بھی ہیں جنہوں نے اسی مبینہ اضافہ کو بنیاد بنا کر اس پر تقلید کی عمارت قائم کی ہے۔ (۱) ہوسکتا ہے ان لوگوں کی نظر میں قرآن کریم میں اضافہ کوئی معمولی بات ہو، ورنہ ہم اس کو ایک بڑا فتنہ ہی تصور کرتے ہیں، جس میں تقلید کا ہی زبردست عمل دخل ہے۔ تقلید کی انہیں کرشمہ سازیوں کی بناء پر بہت سے علمائے متقدمین ومتأخرین نے تقلید کی سخت مذمت بیان کی ہے۔ اور اس سلسلہ میں مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آج چاہے جتنا زور صرف کیا جائے اس کو ضروری قرار

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کا مضمون: کیا یہی انصاف کا تقاضا ہے؟ منشور در، مجلہ اشاعت السنۃ دہلی ج ۲ ش ۲ (ص ۴۱)

دینے میں، اور چاہے جتنی قوت کا مظاہرہ کیا جائے ترک تقلید کو فتنوں کی جڑ ثابت کرنے میں۔ کیونکہ حقائق کو بزور بازو نہیں بدلا جا سکتا ہے۔ یہاں ہم تقلید کی نفی یا اس کے اثبات کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے ہیں، کیونکہ اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اس سلسلے کی ایک اہم کڑی مولانا محمد جونا گڈھی رحمہ اللہ کی ''طریق محمدی'' بھی ہے۔ البتہ اسی کتاب کے حوالے سے بحر العلوم مولانا عبدالحی حنفی رحمہ اللہ کی شرح مسلم الثبوت کا ایک اقتباس ضرور پیش کرنا چاہیں گے مولانا فرماتے ہیں:

"ثم إن من الناس (من) أوجبوا تقليد واحد من هؤلاء على الأمة وهذا كله هوس من هوساتهم لم يأتوا بدليل، ولا يعبأ بكلامهم، وإنماهم من الذين حكم الحديث أنهم أفتوا بغير علم فضلوا وأضلوا"۔

''یعنی: بعض لوگوں نے تقلید شخصی کو امت پر واجب کیا ہے حالانکہ اس کی کوئی دلیل نہیں اور ان لوگوں کی یہ فضول بکواس اور خیالی ژٹل ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کی بابت حدیث شریف میں ہے کہ بلا دلیل فتوی دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی بہکائیں گے۔''(۱)

مولانا موصوف جونا گڈھی رحمہ اللہ نے ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ کی شرح عین العلم کا ایک اقتباس یہ بھی نقل کیا ہے:

"إن الله سبحانه ما كلف أحدا أن يكون حنفيا أو شافعيا أو مالكيا أو حنبليا"۔

''یعنی اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں کو حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی بننے کا مکلف نہیں بنایا ہے''۔

---

(۱) طریق محمدی (ص ۱۶۱، ۱۶۲، ط: مجمع اہل حدیث اکیڈمی مئو)

اسی طرح کا ایک اقتباس شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے رسالہ قول سدید سے بھی نقل کیا ہے۔(۱)

کیا علماء مذہب کی ان تصریحات کے بعد بھی ترک تقلید کو ناقابل معافی جرم گردانا جائیگا؟ اور اس کو "لامذہبیت" کا نام دیا جائے گا؟

جیسا کہ عرض کیا گیا ہم تقلید کے اثبات یا اس کی نفی کی تفصیل میں نہ جا کر یہاں صرف یہ واضح کرنا چاہیں گے کہ حقیقی معنوں میں فتنوں کی جڑ تقلید ہے یا ترک تقلید؟۔ تو اس سلسلے میں سب سے پہلے عرض کرنا چاہیں گے کہ تقلید کے اثبات میں چاہے جتنا زور صرف کیا جائے اور اس کے لئے قرآنی آیات میں اضافے کا سہارا لیا جائے یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ تقلید نے امت مسلمہ کو ایسی کتنی ہی سوغات عطا کی ہیں جو کسی بھی طرح فتنوں سے کم نہیں ہیں۔ ان میں سرفہرست مذہب، امام مذہب، کتب مذہب اور علماء مذہب کی مبنی بر غلو تقدیس و تعظیم ہے۔ اس سے متعلق کچھ تفصیلات بعض مضامین میں بیان کی جا چکی ہیں۔ لیکن کوئی مضائقہ نہیں کہ کچھ باتیں مزید عرض کر دی جائیں تاکہ قارئین کرام بخوبی اندازہ لگا لیں کہ حق کس کے ساتھ ہے؟ اس امر پر ہر فرد مسلم کا یقین کامل ہے کہ اسلام ایک دین فطرت ہے جس کی تمام تعلیمات حد درجہ عادلانہ ہیں۔ غلو، مبالغہ آمیزی اور شدت پسندی سے پاک ومبرا ہیں۔ چنانچہ خود قرآن کریم کے اندر اللہ رب العزت کا یہ حکم موجود ہے:

" لا تغلوا فی دینکم ، ولا تقولوا علی اللہ الا الحق ...." (النساء:۱۷۱)

اگر چہ اس آیت کریمہ میں اہل کتاب کو مخاطب کر کے دین کے اندر غلو سے منع کیا

(۱) ملاحظہ ہو: طریق محمدی (ص ۱۶۲،۱۶۳)

گیا ہے اور کہا گیا ہے "اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گذر جاؤ اور اللہ پر بجز حق کے اور کچھ نہ کہو"۔

لیکن اس کا حکم عام ہے، رسول اکرم ﷺ نے اہل کتاب کے اسی غلو کے پیش نظر اپنے بارے میں اپنی امت کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

" ولا تطروني كما أطرت النصارى عيسى بن مريم ، فإنما أنا عبده ، فقولوا : عبد الله ورسوله "۔ (۱)

"تم مجھے اس طرح حد سے نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسی بن مریم علیہما السلام کو بڑھایا تھا، میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں۔ لہذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہنا"۔

جب خود رسول اکرم ﷺ نے اپنے بارے میں مبالغہ اور غلو سے منع کیا ہے، تو آپ کے علاوہ آپ کے امتی بدرجہ اولی مبالغہ اور غلو کے کسی طرح مستحق نہیں ہو سکتے۔ لیکن تقلید اور شخصیت پرستی کا شکار ہو کر مقلدین اپنے مذہب، ائمہ مذہب، اور کتب مذہب کی مبنی بر غلو تقدیس میں مبتلا ہیں۔ چنانچہ ان کی کتابوں میں ایسی ایسی باتیں ملیں گی جو مبالغہ آمیزی اور غلو کی تمام حدود سے متجاوز ہیں۔ یہی لوگ ائمہ اربعہ کے مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید کو واجب اور ضروری قرار دیتے ہیں بلکہ اس کے وجوب پر اجماع امت کا دعوی بھی کرتے ہیں۔ لیکن جب اپنے مذہب کی بات آتی ہے تو صرف اسی کو حق سمجھتے ہیں اس کے علاوہ تینوں مذاہب کو باطل تصور کرتے ہیں۔

صرف مذہب حنفی ہی درست اور برحق ہے

حنفی مذہب کی ایک اہم کتاب (جس کا مقام آگے چل کر واضح کریں گے) الدر

(۱) صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، (۶/ ۴۷۸) حدیث نمبر (۳۴۴۵) مسند احمد (۱/ ۱۵۲)

المختار میں مرقوم ہے:

''اگر ہم سے ہمارے اپنے مذہب اور اپنے حریف کے مذہب کے بارے میں دریافت کیا جائے گا تو ہم وجوبی طور پر یہی جواب دیں گے کہ ہمارا ہی مذہب درست اور صحیح ہے جس میں غلطی کا احتمال پایا جاتا ہے، اور ہمارے حریف اور مخالف کا مذہب غلط ہے جس میں درستگی کا احتمال پایا جاتا ہے''۔(۱)

تمام احناف بخشے بخشائے ہیں

مسلک احناف کے علاوہ دیگر تینوں مذاہب کے ماننے والوں کے لئے کیا یہ بات قابل ہتک نہیں ہے کہ احناف کا ہر فرد اللہ تعالی کے یہاں مغفور لہ ہے۔ اللہ تعالی نے قیامت تک پیدا ہونے والے حنفی اشخاص کی مغفرت فرمادی ہے۔ اسی کتاب درمختار میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے آخری حج کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

" يا أبا حنيفة ! .... قد غفرنا لك ولمن اتبعك ممن كان على مذهبك إلى يوم القيامة ". (۲)

(خانہ کعبہ کی جانب سے ایک غیبی آواز آئی) ''اے ابوحنیفہ! ہم نے تجھ کو بخش دیا اور تیری اتباع کرنے والوں کو بھی بخش دیا جو تیرے مذہب پر گامزن ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا''۔

لہذا دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو چاہئے کہ اپنے اپنے مذاہب سے دست بردار ہو کر حنفی مذہب کو اختیار کرلیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اتباع کو لازم پکڑلیں۔ اس طرح وہ اللہ تبارک وتعالی کی بخشش ومغفرت کے مستحق ہو جائیں گے۔

اگر علماء اہل حدیث کتاب وسنت کی روشنی میں بجا طور پر اپنے آپ کو حق بجانب

---

(۱) الدر المختار (۱/۲)

(۲) الدر المختار (۱/۵) پورے واقعہ کا ذکر اگلی سطور میں آئے گا، ان شاء اللہ۔

ثابت کرتے ہیں تو ان پر یہی جنت کے پہرے دار بن کر دوڑ پڑتے ہیں۔ اور نہ جانے ان کو مغلاظات کی قبیل سے کتنے القاب سے نوازتے ہیں۔ جبکہ اپنی حالت یہ ہے کہ تنہا انہی کا مذہب برحق ہے، اور اللہ تبارک وتعالی نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اتباع کی وجہ سے ان کی مغفرت فرمادی ہے، لہذا جنت کے وہی ٹھیکہ دار ہوئے۔

اور شاید یہی سب سے بڑا راز ہے جس کی بناء پر اپنے مذہب کی حقانیت و برتری ثابت کرنے نیز مخالفین کے مذاہب کو باطل قرار دینے میں مختلف ہتھکنڈوں اور وسائل کے استعمال کو مذہب کے یہ ٹھیکیدار حضرات روا اور جائز سمجھتے ہیں، جس کا آج کل کافی مشاہدہ کیا جارہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالی نے محض امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اتباع کی وجہ سے ان کی مغفرت فرما ہی دی ہے۔ کسی بھی قسم کی حرکت ان کو نقصان پہونچانے والی نہیں ہے لہذا جم کر اپنے مخالفین کو زیر کرنے اور اپنے مذہب کو حق ثابت کرنے کے لئے ہر طرح کا حربہ استعمال کیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں حدیثیں گھڑنے سے بھی گریز نہیں کیا گیا۔ امام مذہب کی منقبت اور ان کے حریف کی مذمت میں احادیث گھڑی گئیں۔ نماز میں رفع الیدین نہ کرنے اور امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کے لئے بھی وضع احادیث (حدیثیں گھڑنے) کا سہارا لیا گیا۔ اس کی وضاحت خود مذہب حنفی کے علماء نے کی ہے۔ (۱)

مذہب کے بارے میں غلو اور مبالغہ آمیزی کا اندازہ اس قول سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام قرب قیامت نازل ہو کر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہی کے مسلک پر عمل کریں گے اور اسی کے مطابق لوگوں کے مابین فیصلہ کریں گے۔

یہ بات کسی چلت پھرت کتاب میں مذکور نہیں ہے بلکہ ایسی کتاب میں مذکور ہے جو فقہ حنفی کے اہم مصادر میں شمار کی جاتی ہے اور جس کی سند بواسطہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ و رسول اکرم ﷺ و جبریل علیہ السلام اللہ تبارک وتعالی تک جاملتی ہے۔ اور اس کتاب کو لکھنے کی رسول اکرم ﷺ نے خود اجازت مرحمت فرمائی تھی، بلکہ مؤلف کے منہ میں اپنی زبان

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ماہنامہ السنہ دہلی [illegible] راقم کا مضمون "کیا یہی انصاف کا تقاضا ہے؟"

مبارک ڈالی تھی۔اس طرح حضور ﷺ کا علم مبارک مؤلف کی جانب منتقل ہو کر الدر المختار کی شکل میں نمودار ہوا۔لہذا اس کے بیان کردہ مسائل میں غلطی کا امکان ہو ہی نہیں سکتا۔

اللہ معلوم حضرت عیسی علیہ السلام کے متعلق جو بات کہی گئی ہے وہ فقہ کے ان بہتیرے مسائل میں سے ہے یا نہیں جن کے بارے میں مولانا عامر عثمانی رحمہ اللہ فرما گئے ہیں: ”جو صرف بادی النظر ہی میں نہیں، بلکہ تھوڑے سے غور وفکر اور نقد ونظر کے بعد بھی قرآن وسنت کے خلاف محسوس ہوتے ہیں، لیکن جب زیادہ امعان نظر اور تفحص اور تحقیق وتدقیق سے کام لیا جائے تو عین حق ثابت ہوتے ہیں“۔اگر زیر بحث مسألہ بھی ان بہتیرے مسائل میں ہے تو ہم عرض کرنے کی جسارت کریں گے کہ عالم دیوبندیت ہی نہیں بلکہ عالم احناف بلکہ ساری دنیا کے امعان نظر اور تفحص، اور تحقیق وتدقیق کو جمع کر کے ذرا اس مسألہ کی کتاب وسنت سے موافقت کو واضح کر دیا جائے تو ہم ان کے بڑے ممنون ہوں گے۔لیکن اتنا عرض کر دیں کہ اس کو خود بعض علمائے احناف نے بھی باطل قرار دیا ہے۔

چنانچہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی علامات قیامت سے متعلق اپنی کتاب "الإذاعة لما كان وما يكون بين يدي الساعة" میں علامہ محمد البرزنجی (ف ۱۱۰۳ھ) کی کتاب" الاشاعة لأشراط الساعة " کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں:

" وقع لبعض جهلة الحنفية أنه ادعى أن كلا من عيسى والمهدي يقلد مذهب الإمام أبي حنيفة ، ووقفت للشيخ علي القاري الهروي نزيل مكة المشرفة على تأليف سماه " المشرب الوردي في مذهب المهدي " نقل فيه هذا القول ورد عليه ردا مشبعا وجهله ".

”بعض جاہل احناف کا یہ دعوی ہے کہ حضرت عیسی ومہدی علیہما السلام امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہوں گے، مجھے (ملا) شیخ علی قاری ہروی مقیم مکہ مکرمہ کی تالیف کردہ ایک کتاب دستیاب ہوئی جس کا موصوف نے ”المشرب الوردی فی مذهب المهدی “نام رکھا ہے،اس کتاب میں مذکورہ قول نقل کرنے کے بعد اس کی زبردست

تردید کی ہے، اور اس کے قائل کو جاہل قرار دیا ہے''۔

حالانکہ یہ قول جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا درمختار جیسی اہم کتاب کے اندر مذکور ہے، جس کی سند اللہ تعالی سے جا کر ملتی ہے۔ مذکورہ اقتباس نقل کرنے کے بعد نواب صاحب فرماتے ہیں:

''میرے پاس یہ کتاب موجود ہے، اور یہ بات تو امت محمدیہ کے عام افراد کے حق میں مردود ہے، تو کیونکر ایک نبی اور امام کے حق میں درست ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالی نے کسی مسلمان فرد پر کسی بھی امام کی چاہے جو ہو اور جہاں ہو تقلید کو واجب نہیں قرار دیا ہے، بلکہ اس پر کتاب وسنت کے مطابق عمل کو ہر زمانے میں اور ہر جگہ واجب وضروری قرار دیا ہے''۔(۱)

امام مذہب حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے سلسلے میں جو غیر معمولی مبالغہ اور غلو کا اسلوب اپنایا گیا ہے اس کی ایک جھلک اپنے مضمون ''کیا انصاف کا یہی تقاضا ہے؟'' میں پیش کر دی ہے۔ امام صاحب کی عظمت شان اور ان کے علو مرتبت کو ثابت کرنے کے لئے اور اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ کو ان کا حریف اور مد مقابل بتا کر ان کی توہین، اور تحقیر و تذلیل کے لئے حدیثیں گھڑی گئیں۔ اور اس کا علم ہونے کے باوجود ان حدیثوں سے برابر استدلال کیا جاتا ہے، اور ان سے امام صاحب کی منقبت اور امام شافعی رحمہ اللہ کی مذمت ثابت کی جاتی ہے۔ حدیثوں کے گھڑنے اور گھڑی ہوئی جھوٹی حدیثوں کے بیان کرنے کے سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کی وعید شدید کی مطلق پرواہ نہیں کی جاتی۔ یہی نہیں بلکہ امام صاحب کے اقوال کو رد کر دینے والے اور ان کی مخالفت کرنے والوں پر ریزوں کے برابر لعنت بھیجی گئی ہے (۲)۔ اس کی پرواہ کئے بغیر کہ کتنے مسائل میں خود ان کے

(۱) الاذاعۃ مؤلفہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی (ص ۱۶۷ ط مطبعۃ المدنی مصر) علامہ ابن عابدین نے بھی اس کی تردید کی ہے اور ملا علی قاری سے اس کی تردید نقل کی ہے، ملاحظہ ہو: ردالمختار (۵۲/۱ طبعہ جدیدہ محققہ)۔

(۲) ایک طرف ایمان کو بسیط قرار دے کر اور اعمال صالحہ کو مسمی الایمان میں داخل نہ مان کر اللہ و رسول کی نافرمانی کرنے والوں پر راہیں کشادہ کر دی گئیں، دوسری جانب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول تسلیم نہ کرنے اور اس کی مخالفت کرنے پر ریت =

شاگردوں نے، علماء مذہب نے اور خود مذہب کے معاصر محققین نے امام صاحب کے اقوال کی مخالفت کر کے اپنے آپ کو اس لعنت کا مستحق قرار دیا ہے۔ درمختار ہی میں امام صاحب کے متعلق حد درجہ مبالغہ آمیز مناقب بیان کر کے نہایت ہی تحکمانہ انداز میں کہا گیا ہے "کیف لا ؟ وھو کالصدیق رضی اللہ عنہ" کیوں نہیں (وہ ان مناقب کے حامل ہوں گے) وہ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح ہیں'' (۱)

کیا اسے حد درجہ مبالغہ آرائی یا مبنی بر غلو بات نہیں کہی جائے گی؟ بالکل کہی جائے گی، اور شاید اسی کا خیال کرتے ہوئے کتاب کے محشی علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے اس کی تاویل کو ضروری سمجھا، چنانچہ فرماتے ہیں:

''دونوں حضرات کے مابین وجہ مشابہت یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے ایسے امر کی ابتداء کی تھی جس کو انجام دینے میں ان پر کوئی سبقت نہیں لے گیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے سے قرآن کریم کو جمع کیا تھا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فقہ کو قلم بند کرنے کی ابتداء کی تھی''۔ (۲)

اس تاویل میں علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ کس قدر حق بجانب ہیں اس کی وضاحت میں بروقت نہیں کر سکتا، کیونکہ علماء کی توہین اور ان کی شان میں گستاخی کا فوراً سرٹیفکٹ مل جائیگا۔ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ اگر یہی بات کسی اہل حدیث عالم کے قلم سے صادر ہوگئی ہوتی تو اسے فوراً رفض و تشیع اور زیدیت ہر ایک کا بیک وقت سرٹیفکٹ مل جاتا۔ ہم تو یہی جانتے ہیں کہ تمام علماء سلف کا کتاب و سنت کی روشنی میں یہی عقیدہ ہے کہ کوئی غیر صحابی خواہ وہ علم و فضل کے جس مقام پر بھی فائز ہو وہ ایک ادنی صحابی کے مقام کو نہیں پہونچ سکتا،

= کے برابر لعنتیں بھیجی گئی ہیں، کوئی بھی بآسانی فیصلہ کر سکتا ہے کہ کتاب وسنت اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال کے مابین کس کو ان لوگوں کی نظر میں زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ''کیا یہی انصاف کا تقاضا ہے؟'' منشور در مجلہ اشاعت السنۃ، دہلی۔

(۲) رد المحتار (حاشیہ ابن عابدین) (۱/۳۹) (۱/۱۵۲ طبعہ جدیدہ محققہ)

کیونکہ ایمان کی حالت میں رسول اکرم ﷺ کی رویت ایک ایسا شرف ہے جس کو کسی دوسری چیز کے ذریعہ ہرگز نہیں حاصل کیا جا سکتا ہے اور نہ کوئی عبادت اس مقام کو حاصل کر سکتی ہے(۱)

معاملہ اسی پر رکتا نہیں ہے بلکہ اس حد تک جا پہونچتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے عظیم معجزات میں آپ کو شمار کیا گیا ہے، چنانچہ درمختار ہی کی یہ عبارت ہے:

" والحاصل أن أبا حنيفة النعمان من أعظم معجزات المصطفى (ﷺ) بعد القرآن ، وحسبك من مناقبه اشتهار مذهبه ما قال قولا إلا أخذ به إمام من الأئمة الأعلام ، وقد جعل الله الحكم لأصحابه وأتباعه من زمنه إلى هذه الأيام إلى أن يحكم بمذهبه عيسى عليه الصلاة والسلام ". (۲)

حاصل کلام یہ کہ ابوحنیفہ نعمان (رحمہ اللہ) قرآن کریم کے بعد رسول اکرم ﷺ کے عظیم ترین معجزات میں سے ایک معجزہ ہیں، آپ نے کوئی رائے یا مسلک ایسا نہیں اختیار کیا جس کو دوسرے بڑے اماموں میں سے کسی امام نے نہ اختیار کیا ہو، ان کے مناقب کے لئے یہی کافی ہے کہ ان کے مذہب کو (چار دانگ عالم میں) شہرت حاصل ہے اور اللہ تعالی نے ان کے وقت سے لے کر آج تک حکومت وسلطنت سے انہی کے شاگردان رشید اور انہی کے متبعین کو نوازا ہے (اور یہ سلسلہ برابر جاری رہے گا) یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (نازل ہوکر) آپ ہی کے مذہب کے مطابق حکومت کریں گے"۔

یہ ہے تقلید کا کرشمہ۔مذکورہ اقتباس کے ہر ہر جملے میں مبالغہ آرائی اور غلو نمایاں ہے۔ شیخین حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو شاید یہ مقام نہ حاصل ہوا ہو اور دیگر جلیل القدر صحابہ میں سے کسی کو رسول اکرم ﷺ کے عظیم معجزات میں شمار نہ کیا گیا ہو لیکن امام ابوحنیفہ

(۱) ملاحظہ ہو: تحفۃ الاحوذی (۳۶۰/۴)

(۲) الدر المختار (۵/۱)

رحمہ اللہ کو قرآن کریم کے بعد عظیم ترین معجزات میں شمار کیا جا رہا ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ ان کی کوئی بھی رائے یا مسلک ایسا نہیں ہے جس کو دیگر ائمہ کرام نے نہ اخذ کیا ہو تو برائے مہربانی ذرا یہی بتلا دیا جائے کہ عربی زبان کی قدرت وصلاحیت کے باوجود غیر عربی زبان میں مکمل طور پر نماز ادا کرنے کی بات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ کس امام نے کہی ہے۔ یا کس بڑے عالم نے اس رائے کو اختیار کیا ہے؟

اسی طرح نماز مکمل ہو جانے کے بعد قصداً کوئی ایسا عمل کر دیا جائے جو نماز کے منافی ہو تو یہ نماز امام صاحب کے یہاں درست ہو جائے گی۔ یعنی تشہد اخیر کے بعد قصداً قہقہہ لگا دے۔ ہوا خارج کر دے، گفتگو کر دے، جس کو فقہ کی کتابوں میں خروج بصنعہ کا نام دیا جاتا ہے، تو نماز ادا ہو جائے گی۔ تسلیمتین (سلام پھیرنے) کی ضرورت نہیں ہے جب کہ تسلیمتین کو ارکان نماز میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے بغیر نماز درست ہی نہیں ہو سکتی۔ ذرا اس مسئلے میں بھی امام صاحب کا کوئی ہم نوا یا موافق بتلا دیا جائے تو ہم ممنون ہوں گے۔(۱)

یہ دو مثالیں بطور نمونہ پیش ہیں ورنہ ایسی متعدد مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن میں امام صاحب یکہ وتنہا ہیں۔ بہر حال یہ بھی حد درجہ مبالغہ آمیزی کی بات ہے کہ کہا جائے کہ امام صاحب کے تمام اقوال اور ان کی تمام آراء ایسی ہیں جن کو دیگر ائمہ عظام میں سے کسی نہ کسی نے ضرور اخذ کیا ہے۔

حکومت وسلطنت کی جو بات کہی گئی ہے اس کے اندر کتنی معقولیت ہے؟ اور کس طرح اس کو حاصل کیا گیا ہے؟ اس کا اندازہ لگانے کے لئے تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ کریں گے تو از خود واضح ہو جائے گا اور یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ اسی حکومت وسلطنت کے بل بوتے پر مذہب کو رواج حاصل ہوا اور اس کے ماننے والے آج زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ ہم اس سلسلے میں کچھ زیادہ عرض کرنے سے قاصر ہیں۔ بروقت امام صاحب کے مناقب کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے درمختار ہی کے حوالے سے یہ اقتباس بھی

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: شرح صحیح مسلم مؤلفہ علامہ نووی (۸۳/۵ طبع دار الفکر بیروت)

قارئین کرام کے گوش گذار کرنا چاہتے ہیں، ذرا ملاحظہ فرمائیں:

" وقد صلى الفجر بوضوء العشاء أربعين سنة ، وحج خمسا وخمسين حجة ، ورأى ربه في المنام مائة مرة ، ولها قصة مشهورة ، وحجته الأخيرة استأذن حجبة الكعبة بالدخول ليلا فقام بين العمودين على رجله اليمنى ، ووضع اليسرى على ظهرها حتى ختم نصف القرآن ثم ركع وسجد ثم قام على رجله اليسرى ووضع اليمنى على ظهرها حتى ختم القرآن ، فلما سلم بكى وناجى ربه ، وقال : الهي ! ما عبدك هذا العبد الضعيف حق عبادتك ، ولكن عرفك حق معرفتك ، فهب نقصان خدمته لكمال معرفته ، فهتف هاتف من جانب البيت ، يا أبا حنيفة ! قد عرفتنا حق المعرفة ، وقد خدمتنا فأحسنت الخدمة ، وقد غفرنا لك ولمن اتبعك ممن كان على مذهبك إلى يوم القيامة ". (۱)

حضرت ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے عشاء کے وضوء سے چالیس سال تک فجر کی نماز ادا کی، پچپن (۵۵) حج کئے، سو مرتبہ اللہ رب العزت کو خواب میں دیکھا، اور اس سلسلے میں ایک مشہور واقعہ بھی ہے۔ آپ نے آخری حج میں دربانوں سے خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوکر رات گذارنے کی اجازت مانگی، (چنانچہ داخل ہوئے) دوستونوں کے درمیان اپنے داہنے پیر پر اس طرح کھڑے ہوئے کہ بائیں پیر کو اس کی پشت پر رکھا اور (اسی حالت میں) نصف قرآن کی قرأت کی۔ پھر رکوع وسجدے میں گئے، پھر بائیں پیر پر کھڑے ہوکر داہنے پیر کو اس کی پشت پر رکھا۔ یہاں تک کہ قرآن کریم کی قرأت مکمل کرلی، سلام پھیرنے کے بعد گریہ وزاری اور مناجات میں لگ گئے، (مناجات میں) آپ نے کہا: یاالہی! اس بندۂ ضعیف نے کما حقہ تیری عبادت تو نہیں کی، لیکن اسے کما حقہ تیری معرفت حاصل ہوگئی ہے۔ لہذا اس کی خدمت (عبادت) کی کمی اس کے کمال معرفت کی وجہ سے پوری فرمادے۔ خانہ کعبہ کی جانب سے ایک غیبی آواز آئی: اے ابوحنیفہ! تم نے کما حقہ ہماری معرفت حاصل کرلی ہے اور تم نے ہماری بہت ہی اچھے طریقہ سے خدمت (عبادت) کی

(۱) الدر المختار (۱/۵)

ہے لہذا ہم نے تجھکو بخش دیا، اور تیرے مذہب پر کاربند تیری اتباع کرنیوالوں کو بھی بخش دیا اور مغفرت کا یہ سلسلہ ایسے ہی قیامت تک جاری رہے گا''۔

یہ سارے مناقب ایسے ہیں جو شاید ہی کسی نبی کو حاصل ہوئے ہوں ۔ خود خاتم الانبیاء رسول اکرم ﷺ کے بارے میں کتب سیرت میں یہ مذکور نہیں ہے (اپنی معرفت کی حد تک) کہ آپ نے کسی ایک دن بھی عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز ادا کی ہو۔ رسول اکرم ﷺ کے بارے میں چند ہی حدیثوں میں مذکور ہے کہ آپ نے اپنے رب کو خواب میں دیکھا لیکن امام صاحب مکمل سو بار اپنے رب کو خواب میں دیکھتے ہیں ۔ نہ صرف دیکھتے ہیں بلکہ آخری مرتبہ اللہ تعالی کی جانب سے انہیں ایک ایسا ورد بتلایا جاتا ہے جس کے ذریعہ بندہ قیامت میں اللہ تعالی کے عذاب سے بچ سکتا ہے،(۱) آپ ﷺ نے بھی خانہ کعبہ کے اندر داخل ہو کر اللہ رب العزت کی عبادت کی تھی اور دعائیں کی تھیں، مگر حدیثوں کے اندر کسی غیبی آواز کا ذکر نہیں ملتا، چہ جائیکہ تا قیامت آنیوالے آپ کی امت کے افراد کی مغفرت کا مژدہ سنایا گیا ہو۔

عبادت و ریاضت کا ایسا طریقہ امام صاحب نے اپنایا جس کا ذکر کتاب وسنت میں نہیں پایا جاتا ہے ۔ یہ ایک انوکھا اور عجیب وغریب طریقۂ عبادت ہے جو اسلام کی طبیعت اور اس کے مزاج سے بالکل میل نہیں کھاتا ۔ اس سے ایک طرح سے امام صاحب کی عظمت شان اور علو مرتبت کے بجائے ان کی تنقیص اور مذمت کی بو آتی ہے ۔ اور شاید اسی کا احساس کر کے علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے عجیب وغریب تاویلات کے ذریعہ اسے مطابق کتاب وسنت ثابت کرنے کی سعی لا حاصل کی ہے ۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ فرط عقیدت میں اس واقعہ کو امام صاحب کی جانب منسوب کر دیا گیا ہے، جس کا حقیقت سے

---

(۱) "ولها قصة مشهورة" کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین نے یہی لکھا ہے کہ امام صاحب نے اللہ تعالی سے قیامت کے دن اس کے عذاب سے بچنے کا طریقہ پوچھا تو اللہ تعالی نے انہیں ایک وظیفہ بتلایا، اب جن کو بروز قیامت عذاب الہی سے نجات حاصل کرنی ہو اس وظیفہ کو رد المحتار (حاشیہ ابن عابدین) (۱ /۴۴ الطبعہ جدیدہ محققہ) سے یاد کر لیں، گویا ابھی وحی اور تشریع کا سلسلہ جاری ہے، رسول اکرم ﷺ پر ختم نہیں ہوا ہے ۔ اور ایک ایسے ورد سے قیامت کے دن عذاب الہی سے نجات مل سکتی ہے جسے بذریعہ خواب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو اللہ تعالی نے بتلایا تھا۔

کوئی واسطہ نہیں ہے۔اس طرح کے واقعات سے امام صاحب کے مقام ومرتبہ کو رفعت وبلندی نہیں حاصل ہوسکتی،البتہ ان کی شخصیت پر سوالیہ نشان ضرور قائم ہوسکتا ہے۔ہمیں امام صاحب کے بارے میں یقین کامل ہے کہ وہ اللہ تعالی کی عبادت کے لئے ایسے طریقے ہرگز نہیں اپنا سکتے ہیں جو اسلامی تعلیمات کے بجائے جوگیوں، سنت ، سادھوؤں اور متصوفہ کے طریقوں سے زیادہ میل کھاتے ہیں۔لیکن تقلید ایسا نشہ ہے جو ائمہ متبوعین کے درجات ومراتب کو اعلی واُرفع دکھلانے کے لئے مقلدین کو مدہوش بنادیتی ہے۔چنانچہ مدہوشی کے عالم میں ان کی جانب ایسے ایسے واقعات منسوب کردیئے جاتے ہیں جن سے ان کے مقام ومرتبہ میں بلندی کے بجائے تنزلی آجاتی ہے۔کسی سے عقیدت ومحبت کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس کو اپنے حقیقی مقام سے ہٹا کر کسی ایسے بلند مقام پر لا کھڑا کر دیا جائے جو حقیقت میں اس کا مقام نہیں ہے۔امام صاحب ائمہ سلف میں سے ایک امام تھے۔اللہ تعالی نے ان کو علم ومعرفت اور زہد وورع سے نوازا تھا۔جس طرح دیگر ائمہ سلف کو نوازا تھا۔آپ امام مجتہد تھے،حدیث رسول کے مطابق جن مسائل میں آپ کا اجتہاد صحیح ودرست تھا دوہرے اجر وثواب کے آپ مستحق ہیں۔جن مسائل میں آپ کا اجتہاد صحت ودرستگی سے ہم کنار نہیں ہوگا اس میں بھی آپ کو اللہ تعالی اکہرے اجر وثواب سے نوازے گا۔آپ سے عقیدت ومحبت کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ آپ کو رسول اکرم ﷺ کے عظیم ترین معجزات میں شمار کر کے آپ کے جملہ اقوال وآراء کو علی الاطلاق صحت ودرستگی کی سند عطا کر دی جائے۔اور آپ کی عظمت ثابت کرنے کے لئے من گھڑت احادیث اور من گھڑت واقعات کا سہارا لیا جائے۔جس طرح بعض حضرات محض دلی پُرخاش کی وجہ سے،یا ردعمل کے طور پر امام صاحب کے مثالب بیان کرنے میں بداحتیاطی کا ثبوت دیتے ہیں اور غیر واقعی باتیں کہہ اور لکھ جاتے ہیں قابل گرفت ہیں؛ اسی طرح وہ حضرات بھی قابل مواخذہ ہیں جو امام صاحب کے مناقب بیان کرنے میں احتیاط کا دامن چھوڑ دیتے ہیں،غلو اور مبالغہ کی راہ اپنا لیتے ہیں۔گھڑی ہوئی حدیثوں اور گھڑے ہوئے واقعات کا سہارا لیتے ہیں۔

یہاں ہم امام مسلم رحمہ اللہ کی ایک عبارت نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

" فلا يقصر بالرجل العالي القدر عن درجته ، ولا يرفع متضع القدر في العلم فوق منزلته ، ويعطى كل ذي حق حقه ، وينزل منزلته ، وقد ذكر عن عائشة رضي الله عنها أنها قالت : " أمرنا رسول الله ﷺ أي ننزل الناس منازلهم مع ما نطق به القرآن من قول الله تعالى : (وفوق كل ذي علم عليم)۔ (۱)

عدالت وثقاہت اور حفظ وضبط میں رواۃ حدیث کے مابین پائے جانے والے فرق مراتب کی جانب اشارہ کرتے ہوئے امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کسی عالی مرتبت عالم کو اس کے مقام ومرتبہ سے نیچے نہیں رکھا جائے گا، اور نہ کسی کم مرتبہ والے شخص کو اس کے مقام ومرتبہ سے بلند رکھا جائے گا، بلکہ ہر صاحب حق کو اس کا حق دیا جائے گا اور اس کو اسی کے مقام میں رکھا جائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا جاتا ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ ''لوگوں کو ہم ان کے مقام ومرتبہ ہی میں رکھیں'' علاوہ ازیں قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالی کا یہ واضح فرمان بھی ہے: (وفوق كل ذي علم عليم) یعنی ہر صاحب علم سے بڑھ کر ایک صاحب علم ہے''۔

یہاں جس طریقۂ عبادت کا ذکر ہے اس کے مخالف سنت ہونے کا علامہ ابن عابدین کو بھی اعتراف ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

" فيه أن هذا مخالف للسنة ، أي لصحة الحديث في النهي عنه "۔

'' یہ طریقہ مخالف سنت ہے کیونکہ اس سے ممانعت صحیح حدیث میں وارد ہوئی ہے''۔

بعدہ اس کو صحیح قرار دینے کے لئے مختلف تاویلات کا سہارا لیا ہے، جن میں سے ایک تاویل یہ بھی ہے کہ:

---

(۱) صحیح مسلم مقدمہ (۱/۵ مع شرح النووی)

''امام صاحب سے کراہت کی نفی کے لئے یہ کہا جائے گا کہ اس طریقہ عبادت میں امام صاحب کا مقصد نیک تھا، جیسا کہ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ: ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن کوئی شخص خضوع، تذلل اور عجز وانکساری کی نیت سے ننگے سر نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز مکروہ نہیں ہوگی'' (۱)

کتنی معقول تاویل ہے؟! اس تاویل سے دنیا کی ہر بدعت جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہو جائے گی۔ کیونکہ ہر بدعت میں بدعتیوں کے مقاصد نیک ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے عبادت کی قبولیت کے لئے ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ وہ طریق رسول کے موافق ومطابق ہو۔ اور یہ ایک نہایت واضح بات ہے۔ اسی طرح بقیہ تاویلات بھی حد درجہ ضعیف اور مضحکہ خیز ہیں۔

سابقہ صفحات میں آپ نے مذہب اور امام مذہب کے بارے میں اہل تقلید کی مبالغہ آرائیاں ملاحظہ فرمائیں۔ اسی طرح مذہب کی کتابوں کے متعلق بھی ان کے یہاں انتہا درجہ کا غلو اور مبالغہ پایا جاتا ہے۔ اس تعلق سے بھی کچھ باتیں عرض کی جا چکی ہیں۔ چنانچہ مذہب کی اہم کتاب ہدایہ کے بارے میں یہ شعر لوگوں کی زبان زد ہے:

إن الهداية كالقرآن قد نسخت   ما صنفوا قبلها في الشرع من كتب

بیشک ہدایہ مانند قرآن ہے جس نے منسوخ کر دیا اس سے پہلے شریعت میں لوگوں کی تصنیف کردہ کتابوں کو۔

یا بقول غازی پوری اس شعر کا بامحاورہ اور صحیح ترجمہ یہ ہے: ''بیشک ہدایہ نے قرآن کی طرح پہلے کی تمام فقہی کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے'' (۲)

اگر یہ کلام لغو نہیں ہے، کسی عاقل بالغ کا کلام ہے اور اس کا کوئی معنی ومفہوم ہے تو

---

(۱) ردالمحتار (۱/۴۴ الطبعہ جدیدہ محققہ)

(۲) زمزم، غازی پور، ج ۲ ش ۸ (ص ۴۴) مولوی ابوبکر غازی پوری صاحب دوسروں کے ترجموں میں کیڑے نکال کر انہیں جہالت محضہ کا سرٹیفکیٹ عنایت کرتے ہیں "فی الشرع من کتب" کا ترجمہ ''فقہی کتابوں'' سے کرتے ہیں، یہ کہاں تک صحیح ہے

اللہ واسطے بتایا جائے کہ کیا اس میں مبالغہ آمیزی نہیں ہے؟ مذکورہ دونوں ترجموں میں سے چاہے جس ترجمے کو اختیار کیا جائے، کیا کسی کتاب کو کسی بھی ناحیہ اور کسی بھی اعتبار سے قرآن کریم کے مماثل اور اس کے مشابہ قرار دیا جا سکتا ہے؟ اسی طرح یہ بھی بتلایا جائے ـــــ اگر یہ کلام لغو نہیں ہے ـــــ کہ کیا حقیقی معنوں میں ہدایہ نے قرآن کریم کے مانند پہلے کی لکھی ہوئی تمام کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے؟ اور یہ بات ہر شخص کو اچھی طرح معلوم ہے کہ منسوخ معدوم کے حکم میں ہوتا ہے معمول بہ نہیں ہوتا۔ شعر میں علی الاطلاق شریعت کی تمام کتابوں کو منسوخ کر دینے کی بات کہی گئی ہے، یا بقول غازی پوری فقہی کتابوں کو منسوخ کرنے کی بات کہی گئی ہے۔ لہٰذا اس شعر پر عمل کرتے ہوئے ہدایہ سے ماقبل تصنیف کی جانے والی شریعت کی تمام کتابوں کو یا کم از کم فقہ کی کتابوں کو کالعدم قرار دیتے ہوئے انہیں دریا برد کر دینا چاہئے، یا پھر اس شعر کے لغو و ہذیان ہونے کا اعلان کر دینا چاہئے۔ اگر ہم یہ بھی نہیں کرتے کہ اس کو لغو قرار دے دیں اور یہ بھی نہیں کرتے کہ اس شعر کے مصداق پہلے کی تصنیف کردہ تمام کتابوں یا فقہ کی کتابوں کو دریا برد کریں تو براہ کرم اس شعر کے اندر بیان کی گئی ہدایہ کی تقدیس اور اس میں غیر معمولی مبالغہ آمیزی کو ہی تسلیم کر لیں اور یہی ہم بیان کرنا چاہتے ہیں۔

مدیر زمزم نے علامہ حکیم صادق سیالکوٹیؒ اور اسی طرح مولانا یوسف جے پوریؒ کے بیان کردہ ترجمے اور اس کے حوالے کو غلط قرار دیتے ہوئے انہیں جاہل محض اور نہ جانے کس کس دل نشیں اعلیٰ خطاب سے نوازا ہے، اور اپنے بیان کردہ ترجمے کی رو سے اس شعر میں کسی قسم کی معنوی قباحت سے انکار کیا ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ اہلحدیث علماء کی ہر حرکت اور ان کے ہر عمل میں ان لوگوں کو قباحت ہی قباحت نظر آتی ہے، اور فتنے ہی فتنے دکھائی دیتے ہیں۔ اپنی اور اپنے لوگوں کی کسی بھی حرکت یا کسی بھی عمل میں کسی طرح کی کوئی قباحت نہیں نظر آتی ہے خواہ وہ قرآن کریم میں مبینہ طور پر اضافہ ہی کیوں نہ ہو۔ حکیم صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ نے مکمل شعر نہ نقل کر کے اس کے حوالہ میں ہدایہ کا ذکر کیا ہے، مولانا

یوسف جے پوری رحمہ اللہ نے پورا شعر نقل کر کے ہدایہ کے مقدمہ کا حوالہ دیا ہے، جس کی بناء پر مولانا ابوبکر غازی پوری کی رگ حمیت پھڑک اٹھی، اور انہیں جاہل محض قرار دیتے ہوئے جہل مرکب کی سرٹیفکیٹ عنایت کر دی۔ حالانکہ اسے ہم صرف عدم دقّت سے ہی تعبیر کر سکتے ہیں۔ لیکن اپنے اکابرین آیت کریمہ میں اضافہ کر کے مبینہ طور پر تقلید کی بلند وبالا عمارت قائم کرتے ہیں، اور مخالفین کے اوپر تیر ونشتر چلاتے ہیں تو اسے انسانی فروگذاشت کا نام دیا جاتا ہے۔ اور اگر علماء اہل حدیث نے حوالوں میں دقّت سے کام نہیں لیا یا بعض عربی عبارتوں کے ترجمے میں غلطی کر بیٹھے تو انہیں جہالت مرکبہ وبسیطہ کا تمغہ دے کر "ضلوا وأضلوا" کا ان پر حکم عاید کرتے ہیں۔ تلك هي قسمة ضيزى۔

موصوف غازی پوری صاحب نے مذکورہ شعر کی معنویت کو ثابت کرنے اور اس میں کسی قسم کی معنوی قباحت کی نفی کے لئے ایک مثال دی ہے، فرماتے ہیں:

''یہ اسی طرح کی بات ہے جیسے بخاری کی شرح فتح الباری کے بارے میں کوئی کہے کہ جس طرح قرآن سے بقیہ آسمانی کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں کسی اور کتاب کی اب حاجت نہیں، اسی طرح فتح الباری نے حدیث کی تمام شروح کو منسوخ کر دیا ہے اس کتاب کے بعد بخاری کی کسی اور شرح کی ضرورت نہیں رہتی....''(۱)

اپنی جانب سے مثالیں گھڑ کر بہت سی غیر واقعی اور نامناسب باتوں کو واقعی اور مناسب ثابت کیا جا سکتا ہے(۲)۔ موصوف ذرا ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیتے کہ فتح الباری کے بارے میں کس نے اور کہاں یہ بات کہی ہے؟ ہمارے ناقص علم کے مطابق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے پہلے کہا جاتا تھا: ''شرح كتاب البخاري دين على الأمة ''(۳) صحیح

(۱) زمزم، غازی پور، ج۲ ش۸ (ص ۴۵)

(۲) اللہ تبارک وتعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد جب فرشتوں سے سجدہ کرنے کے لئے کہا تو تمام فرشتے سجدے میں گر گئے سوائے ابلیس کے، اس نے کہا اے اللہ! تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے، اور آدم کو مٹی سے، میں کیونکر آدم کو سجدہ کر سکتا ہوں۔ قرآن میں متعدد جگہ مختلف اسلوب میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے، بظاہر بڑی مناسب بات معلوم ہوتی ہے لیکن اسی وجہ سے وہ راندۂ درگاہ ہوا۔

(۳) مقدمہ ابن خلدون (ص ۴۴۳)

بخاری کی شرح امت پر ایک قرض ہے، یعنی اس کی عظمت اور مقام و مرتبہ کا اعتبار کرتے ہوئے کما حقہ آپ سے پہلے کسی نے اس کی شرح نہیں لکھی ہے، اور جب آپ نے فتح الباری لکھ کر دنیا کے سامنے اسے پیش کر دیا تو لوگوں نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہ حافظ ابن حجر نے صحیح بخاری کا حق ادا کر دیا، کہا: ''لا هجرة بعد الفتح''(۱)

معلوم ہونا چاہئے کہ یہ ایک حدیث رسول ہے جس میں فتح مکہ کے بعد ہجرت کی اہمیت و ضرورت اور اس کے اجر و ثواب کے باقی نہ رہنے کی خبر دی گئی ہے۔ اسی حدیث رسول کو لیکر تلمیح کرتے ہوئے کہا گیا کہ فتح الباری کے بعد صحیح بخاری کی کسی اور شرح کی ضرورت نہیں رہ گئی ہے۔ اس میں قرآن کریم کے ساتھ کسی بھی ناحیہ اور اعتبار سے مشابہت نہیں پائی جاتی ہے۔ لہذا موصوف غازی پوری کی اس مثال سے مذکورہ شعر کی قباحت ختم نہیں ہوتی۔

مثال کے بعد موصوف نہایت آمرانہ و تحکمانہ انداز سے فرماتے ہیں:

''شاعر نے ہدایہ کو قرآن کی طرح نہیں کہا ہے، بلکہ وہ کہتا ہے کہ قرآن نے جس طرح دوسری آسمانی کتابوں کو منسوخ کر دیا اسی طرح ہدایہ نے دوسری فقہی کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے یعنی ہدایہ کے بعد اس کی (؟) ضرورت باقی نہیں رہتی ہے، اگر کسی کا یہ خیال ہو تو آپ کو یا کسی کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے''۔

چونکہ شاعر اپنا ہے اس لئے اس کے خیال کی اتنی پرواہ ہے آپ کو، کہ اس پر دوسروں سے اعتراض کا حق بھی سلب کر لیا۔ اگر یہی بات ہے کہ آپ کے شاعر کو اپنے خیال کے اظہار کی آزادی حاصل ہے چاہے وہ جتنا نامناسب اور غیر واقعی خیال ہو اس پر کسی کو اعتراض کا حق بھی نہیں ہے۔ اگر آزادیٔ رائے کا یہی مطلب ہے تو صرف آپ کا شاعر ہی کیوں اس کا مستحق ہے دوسروں کو بھی اسی طرح اعتراض کرنے کی بھی آزادی حاصل ہونی چاہئے۔ اعتراض کرنے والوں پر آپ تھانیدار بن کر دبش کیوں بھیج رہے

(۱) حدیث کے مکمل الفاظ ہیں: "لا هجرة بعد الفتح، ولكن جهاد ونية وإذا استنفرتم فانفروا" صحیح بخاری (۲/۱۱، حدیث نمبر ۲۷۸۳)، صحیح مسلم (۱۴۸۸/۳، حدیث نمبر ۱۸۶۴)

ہیں؟ انصاف کی بات کیجئے اور جانبداری سے گریز کیجئے۔

موصوف غازی پوری نے چلتے چلاتے شعر کی نحوی ترکیب کے ذریعہ اپنے کئے ہوئے ترجمہ کو بقلم خود صحیح قرار دیا ہے، چونکہ موصوف نے نحو میر اور ہدایت النحو سمیت نحو کی مبتدی و منتہی کتابیں ہضم کر لی ہیں، اس لئے عربی زبان وادب پر ان کو پورا عبور حاصل ہے۔ دوسروں کی عربی دانی پر تیر تنقید چلاتے ہیں۔ ان کی عربی دانی کی ایک جھلک اپنے ایک مضمون میں پیش کر چکا ہوں جس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ موصوف عربی زبان کو اپنے گھر کی لونڈی سمجھتے ہوئے جس طرح چاہتے ہیں استعمال کرتے ہیں۔ موصوف نے جس طرح نحوی ترکیب کے ذریعہ اپنے ترجمہ کو صحیح قرار دیا ہے اسی طرح نحوی ترکیب کے ذریعہ دوسرے ترجمہ کو بھی صحیح ثابت کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کا کوئی حاصل نہیں۔ کیونکہ آپ ماننے والے نہیں۔ حوالوں کے تعلق سے اتنا عرض کر دیں کہ مذکورہ شعر چاہے ہدایہ کے اندر ہو یا ہدایہ کے باہر، ہدایہ کے مقدمہ میں ہو یا کسی اور کے مقدمہ میں لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ یہ شعر کہا گیا ہے، اور کسی غیر مقلد نے اپنی جانب سے اسے گھڑا نہیں ہے، اور نہ ہی یہ شعر محض انہی کی کتابوں میں پایا جاتا ہے، بلکہ یہ آپ کے مذہب کی اہم کتابوں میں موجود ہے، یہاں تک کہ ہدایہ کی بعض طباعت میں اس کے سرورق پر مذکور ہے، اور اس کا کہنے والا قطعی طور پر کوئی حنفی مقلد ہی ہے اگر چہ ہم اس کا بروقت نام نہیں جانتے۔ اور یہ بھی عرض کر دیں کہ صرف یہی ایک شعر ہوتا تو ہم مولانا موصوف غازی پوری کی بات تسلیم کرنے پر اپنے آپ کو مجبور کر لیتے، لیکن یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے، جیسا کہ آپ اگلی سطروں میں ملاحظہ کریں گے کہ کتب مذہب کے بارے میں کیا کیا نہیں کہا گیا ہے۔ لہذا موصوف غازی پوری حوالوں کے تعلق سے یا ترجمہ کے تعلق سے جتنا چاہیں ہاتھ پیر چلائیں، اچھل کود مچائیں، عربی دانی کا سہارا لیں اور شاعر کو اظہار خیال کی آزادی عطا کریں لیکن شعر میں ہدایہ سے متعلق ایک حد درجہ مبالغہ آمیز اور مبنی بر غلو بات کہی گئی ہے جو کسی طرح مناسب نہیں ہے، اور یہ تقلید ہی کی دین ہے۔

فقہ حنفی کی کتابوں پر نظر ڈالنا قیام اللیل سے بہتر ہے

کسی صاحب دانش وبینش پر قیام اللیل (تہجد) کی فضیلت واہمیت مخفی نہیں ہے، ایک حدیث میں رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

" أفضل الصلاة بعد الفريضة قيام الليل " (۱)

یعنی ''فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز قیام اللیل ہے''۔

قارئین کرام شاید نہ جانتے ہوں! کتب فقہ، وہ بھی فقہ حنفی کی کتابوں کے بارے میں کہا گیا ہے:

" النظر في كتب أصحابنا من غير سماع أفضل من قيام الليل "(۲)

''ہمارے علماء مذہب (احناف) کی کتابوں میں اساتذہ سے ان کی سماعت کے بغیر (یعنی پڑھے بغیر) محض نظر ڈالنا ہی قیام اللیل (تہجد) سے افضل ہے''۔

مذکورہ عبارت سے ہم نے یہی سمجھا ہے اور یقین ہے کہ صحیح سمجھا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ موصوف غازی پوری اور ان کی ٹیم اپنی عربی دانی اور فقاہت کو بروئے کار لا کر اس عبارت کا کوئی نیا معنی متعین کریں اور کوئی اچھوتا مفہوم بتلائیں جس سے ان کی نظر میں مذکورہ عبارت کے اندر کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں ہوگی۔ لیکن ہم اسے کتب مذہب کی مبنی بر غلو تقدیس ہی کا نام دیں گے، اور اسے فتنہ قرار دیتے ہوئے تقلید کی کرشمہ سازی سمجھیں گے۔ ہم ہی کیا ہر غیر جانبدار یہی سمجھے گا۔

فقہ حنفی کی کتابیں اور ان کا سلسلۂ سند

علوم حدیث کی ایک اصطلاح ہے'' حدیث قدسی''۔ یوں تو قرآن کریم کی وضاحت کے مطابق رسول اکرم ﷺ دینی امور سے متعلق جتنی باتیں بتلا گئے ہیں وہ سب

(۱) صحیح مسلم (۸۲۱/۲، حدیث نمبر ۱۱۶۳)

(۲) الدر المختار (۴/۱)

من جانب اللہ ہیں۔آپ نے اپنی جانب سے کوئی بات نہیں کہی، ارشاد ربانی ہے:

" وما ينطق عن الهوى ، إن هو إلا وحي يوحى " (۱)

ترجمہ: ''اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے''۔

احادیث رسول علیہ الصلاۃ والتسلیم میں عام طور پر اللہ تعالی کی جانب نسبت صراحت کے ساتھ مذکور نہیں ہوتی، لیکن کچھ حدیثیں ایسی بھی آپ ﷺ سے مروی ہیں جن میں اللہ تعالی کا صراحت کے ساتھ ذکر موجود ہوتا ہے، انہی احادیث کو اصطلاح میں احادیث قدسیہ کہا جاتا ہے۔ ذخیرۂ احادیث میں حدیث قدسی کی تعداد بہت ہی محدود ہے، جن کو بعض اہل علم نے کتابی شکل میں یکجا ذکر کر دیا ہے (۲)۔لیکن فقہ حنفی کی کچھ کتابیں بھی ایسی ہیں جن کی سندیں بواسطۂ رسول اکرم ﷺ اللہ تبارک وتعالی سے جا ملتی ہیں۔اب ان کتابوں کو کیا نام دیا جاتا ہے یہ تو ہم نہیں بتا سکتے ہیں، ہو سکتا ہے اس سے مولوی ابو بکر غازی پوری واقف ہوں، لہذا وہی بتلا سکتے ہیں کہ ان کتابوں کا اصطلاحی نام کیا ہے؟ (۳) البتہ ان بعض کتابوں کی نشاندہی ضرور کر سکتے ہیں جن کی سندیں اللہ تبارک وتعالی تک پہونچائی گئی ہیں۔چنانچہ " تنوير الأبصار " جس کے مؤلف علامہ محمد بن عبداللہ

---

(۱) سورۃ النجم: ۴،۳

(۲) انہی میں سے علامہ زین الدین عبدالرؤف مناوی کی جمع کردہ ''الاتحافات السنية بالأحاديث القدسية'' بھی ہے، جس میں علامہ موصوف نے کل ''۲۷۲'' احادیث قدسیہ جمع کی ہیں۔

(۳) جماعت اہل حدیث کی نیش زنی کرتے ہوئے موصوف غازی پوری اور ایک پاکستانی بزرگ جن کے آگے مناظر اسلام جیسے بڑے القاب بھی لگے ہوئے ہیں لکھتے ہیں: حدیث کی مختلف قسمیں ہیں، صحیح، حسن، ضعیف، معضل، منقطع..... الخ ۔اہلحدیث حضرات بتلائیں کہ حدیث کی کس قسم کی جانب وہ اپنی نسبت کرتے ہیں؟ تاکہ ان کو اسی نام سے پکارا جائے۔ان کے اس چونچلے پن پر ایک فاضل دوست نے برجستہ کہا تھا: دیو بند جس کی جانب یہ لوگ اپنی نسبت کرتے ہیں وہ ایک گاؤں یا قصبہ ہے، جہاں مختلف قومیں بستی ہیں، ان میں حجام بھی ہیں، ہریجن بھی ہیں، دھوبی بھی ہیں، مسلم بھی ہیں غیر مسلم بھی ہیں۔لہذا دیو بند کی جانب نسبت کرتے وقت وہ یہ بھی وضاحت فرما دیں کہ ان مختلف طبقوں میں سے کس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں تو ان کی بھی نسبت مکمل ہو جائے۔

التمرتاشی الغزی (ف ۱۰۰۴ھ) ہیں، اور الدر المختار نامی کتاب اسی تنویر الابصار کی شرح ہے، شارح یعنی الدر المختار کے مؤلف محمد علاء الدین حصکفی (ف ۱۰۸۸ھ) اپنی سند کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس سند سے تنویر الابصار کو انہوں نے روایت کیا ہے:

" فإني أرويه عن شيخنا الشيخ عبد النبي الخليلي عن المصنف الغزي عن ابن نجيم المصري بسنده إلى صاحب المذهب أبي حنيفة بسنده إلى النبي المصطفى المختار، عن جبريل، عن الله الواحد القهار " (۱)

''میں اس کتاب (یعنی تنویر الابصار) کو اپنے شیخ عبدالنبی (۲) خلیلی سے روایت کرتا ہوں، انہوں نے مصنفِ کتاب غزی سے، مصنف کتاب نے ابن نجیم مصری سے، ابن نجیم نے اپنی سند سے صاحب مذہب امام ابوحنیفہ سے، انہوں نے اپنی سند سے رسول اکرم ﷺ سے، آپ ﷺ نے حضرت جبرئیل سے، اور حضرت جبرئیل نے اللہ رب العزت سے روایت کیا ہے''۔

ملاحظہ فرمائیے! کتاب تو تصنیف کی ہے علامہ محمد بن عبداللہ تمرتاشی نے، اور اس کی سند پہونچائی جارہی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ تک۔ اب آپ ہی بتلائیے ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔ کیا یہ مبالغہ آمیزی نہیں ہے؟

علامہ ابن عابدین محمد أمین (ف ۱۲۵۲ھ) نے الدر المختار پر حاشیہ لکھا ہے، جو رد المحتار کے نام سے معروف ہے۔ اسی طرح یہ کتاب حاشیہ ابن عابدین (جن کو ہمارے کرم فرما مولانا غازی پوری جو علماء اہلحدیث کا مبلغ علم ناپتے رہتے ہیں، اور جہل بسیط اور جہل

---

(۱) الدر المختار (۱/۲)

(۲) علماء اہل حدیث کی ہر چھوٹی بڑی غلطی پر ان کی نیش زنی اور طعن وتشنیع کرنے والے مولوی ابوبکر غازی پوری ہی اس نام کی مشروعیت بتلائیں گے، ہم کچھ عرض کریں تو گستاخ کہلائیں گے، اور موصوف غازی پوری کو حیرانی ہوگی جیسا کہ انہوں نے اپنے زمزم میں ایک جگہ اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ ج ۲ ش ۸ (ص ۴۷)، اور کوئی بعید نہیں کہ ان کے یہاں اس نام میں شرعی اعتبار سے کوئی قباحت نہ ہو کیونکہ وہی تو ہیں جو ابن عابدین کو ابن عبدالعابدین لکھتے ہیں۔

مرکب کی سند عطا کرتے رہتے ہیں، ابن عبدالعابدین کے نام سے جانتے ہیں) اور شامی کے نام سے بھی مشہور ہے، ابن عابدین نے بھی الدر المختار کی روایت کی ہے، اور اپنا طویل سلسلۂ سند امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تک پہونچاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"............ عن إمام الأئمة وسراج الأمة أبي حنيفه النعمان بن ثابت الكوفي، عن حماد بن سليمان، عن إبراهيم النخعي، عن علقمة، عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه، عن النبي ﷺ، عن أمين الوحي جبريل عليه السلام، عن الحكم العدل جل جلاله وتقدست أسماؤه ...." (۱)

الدر المختار جو علامہ حصکفی کی تالیف ہے، اسے بطریق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اللہ تبارک وتعالیٰ تک پہونچایا جارہا ہے، کیا اسے کمال جرأت اور ڈھیٹ پن کا نام نہیں دیا جائے گا؟ کہ ایک ایسی کتاب جسے ایک فرد بشر نے تصنیف کیا ہے، اس میں کہیں بطور استدلال کسی ایک آیت کا ذکر آیا ہوگا، یا کسی کے نام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نام مذکور ہوگا، اس کے باوجود کتاب کی سند اللہ تعالیٰ تک پہونچا دی گئی، جس کا بظاہر مفہوم یہی ہے کہ کتاب میں موجود تمام باتیں اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ ہیں۔ ان میں دوراز کار وہ مفروضہ مسائل بھی ہیں جو محض انسانی ذہن کی اپج ہیں، جن کا امر واقع سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ انہی میں امامت کی وہ ترتیب بھی ہے جس میں شکل وصورت اور سر سمیت عضو خاص کی بھی پیمائش کی گئی ہے۔ انہی میں کتاب الحیل کے اندر بیان کردہ دلچسپ مسائل بھی ہیں اور یہ سب کے سب مذکورہ سندِ روایت کی روشنی میں (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر کوئی جرأت ہوسکتی ہے؟ ہوسکتا ہے مولانا ابوبکر غازی پوری یا ان کے حاشیہ نشین اس کا کوئی اور معنی ومفہوم متعین کرکے اس سے کسی قسم کی معنوی قباحت کو دور کرنے کی ناکام کوشش کریں، جس سے ان کے ہمنوا حضرات کچھ دیر کے لئے مطمئن ہو جائیں گے،

---

(۱) الدر المختار ([illegible])

لیکن وہ لاکھ جتن کریں حقائق کو نہیں بدل سکتے۔

الدر المختار کی تالیف رسول اکرم ﷺ کی صریح اجازت سے عمل میں آئی ہے:

علامہ حصکفی نے الدر المختار کے مقدمہ میں کتاب کی تکمیل پر اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتے ہوئے اور اس کی حمد وثنا بیان کرتے ہوئے وضاحت فرمائی ہے کہ روضہ اقدس کے سامنے رسول اکرم ﷺ کی اجازت کے بعد کتاب کی تکمیل ہوئی ہے۔(۱)

اس اجازت کی نوعیت کیا تھی؟ اس کی وضاحت علامہ ابن عابدین نے اپنے حاشیہ میں کی ہے۔ اس اجازت کو صریحی اجازت قرار دیتے ہوئے بذریعہ خواب یا الہام اس کی حصولیابی کی بات کہی ہے۔ یہ اپنی جگہ ایک الگ مستقل بحث ہے کہ خواب اور الہام کے ذریعہ دین وشریعت کا کوئی مسألہ ثابت ہوسکتا ہے یا نہیں؟ جہاں تک ہمیں معلوم ہے کہ اس امر پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ خواب اور الہام کے ذریعہ دین وشریعت کا کوئی مسألہ ثابت نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں مسألہ ہی نہیں بلکہ پوری کتاب بذریعہ خواب یا الہام ثابت کی جارہی ہے اور کہا جارہا ہے کہ کتاب کی تصنیف رسول اکرم ﷺ کی اجازت سے عمل میں آئی ہے۔ اور اس کتاب میں شریعت کے تمام احکام ومسائل مذکور ہیں، اور ان میں ایسے مسائل کی کثرت ہے جو انسانی ذہن کی اپج اور پیداوار ہیں، جنہیں بذریعہ اجتہاد وقیاس ثابت کیا گیا ہے۔ بہرحال امت کے یہ فقہاء جنہیں ماہر اطباء کی حیثیت حاصل ہے جو خلاف کتاب وسنت کوئی بات کہہ نہیں سکتے، بقول علامہ عامر عثمانی: ''بہت زیادہ تفحص اور تحقیق وتدقیق اور امعان نظر کے بعد کتاب وسنت سے فقہاء کے بیان کردہ بہتیرے مسائل کی موافقت ثابت ہوجاتی ہے''۔ لہٰذا فقہاء کرام کی یہ بات بھی کتاب وسنت کے عین موافق ہی ہوگی۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

---

(۱) علامہ حصکفی کی عبارت ملاحظہ ہو: ''...... یسرت تبييض هذا الشرح تجاه وجه منبع الشريعة والدرر وضجيعيه الجليلين أبي بكر وعمر بعد الإذن منه ﷺ''۔ الدر المختار (۲/۱)۔

" وكأن الإذن للشارح حصل منه ﷺ صريحا برؤية منام أو بإلهام ، وببركته ﷺ فاق هذا الشرح على غيره ، كما فاق متنه ، حيث رأى المصنف النبي ﷺ ، فقام له مستقبلا واعتنقه عجلا وألقمه عليه الصلاة والسلام لسانه الشريف كما حكاه في المنح ، فكل من المتن والشرح من آثار بركته ﷺ ، فلا غرو إن شاع ذكرهما وفاق وعم نفعهما في الآفاق " (۱)

"گویا رسول اکرم ﷺ کی جانب سے شارح کو (کتاب لکھنے کی) صریح اجازت بذریعہ خواب یا بذریعہ الہام حاصل ہوئی تھی، اور آپ ﷺ کی برکت کی وجہ سے ہی اس شرح کو دیگر شروح پر فوقیت حاصل ہے، جس طرح سے اس کے متن کو فوقیت وبرتری حاصل ہے، کیونکہ مصنف کو رسول اکرم ﷺ کی رویت حاصل ہوئی تھی آپ کے استقبال میں کھڑے ہو گئے، اور سرعت کے ساتھ آپ سے معانقہ کیا، آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک ان کے منہ میں ڈال دی جیسا کہ منح نامی کتاب میں یہ بات مذکور ہے۔ لہذا متن اور شرح دونوں ہی آپ ﷺ کی برکتوں کا نتیجہ ہیں، اگر ان دونوں کتابوں کو چاردانگ عالم میں شہرت وبرتری حاصل ہوئی اور ان کا نفع عام رہا تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے"۔

اب اس حقیقت سے مولوی ابوبکر غازی پوری جیسے ماہرین مذہب ہی پردہ اٹھا سکتے ہیں کہ ان کتابوں کو جن کی تالیف رسول اکرم ﷺ کی صریح اجازت سے عمل میں آئی ہے اور جن کی سند اللہ تبارک وتعالی تک پہونچتی ہے کیا مقام ومرتبہ حاصل ہوگا؟ جب ایک فرد بشر کی تالیف کو اللہ تبارک وتعالی کی جانب منسوب کیا جاسکتا ہے، اور اس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی صریح اجازت سے اس کی تالیف عمل میں لائی گئی ہے تو ہدایہ کو قرآن کے مانند کہنے میں کونسی رکاوٹ حائل ہوسکتی ہے؟ معاملہ اسی پر بس نہیں ہے کہ

---

(۱) رد المحتار (۸۴/۱، طبعہ جدیدہ محققہ)

اپنے مذہب کی کتابوں کے بارے میں مبنی بر غلو اور مبالغہ آمیز تقدیس و تعظیم کا مظاہرہ کیا گیا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کیا گیا کہ صحیح بخاری جیسی حدیث کی صحیح ترین کتاب کے مطالعہ پر بندش لگانے کی کوشش بھی کی گئی، اسے مشکوک بنانے کے لئے مختلف ہتھکنڈے استعمال کیے گئے۔ چنانچہ ایک حنفی عالم جو منصب قضا پر فائز تھے فرماتے ہیں:

"من نظر فی کتاب البخاری تزندق"۔

''جس نے امام بخاری کی کتاب (صحیح بخاری) کا مطالعہ کیا وہ زندیق ہو گیا''۔

دنیائے حنفیت بلکہ دیوبندیت کی ایک بڑی بزرگ شخصیت جن کی زبان فیض ترجمان سے حق کے سوا کچھ نکلتا ہی نہیں، اور بزبان خود آج کے دور میں نجات کو اپنی اتباع پر موقوف بتلاتے ہیں امام بخاری رحمہ اللہ کو تعصب مذہبی سے متصف قرار دیتے ہیں۔

عمر کریم پٹنوی جیسی شخصیت بھی دنیائے حنفیت میں جنم لیتی ہے۔ یہ صاحب خدمت حنفیت کا فریضہ انجام دے کر اپنے آپ کو ان بخشے ہوئے لوگوں کی فہرست میں شامل کرنا چاہتے ہیں جن کی مغفرت کا مژدہ اللہ تبارک وتعالی نے امام صاحب کو سنایا تھا۔ لیکن یہ صاحب اپنی اعلی ظرفی کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک امام بخاری کو اپنی یاوہ گوئی، دشنام طرازی اور سب وشتم کا نشانہ نہیں بنائیں گے اس وقت تک خدمت حنفیت کا فریضہ انجام نہیں دے سکتے، اور نہ ان بخشے ہوئے لوگوں کی فہرست میں شامل ہو سکتے ہیں جن کی مغفرت کا وعدہ اللہ تبارک وتعالی نے کیا ہے۔ چنانچہ ''الجرح علی البخاری'' جیسی کتاب لکھ کر انہوں نے اپنے زعم کے مطابق خدمت حنفیت کا عظیم فریضہ انجام دیا، اور یہ تحقیق انیق پیش کی ہے کہ:

''اس زمانے میں بخاری پرستوں نے کتاب بخاری کا درجہ قرآن شریف سے بڑھا دیا ہے.....''۔

قربان جایئے اس تحقیق انیق پر۔ جس کتاب کے بارے میں امت کا یہ اتفاق بلکہ اجماع نقل کیا جاتا ہے کہ ''قرآن کریم کے بعد'' روئے زمین پر سب سے زیادہ صحیح کتاب

یہی صحیح بخاری ہے، اس کے بارے میں مذہبی تعصب کے گرفتار یئے یہ کہتے ہیں کہ اس کتاب کا درجہ قرآن شریف سے بڑھا دیا گیا ہے۔ اور اپنے شاعر کے اس شعر

"إن الهداية كالقرآن قد نسخت ....."

کے بارے میں کہتے ہیں کہ کوئی معنوی قباحت نہیں ہے۔ " الجرح علی البخاری " نامی کتاب میں امام بخاری رحمہ اللہ کی تنقیص وتوہین، اور سب وشتم میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی گئی، ان کی فقاہت پر کیچڑ اچھالتے ہوئے انہیں ایک طفل مکتب سے زیادہ اہمیت نہیں دی گئی ہے چہ جائیکہ انہیں فقیہ یا مجتہد تسلیم کیا جائے۔

دیوبندیت کی ایک دوسری بڑی ہستی جو درجہ کمال کو پہونچی ہوئی ہے اور محدث کبیر کے عظیم اور بوجھل لقب سے زیر بار ہے، انہوں نے بھی خدمت حنفیت کا فریضہ انجام دے کر اپنے آپ کو بخشے بخشائے لوگوں کی فہرست میں شامل کرنے کی کوشش کی ہے، اور اپنے اسلاف کی طرح صحیح بخاری پر ہی ہاتھ صاف کرنا چاہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے حدیث کی ایک اہم کتاب کی شرح لکھی ہے۔ اس کے مقدمہ میں صحیح بخاری کے اندر موجود احادیث کی اقسام بیان کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ صحیح بخاری میں احادیث کی ایک قسم ایسی بھی پائی جاتی ہے جو متفقہ طور پر ضعیف ہے۔(۱)

بالکل واضح اور طے شدہ بات ہے کہ یہ سب تقلید ہی کی دین ہیں، انہیں کسی عظیم فتنہ سے کم نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی اپنے تقلیدی ذہن کی وجہ سے انہیں فتنہ سمجھنے کے بجائے کار ثواب سمجھے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ترک تقلید کو فتنوں کی جڑ قرار دینے والوں اور اس کے مہلک نتائج بیان کرنے والوں کو اس موضوع پر قلم چلانے سے پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچنا چاہئے اور اپنے بارے میں بھی غور کرنا چاہئے کہ کتنے پانی میں ہیں۔

تقلید کی کرشمہ سازی کے بعض نمونے سابقہ سطور میں آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ یہ تقلید ہی کی کرشمہ سازی ہے کہ اس نے مذہب اور امام مذہب کی مدح وثنا اور تعریف

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: راقم کا مقدمہ بر کتاب " جراحة القلب والعينين بترك احاديث رفع اليدين " مولفہ ابو عامر محمدی (ص ۴۵)

وتوصیف میں مقلدین کو نہ صرف زمین و آسمان کے قلابے ملانے پر مجبور کیا بلکہ مضحکہ خیز حد تک رنگ آمیزی اور مبالغہ آرائی سے کام لینے پر بھی مجبور کر دیا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقام و مرتبہ کو بلند و بالا دکھانے کے لئے ایسے قصے اور واقعات گھڑے گئے جن کے سامنے مقام نبوت بھی ہیچ نظر آتا ہے۔ حنفی مذہب کی مستند و معتبر کتابوں میں مذکور امام صاحب کے آخری حج کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے، جس کا ذکر حوالوں کے ساتھ پچھلے صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ اس تفصیل کے مطابق امام صاحب نے اپنے ایک پیر پر کھڑے ہو کر نصف قرآن اور دوسرے پیر پر باقی نصف قرآن کی تلاوت کی۔ اور اپنے مخصوص الفاظ میں اللہ تعالی سے مناجات کی، جس کے نتیجے میں اللہ تعالی کے ساتھ ہم کلامی کے شرف سے مشرف ہوئے، اور ان کو اللہ تعالی کی جانب سے ایک ایسا وظیفہ عنایت کیا گیا جس کا ورد کرنے والا بروز قیامت عذاب الہی سے نجات پا جائے گا۔ یہی نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سمیت تمام احناف کی بخشش و مغفرت کا مژدہ جاں فزا بھی سنایا گیا۔ کیا اس طرح کا کوئی موقع رسول اکرم ﷺ کو نصیب ہوا تھا، جس میں آپ کے ساتھ تا قیامت آنے والی آپ کی امت اور آپ کے متبعین کی بخشش و مغفرت کی بشارت سنائی گئی ہو؟

ہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر اسلاف امت کو اس طرح کی رنگ آمیزی اور مبالغہ آرائی کے ساتھ بیان کیے گئے واقعات سے بہت ہی اعلی وارفع سمجھتے ہیں۔ ان کی شخصیات اس قسم کے بازاری قصوں اور سوقیانہ حکایات کی محتاج نہیں ہیں۔ یہی نہیں کہ مقلدین نے صرف امام مذہب کے بارے میں ہی ممنوعہ مبالغہ آمیزی سے کام لیکر انہیں اس مقام و مرتبہ پر بٹھا دیا جہاں مقام نبوت بھی ہیچ نظر آتا ہے بلکہ تقلید کی کرشمہ سازی نے شخصیت پرستی کے اس عمیق گڑھے میں انہیں لے جا کر بٹھا دیا جہاں ان کو اپنے دیگر ائمہ اور علماء مذہب بھی شریعت ساز نظر آتے ہیں۔ خواہ اس کا زبانی طور پر نہ اعتراف کریں لیکن ان کی حالت اس بات کی مکمل طور پر غمازی کرتی ہے، اور ان کی عبارتوں سے اس کی جانب

واضح اشارے ملتے ہیں۔ چوتھی صدی ہجری کے علامہ ابوالحسن عبید اللہ بن الحسن الکرخی (رحمہ اللہ وتجاوز عنہ) کو یہ کہنے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟

"إن كل آية تخالف قول أصحابنا فانها تحمل على النسخ او الترجيع ، والأولى أن تحمل على التاويل من جهة التوفيق " (۱)

''ہر وہ آیت جو ہمارے اصحاب کے قول کے خلاف ہو اسے نسخ یا ترجیع (کذا) پر محمول کیا جائے گا، اور بہتر یہ ہے کہ اسے تاویل پر محمول کیا جائے تاکہ توافق ظاہر ہو جائے''۔(۲)

معاملہ اسی پر بس نہیں ہوتا بلکہ مزید ارشاد ہوتا ہے:

"إن كل خبر يجئ بخلاف قول أصحابنا فانه يحمل على النسخ أو على أنه معارض بمثله " (۳)

''ہر وہ حدیث جو ہمارے اصحاب کے قول کے خلاف ہو اسے نسخ پر محمول کیا جائے گا، یا یہ سمجھا جائے گا کہ وہ معارض ہے اپنے ہم پلہ حدیث کے''۔(۴)

کیا اسے شخصیت پرستی کی انتہا کا نام نہیں دیا جائے گا؟ ہو سکتا ہے مولوی ابو بکر غازی پوری اور ان کی شورائی مجلس اپنی علمی مہارت اور فقہی بصیرت و بصارت کو کام میں لاتے ہوئے مذکورہ عبارت کا کوئی اچھوتا اور دل نشین معنی و مفہوم متعین کریں، اور اس پر کسی قسم کی شرعی یا لغوی قباحت مترتب ہونے سے انکار کریں، لیکن حقیقت یہی ہے کہ اس شخصیت پرستی سے شریعت سازی کی بو آتی ہے۔

شخصیت پرستی کے اسی مقام سے مولانا عامر عثمانی (رحمہ اللہ وغفر لہ) جیسا جہاندیدہ شخص بھی لکھتا ہے:

---

(۱) اصول الکرخی مع اصول البزدوی (ص ۳۷۳ سطر ۲، ۳ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی) منقول از اصلی اہل سنت (ص ۱۲۰)

(۲) اصول الکرخی (اردو) (ص ۲۲ نمبر ۲۸ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد منقول از اصل اہل سنت (ص ۱۲۰)

(۳) اصول الکرخی مع اصول البزدوی (ص ۳۷۳، س ۱۵، ۱۶)

(۴) اصول الکرخی (اردو) (ص ۲۵، نمبر ۲۹) منقول از اصلی اہل سنت (ص ۱۲۰)

''فقہ کے بہتیرے مسائل ایسے ہوتے ہیں جو صرف بادی النظر ہی میں نہیں، بلکہ تھوڑے غور و فکر اور نقد و نظر کے بعد بھی قرآن و سنت کے خلاف محسوس ہوتے ہیں، لیکن جب زیادہ امعان نظر اور تفحص اور تحقیق و تدقیق سے کام لیا جائے تو عین حق ثابت ہوتے ہیں''۔(۱)

گویا فقہاء مذہب علم و معرفت کے اس مقام پر فائز ہوتے ہیں کہ ان سے غلطی کے صدور کا امکان باقی ہی نہیں رہ جاتا ہے۔ اگر ان سے ایسی کوئی بات منقول ہو بھی جس میں بظاہر کتاب و سنت سے مخالفت کا پتہ چلتا ہو تو اس پر مخالفت کا حکم نہ لگا کر بقول علامہ کرخی آیت یا حدیث ہی کو منسوخ قرار دے دیا جائے گا۔ یا پھر دونوں میں تطبیق اور توافق پیدا کرنے کے لئے آیت یا حدیث میں تاویل کا سہارا لیا جائے گا، اور یہی ان کے نزدیک زیادہ بہتر بات ہے۔ اور بقول علامہ عامر عثمانی بہت زیادہ امعان نظر اور بحث و تحقیق سے کام لیا جائے گا تو وہ کتاب و سنت کے عین موافق نظر آئیں گے۔ کاش کہ اپنے بظاہر بڑے ہی دل نشین اور معقول دعوی کو دو تین مثالوں سے واضح بھی کر دیتے تو بہت بہتر ہوتا۔ ورنہ ہمارے پاس تو ایسی بہت سی مثالیں ہیں جن کی کسی بھی صورت میں کتاب و سنت سے موافقت نظر نہیں آتی، سوائے ایک صورت کے کہ ہم بھی شخصیت پرستی کے اس مقام پر جا بیٹھیں جہاں یہ حضرات بیٹھے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر یہی بات جو فقہ کی ایک بہت ہی معتبر کتاب میں لکھی ہے کہ الدر المختار کی تالیف رسول اکرم ﷺ کی صریحی اجازت سے عمل میں آئی ہے، جیسا کہ سابقہ سطور میں بیان کیا جا چکا ہے، یا ایک دوسری کتاب جو الدر المختار کی اصل ہے اور اس کا نام تنویر الابصار ہے، اس کتاب کے مؤلف کے منہ میں رسول اکرم ﷺ نے اپنی زبان مبارک ڈال دی تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کتابوں کو دوسری تمام کتابوں پر فوقیت حاصل ہوئی، اور چار دانگ عالم میں انہیں زبردست شہرت نصیب ہوئی۔ یا یہ کہ ان دونوں کتابوں کی سندیں بواسطہ امام صاحب اللہ تبارک و تعالی

---

(۱) [illegible]

سے جاملتی ہیں۔اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے آخری حج کی تفصیلات یا آپ کا چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرنا۔ان تمام امور کی کتاب وسنت سے موافقت ومطابقت واضح کردی جائے،اوراس سلسلے میں چاہے جتنا غور وفکر کیا جائے اور بحث وتحقیق اور امعان نظر سے کام لیا جائے،تو ہم سمجھیں گے کہ درحقیقت آپ اپنے دعوی میں سچے ہیں۔ چونکہ علامہ عامر عثمانی اب ہمارے درمیان رہے نہیں اس لئے انہیں کے نہج پر کام کرنے والے خصوصاً غازی پور کی شورائی مجلس ہی اس کام کوانجام دیدے تو ہم ان کے بہت ہی ممنون ومشکور ہوں گے۔ اور ان شاء اللہ تاقیامت کتاب وسنت سے ان کی موافقت نہیں ظاہر کرسکتے۔

ہم یہاں یہ واضح کردینا چاہتے ہیں جیسا کہ برابر واضح کرتے چلے آئے ہیں کہ ہم اپنی ان معروضات کے ذریعہ علماء امت کی کسی بھی طرح تحقیر وتذلیل نہیں کرنا چاہتے ہیں اور نہ یہ ہمارا مقصود ہے بلکہ یہ اسلاف امت ہیں جنہوں نے ممکنہ حد تک دین کی خدمت کی ہے،اوران کی خدمات ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔دین کی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے ہم ان کی جدوجہد اور کاوشوں سے بے نیاز نہیں ہوسکتے۔ ہمارے اوپر ان کی تعظیم وتوقیر اور عزت واحترام واجب وضروری ہے۔کیوں کہ اسلام میں بڑوں کی عزت اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت کو لازمی قرار دیا گیا ہے،بصورت دیگر اسلام سے خروج کی وعید سنائی گئی ہے، چنانچہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"لیس منا من لم یرحم صغیرنا ویوقر کبیرنا ...." (۱)

(جو ہمارے بزرگوں اور بڑوں کا ادب واحترام نہ کرے اور ہمارے بچوں پر شفقت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے) تو علماء امت کا ادب واحترام بدرجہ اولی واجب وضروری ہوگا۔لیکن اس ادب واحترام کا مطلب ہرگز ہرگز یہ نہیں ہے کہ دلائل کی روشنی میں اور ادب واحترام کے دائرہ میں ان سے اختلاف نہیں کیا جاسکتا ہے، یا یہ کہ ان کی ہر بات کو

(۱) الترمذی فی السنن، البر والصلۃ (۴/۲۸۴) حدیث نمبر ۱۹۲۱ احمد شاکر) ومسند احمد (۱/۲۵۷) عن عبداللہ بن عباس، دیگر

من وعن تسلیم کرنا ضروری ہے۔ یہ خصوصیت تو صرف رسول اکرم ﷺ کو ہی حاصل ہے۔ آپ کے علاوہ امت کا کوئی فرد ایسا نہیں ہے جس کی جملہ باتیں واجب التسلیم یا واجب الاطاعت ہوں۔ اگر ایسا ہوتا تو ائمہ امت کی ان کے شاگردان رشید کبھی بھی مخالفت نہیں کرتے۔ لیکن امر واقع یہ ہے کہ ایک روایت کے مطابق ایک ثلث مسائل میں دوسری روایت کے مطابق دو ثلث مسائل میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردوں نے آپ کی مخالفت کی ہے۔ اور ہم نے یہ سلسلہ جو شروع کیا ہے تو بدرجۂ مجبوری اور بادل نخواستہ لوگوں کی لن ترانیوں، ظلم و تعدی اور ان کی دل آزار باتوں سے دل برداشتہ ہو کر شروع کیا ہے۔

بہر حال تقلید کی کرشمہ سازی رہی ہے کہ اس نے نہ صرف امام مذہب اور مذہب کی تعظیم و تقدیس میں اہل تقلید کو انتہا درجہ کے غلو و مبالغہ آرائی اور رنگ آمیزی میں مبتلا کیا جس سے شریعت میں مبینہ طور پر روکا اور منع کیا گیا ہے، بلکہ علماء مذہب کی بھی غیر معمولی تعظیم و تقدیس میں مبتلا کر دیا جس کی وجہ سے وہ شخصیت پرستی کا شکار ہو کر رہ گئے۔ اور ایسی ویسی شخصیت پرستی نہیں بلکہ ایسی شخصیت پرستی کہ اپنے علماء مذہب کو شریعت سازی کے مقام پر بٹھایا کہ ان کی کہی ہوئی باتیں حرف اخیر کی حیثیت رکھتی ہیں، ان پر کسی قسم کا چوں چرا عذاب الٰہی کا باعث بن سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی عالم نے باجماعت نماز ادا کرنے کے لئے خواتین کے مسجد نہ جانے پر علماء متأخرین کا اجماع نقل کر دیا تو اس کو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ حجت کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اس کے مقابلے میں خواتین کے مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کے تعلق سے وارد تمام صحیح احادیث کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ اور بقول علامہ کرخی ان صحیح احادیث کو منسوخ قرار دے دیا گیا یا یہ کہ ان کی تاویل کی گئی، یا غیر سالم عن المعارضۃ کا حکم عاید کر کے انہیں معمول بہ کے دائرہ سے خارج کر دیا گیا اور اس کی مطلق ضرورت نہیں محسوس کی گئی کہ دیکھا جائے دعویٰ اجماع درست بھی ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو کب اور کہاں اور کن لوگوں کا یہ اجماع منعقد ہوا؟ دعوی اجماع تو بہت آسان ہے، لیکن اس کے انعقاد کا اثبات بہت مشکل ہے۔ اور کیا ان واضح نصوص کی موجودگی میں

اس طرح کا اجماع منعقد ہو سکتا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ آج تک متعدد ملکوں میں جہاں تقلیدی مذاہب رائج ہیں خواتین برابر مسجدوں میں باجماعت نماز کی ادائیگی کے لئے جاتی رہی ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر اگر کوئی عالم بشرطیکہ وہ اپنے مذہب اور اپنی مخصوص جماعت کا ہو دانستہ یا نادانستہ قرآن کی کسی آیت میں غلطی کر بیٹھتا ہے تو نشاندہی اور تنبیہ کے باوجود اس غلطی کے ازالہ کی کوشش نہیں کی جاتی، بلکہ غلطی کی نشاندہی کرنے والوں کو عذاب الٰہی کی بشارت سنائی جاتی ہے، یا اس غلطی کے لئے وجہ جواز فراہم کرنے کی غرض سے دوسرے عالموں کی چھوٹی بڑی غلطیوں کو تلاش کر کر کے ان پر یا ان کی جماعت پر پھبتی کسی جاتی ہے۔ بلکہ ایک صاحب نے خمار سلفیت کے عنوان سے زمزم نامی پرچے میں مستقل طور سے ڈرامہ رچنے کی ذمہ داری لے رکھی ہے جنہیں اپنی آنکھوں کا شہتیر تو نہیں نظر آتا لیکن دوسروں کی، خاص طور سے جماعت اہل حدیث کے علماء کی آنکھوں کا تنکا ضرور نظر آجاتا ہے۔ اور اپنی کوکھ سے جنم دیئے غیر مقلد باپ بیٹے کو اپنے جھوٹے ڈرامہ کا کردار بنا کر ایسا پھکڑ اور مبنی بر ہذیان ڈرامہ رچ رہے ہیں کہ ان کی جماعت کی آنے والی کئی نسلیں اپنے قلب وجگر کو راحت وسکون، آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل ودماغ کو تر وتازگی اور سرور بہم پہونچاتی رہیں گی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شخصیت پرستی کے چند اچھوتے نمونے پیش کر دیئے جائیں تاکہ واضح ہو سکے کہ تقلید اور تقلید کے زیر سایہ پروان چڑھنے والی شخصیت پرستی فتنہ کی جڑ ہے یا ترک تقلید۔ جس کے بارے میں تقلید کے گرفتار یئے بیک زبان چیخ چیخ کر اعلان کر رہے ہیں کہ ترک تقلید ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔

مولانا (..................) انسان نہیں بلکہ فرشتۂ مقرب تھے؟

ابھی تک بریلوی حضرات ہی بڑا زور صرف کر رہے تھے کہ رسول اکرم ﷺ بشر نہیں ہیں لیکن معلوم ہوا کہ اہل دیوبند کی پاک طینت جماعت بھی اپنے بعض قائدین اور

روحانی پیشواؤں کی بشریت کی قائل نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ:

''میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان (............) کا دیکھا، وہ شخص ایک فرشتۂ مقرب تھا جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا تھا'' (۱)

اور شاید یہی وجہ ہے کہ مولانا موصوف نے ایام طفلی میں خواب میں دیکھا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی گود میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ (۲)

ذرا اسے بھی ایک نظر......

شخصیت پرستی کا ایک نادر نمونہ ملاحظہ فرمائیں: اشرف السوانح کے مؤلف خواجہ عزیز الحسن غوری مجذوب (؟) (بی، اے علیگ) رقم طراز ہیں:

''ایک بار عشق ومحبت کے جوش میں حضرت والا سے بہت جھجکتے اور شرماتے دبی زبان سے عرض کیا کہ حضرت ایک بہت ہی بیہودہ خیال دل میں بار بار آتا ہے جس کو ظاہر کرتے ہوئے بھی نہایت شرم دامن گیر ہوتی ہے اور جرأت نہیں پڑتی، حضرت والا اس وقت نماز کے لئے اپنی سہ دری سے اٹھ کر مسجد کے اندر تشریف لے جارہے تھے، فرمایا: کہیئے، کہیئے، احقر نے غایت شرم سے سر جھکائے ہوئے عرض کیا کہ میرے دل میں بار بار یہ

---

(۱) مبشرات دار العلوم (ص ۶۲) واضح ہو کہ اس واقعہ کو ارواح ثلاثہ اور سوانح قاسمی کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے، اور مبشرات دار العلوم پر متعدد علماء دیوبند کے مہر تصدیق ثبت ہیں۔

(۲) مبشرات دار العلوم (ص ۶۳) یہ واقعہ سوانح عمری اور سوانح قاسمی کے حوالے سے مذکورہ کتاب میں منقول ہے، سوانح قاسمی کے مؤلف نے اس واقعہ کا تذکرہ کرنے کے بعد اسے حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب سے تشبیہ دی ہے، اور لکھا ہے کہ اس خواب کی تعبیر میں والد پیغمبر نے ''مقام اجتباء'' کی خوش خبری ان کو سنائی تھی۔ مولانا موصوف نے بھی اپنے اس خواب کا تذکرہ اپنے جد امجد سے کیا تھا تو انہوں نے اس خواب کو سن کر فرمایا تھا: ''تم کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے گا، اور بہت بڑے عالم ہو گے، اور نہایت شہرت ہو گی'' اس کے بعد مصنف سوانح قاسمی فرماتے ہیں کیا اس تعبیر میں اسی اجتبائی رنگ کی جھلک نظر نہیں آتی 'سوانح قاسمی (۱/۱۳۲) شخصیت پرستوں کو نظر آتی ہوگی، ہمیں تو اس میں مضحکہ خیز حد تک مبالغہ آرائی اور رنگ آمیزی نظر آتی ہے۔ اولوالعزم انبیاء سے موازنہ کیا جارہا ہے۔

خیال آتا ہے کہ کاش میں عورت ہوتا حضور کے نکاح میں، اس اظہار محبت پر حضرت والا غایت درجہ مسرور ہو کر بے اختیار ہنسنے لگے اور یہ فرماتے ہوئے مسجد کے اندر تشریف لے گئے۔ یہ آپ کی محبت ہے، ثواب ملے گا، ثواب ملے گا ان شاء اللہ تعالیٰ" (۱)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اکرم ﷺ سے غایت درجہ محبت کرتے تھے، بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ آپ کو عزیز رکھتے تھے اور آپ کے لئے اپنی جان نچھاور کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے، لیکن کسی صحابی کے متعلق نہیں منقول ہے کہ انہوں نے اس قسم کی بات رسول اکرم ﷺ سے کہی ہو۔ مختلف صحابہ کرام نے اپنی مختلف تمناؤں کا آپ سے اظہار کیا۔ کسی نے جنت میں آپ کی رفاقت کی خواہش ظاہر کی، آپ نے ان کو مناسب حال جواب دیا، اور مطلوب کے حصول کے لئے امر لازم کی جانب توجہ دلائی۔ لیکن اس نوعیت کی تمنا کسی نے نہیں ظاہر کی۔

اسے کیا نام دیں گے؟

● تذکرۃ الرشید میں منقول ہے:

"واللہ العظیم مولانا تھانوی کے پاؤں دھو کر پینا نجات اخروی کا سبب ہے" (۲)

سید الاولین والآخرین اللہ کے محبوب ترین بندے خاتم الانبیاء والمرسلین نبینا محمد ﷺ اپنے خاندان کے قریب ترین لوگوں کو بلکہ اپنی لخت جگر نور نظر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے اعلان فرماتے ہیں:

"تم سب لوگ قیامت کے دن جہنم کی آگ سے اپنے بچاؤ کا بندوبست کر لو، میں اس دن تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ البتہ دنیا میں جو کچھ مانگنا ہے مانگ لو۔" (۳)

لیکن یہاں قسم کھا کر کہا جا رہا ہے کہ فلاں کے پیر دھو کر پینا نجات اخروی کا باعث ہے۔ کیا اس قسم کی بات حضور اکرم ﷺ کے تعلق سے کسی آیت یا حدیث میں مذکور ہے۔

---

(۱) اشرف السوانح (۲/ ۲۸ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون)

(۲) تذکرۃ الرشید ۱/ ۱۱۳

(۳) مکمل حدیث کے لئے ملاحظہ ہو صحیح مسلم، الایمان (۱/ ۱۹۲) حدیث نمبر ۳۴۸-۳۵۱ فواد عبدالباقی)

اگر ایسی بات ہو سکتی ہے تو اس کے مستحق سب سے زیادہ آپ ﷺ ہیں۔ لیکن شخصیت پرستی کی یہ کرشمہ سازی ہے کہ ان لوگوں نے اپنے بزرگوں کو مقام نبوت سے بھی بڑھا دیا۔

تذکرۃ الرشید ہی میں ایک جہاز کا قصہ مذکور ہے جو طوفان کی نذر ہو گیا تھا، نجات کے تمام راستے مسدود ہو چکے تھے، ہلاکت کے آثار بالکل نمایاں تھے، مسافروں سمیت عملہ کے لوگوں پر بھی سراسیمگی طاری تھی، جہاز میں امام ربانی قدس سرہ بھی سوار تھے، انہوں نے لوگوں کی حیرانی و پریشانی کو دیکھ کر فرمایا: بھئی کوئی مرے گا تو ہے نہیں! ہم تو کسی کے بلائے ہوئے جا رہے ہیں، خود نہیں جا رہے ہیں''۔ تین دن کے بعد طوفان تھم گیا، اور جہاز اپنی رفتار پر چلنے لگا۔ اس کے بعد مولف تذکرۃ الرشید لکھتے ہیں:

''سنا ہے کہ طوفان کی سخت شدت کے وقت جس کی تھوڑی دیر بعد سکون کے آثار پیدا ہوئے حکیم ضیاء الدین صاحب یا کسی دوسرے شخص نے عالم رویا یا عالم واقعہ میں دیکھا تھا کہ متلاطم سمندر میں ایک جانب اعلی حضرت حاجی صاحب اور دوسری جانب حافظ ضامن صاحب جہاز کو کندھے پر رکھے ہوئے آگے کو ڈھکیلتے اور موجوں کے تھپیڑوں سے اس کی حفاظت فرماتے جا رہے ہیں اور کہتے ہیں: گھبراؤ نہیں'' (۱)

یہ تو تذکرۃ الرشید کی روایت ہوئی ؛ یہی واقعہ یا دوسرا واقعہ اسی سے ملتا جلتا ''کرامات امدادیہ'' میں دو طرح سے منقول ہے۔ چونکہ کرامات امدادیہ ہمیں دستیاب نہیں ہے، اس لئے دونوں روایتوں کے نقل میں کتاب ''الدیوبندیۃ'' اور کتاب ''دیوبندی عقائد کا تحقیقی جائزہ'' پر اعتماد کیا گیا ہے۔

(۱) مولانا اشرف علی تھانوی حافظ عبد القادر تھانوی سے اور وہ مولانا محمد قدس سرہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ حج کے ارادے سے ہم آگبوٹ پر سوار ہوئے، آگبوٹ طوفان کا شکار ہو گیا، طوفان کئی دن برقرار رہا یہاں تک کہ آگبوٹ سخت خطرہ میں پڑ گیا، اور ڈوبنے کے قریب تھا کہ کپتان نے باآواز بلند اعلان کیا: اب دعاء کا

---

(۱) تذکرۃ الرشید (۲۰۶،۲۰۵/۱)

وقت آگیا ہے، لہذا اللہ تعالی سے دعا کی جائے ۔ میں مراقبہ میں بیٹھ گیا، اور مجھ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی، اور میں نے دیکھا کہ آگبوٹ کے ایک بازو کو حافظ ضامن علی اور دوسرے بازو کو حاجی صاحب مکی کندھا دیئے ہوئے ہیں، کندھا دے کر آگبوٹ کو سطح سمندر پر برابر کر دیا، جس سے وہ صحیح سلامت رواں دواں ہوگیا، اور لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ۔ میں نے اس واقعہ کو وقت اور دن، مہینہ اور تاریخ کے ساتھ اپنی ڈائری میں قلم بند کرلیا ۔ جب سفر سے واپسی ہوئی اور تھانہ پہونچا، اور ڈائری میں نوٹ کردہ واقعہ پر نظر پڑی تو بعض لوگوں سے دریافت کیا ۔(۱)

''ایک طالب علم قدرت علی ساکن ایندری ملک پنجاب مرید و خادم حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر تھا، اس نے بیان کیا کہ بیشک فلاں وقت میں حاضر تھا، حاجی صاحب حجرے سے باہر تشریف لائے ، اور اپنی لنگی بھیگی ہوئی مجھ کو دی ، اور فرمایا اس کو کنویں کے پانی سے دھو کر صاف کرلو، اس لنگی کو جب سونگھا اس میں دریائے شور کی بو اور چکنا پن معلوم ہوا، اس کے بعد حضرت حافظ صاحب اپنے حجرے سے برآمد ہوئے اور اپنی لنگی دی، اس میں بھی اثر دریا کا معلوم ہوتا تھا'' ۔(۲)

۲- دوسری روایت کچھ اس طرح ہے: مولانا اشرف علی تھانوی مولوی نظام الدین صاحب کیرانوی سے وہ مولوی عبداللہ براقی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک نہایت معتبر شخص ولایتی بیان کرتے ہیں کہ میرے ایک دوست جو کہ بقیۃ السلف حجۃ الخلف قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب چشتی صابری تھانوی ثم المکی سلمہ اللہ تعالی سے بیعت تھے، حج خانہ کعبہ تشریف لے جاتے تھے، بمبئی سے آگبوٹ میں سوار ہوئے ، آگبوٹ نے چلتے چلتے ٹکر کھائی اور قریب تھا کہ چکر کھا

---

(۱) یہاں تک واقعہ ''الدیوبندیۃ'' (ص ۱۷) کے عربی متن سے ماخوذ ہے، اس کو ''الدیوبندیۃ'' سے لینے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ کرامات امدادیہ ہمیں دستیاب نہیں ہے، اور ''دیوبندی عقائد کا تحقیقی جائزہ'' میں مکمل واقعہ مذکور نہیں ہے ۔

(۲) ماخوذ از ''دیوبندی عقائد کا تحقیقی جائزہ'' مولفہ سید طالب الرحمٰن (ص ۱۴ - ۱۵) واضح ہو کہ مذکورہ واقعہ کرامات امدادیہ (۱۴) کے حوالے سے اس کتاب میں منقول ہے ۔

کر غرق ہو جائے یا دوبارہ ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے، انہوں نے جب دیکھا کہ اب مرنے کے سوا چارہ نہیں، اسی مایوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا۔ (۱) اور عرض کیا کہ ''اس وقت سے زیادہ کونسا وقت امداد کا ہوگا'' اللہ تعالی سمیع وبصیر کارساز مطلق ہے، اسی وقت ان کا آگبوٹ غرق سے نکل گیا اور تمام لوگوں کو نجات ملی، ادھر تو یہ قصہ پیش آیا، ادھر اگلے روز مخدوم اپنے خادم سے بولے ذرا میری کمر تو دباؤ، نہایت درد کرتی ہے، خادم نے کمر دباتے دباتے پیراہن مبارک جو اٹھایا تو دیکھا کمر چھلی ہوئی ہے، اور اکثر جگہ سے کھال اتر گئی ہے، پوچھا حضرت یہ کیا بات ہے کمر کیوں کر چھلی؟ فرمایا: کچھ نہیں، پھر پوچھا: آپ خاموش رہے، تیسری مرتبہ پھر دریافت کیا حضرت یہ تو کہیں رگڑ لگی ہے، اور آپ تو کہیں تشریف بھی نہیں لے گئے، فرمایا: ایک آگبوٹ ڈوبا جارہا تھا، اس میں تمہارا دینی اور سلسلے کا بھائی تھا، اس کی گریہ وزاری نے مجھے بے چین کر دیا، آگبوٹ کو کمر کا سہارا دے کر اوپر کو اٹھایا، جب آگے چلا، اور بندگان خدا کو نجات ملی۔ اسی سے چھل گئی ہوگی، اور اسی وجہ سے درد ہے مگر اس کا ذکر نہ کرنا''۔ (۲)

واقعہ کی ایک تیسری بالکل جداگانہ روایت ہے جو ''ارواح ثلاثہ'' اور نئے نام ''حکایات اولیاء'' میں مذکور ہے، اس میں جہاز کے سوار بھی کوئی دوسرے فرد ہیں، اخیر میں بیان کرتے ہیں: ''طواف سے فارغ ہو کر حاجی صاحب سے ملا، اور کملی پیش کی اور جہاز کا

(۱) کفار مکہ کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے:

''واذا غشیھم موج کالظلل دعوا اللہ مخلصین لہ الدین " (لقمان ۳۲)

" واذا مسکم الضر فی البحر ضل من تدعون الا ایاہ فلما نجاکم الی البر أعرضتم، وکان الانسان کفورا ". (بنی اسرائیل ٦٧)

اسی طرح کی متعدد آیات قرآن کریم میں وارد ہوئی ہیں، جن کا مفہوم یہ ہے کہ مشرکین مکہ جب سمندری سفر کرتے اور انہیں سمندر میں کسی طوفان کا سامنا ہوتا تو اپنے سارے معبودان باطلہ کو فراموش کر کے صرف اللہ تعالی کو یاد کرتے تھے، ان خوش عقیدہ بزرگ کو اس مصیبت میں اللہ تعالی کا خیال نہ آ کر پیر روشن ضمیر کا خیال آتا ہے، اور اس سے امداد کے طالب ہوتے ہیں، اب آپ ہی اس پر کچھ فرمائیں ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

(۲) ملاحظہ ہو: دیوبندی عقائد کا تحقیقی جائزہ (ص ۱۴، ۱۵) والدیوبندیۃ (ص ۷۰) دونوں میں کرامات امدادیہ کے حوالے سے واقعہ مذکور ہے۔

قصہ عرض کیا، آپ نے فرمایا: بھائی مجھے تو خبر بھی نہیں"۔(۱) طوالت سے گریز کرتے ہوئے مکمل واقعہ نقل نہیں کیا گیا۔

واقعہ کی تضاد بیانی اور اس کے اضطراب سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ اسے تعدد پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے، ہم قارئین کرام کی توجہ اس کے محتویات اور مشتملات کی جانب مبذول کرانا چاہتے ہیں اور ان خوش عقیدہ لوگوں کی خوش عقیدگی کو بیان کرنا چاہتے ہیں جنہیں اپنے عقیدہ کی پختگی اور سلامتی کا بڑا زعم ہے۔ کیا یہی خوش عقیدگی اور عقیدہ کی سلامتی اور پختگی ہے جس میں عبد و معبود کے درمیان فرق کو باقی نہیں رہنے دیا گیا۔ ہوسکتا ہے مولوی ابوبکر اور ان کی ٹیم ظاہر و باطن کا سہارا لیکر اور اسے ہماری ظاہر بینی اور کج فہمی پر محمول کرتے ہوئے اس طرح کے واقعات کو مبنی برحق و صداقت کا اعلان کریں لیکن معاملہ اسی پر موقوف نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ اور بھی واقعات ہیں جن سے ان کی خوش عقیدگی اور ان کے عقیدہ کی پختگی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

"رحمۃ للعالمین" صفت خاصہ رسول اللہ ﷺ کی نہیں ہے

اشرف السوانح میں بڑے ہی جلی حروف میں مذکور ہے:

"حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز نے شیخ العرب والعجم اعلی حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کو بعد وفات حضرت حاجی صاحب ممدوح یاد فرمایا تھا، یعنی بار بار فرماتے تھے: ہائے رحمۃ للعالمین، ہائے رحمۃ للعالمین"(۲)۔

پتہ نہیں بزرگان سید واڑہ اسے کیا نام دیں گے؟ ہم مسکینوں کو اتنا معلوم ہے کہ ان کے بڑوں کے یہاں اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، اور یہ لوگ اپنے بڑوں کی مخالفت کر کے عذاب الہی مول لینا نہیں چاہیں گے۔ چنانچہ ایک سوال کے جواب میں "کہ کیا لفظ رحمۃ للعالمین مخصوص آنحضرت ﷺ ہے یا ہر شخص کو کہہ سکتے ہیں"؟ حضرت شیخ الہند

(۱) پورا قصہ ملاحظہ ہو: حکایات اولیاء (اصلی اور قدیم نام: ارواح ثلاثہ) (ص ۱۹۲-۱۹۴)

(۲) اشرف السوانح (۱۵۲/۳، ۱۵۳)

مولانا گنگوہی فرماتے ہیں: ''لفظ ''رحمۃ للعالمین'' صفت خاصہ رسول اللہ ﷺ کی نہیں ہے''۔(۱)

چلئے ایک مسألہ حل ہو گیا، رحمۃ للعالمین صرف رسول اکرم ﷺ کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ قرآن کریم میں صیغۂ حصر کے ساتھ آپ کو رحمۃ للعالمین کہا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے" وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين " (الأنبياء:۱۰۷)

دوسرا مسألہ یہ رہ جاتا ہے کہ کیا حاجی صاحب کو ان کی وفات کے بعد ہائے ہائے کہہ کر پکارنا جائز ہو سکتا ہے؟ تو اس میں بھی شاید ان باطن بین حضرات کی نظر میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ کیونکہ سوانح قاسمی کے مؤلف لکھتے ہیں:

''پس بزرگوں کی ارواح سے مدد لینے کے ہم منکر نہیں ہیں، بلکہ اس امداد کے لئے بزرگوں کی یا ان کی قبروں کی ان کے آثار کی عبادت کو شرک یقین کرتے ہیں''۔(۲)

ارواح سے امداد طلب کرنا، ان کو پکارنا اور نداء لگانا اگر ان کی عبادت نہیں ہے تو پھر عبادت کس کو کہیں گے؟ کیا ان کے نام کی مالا جپنا اور ان کو نذر و نیاز پیش کرنا یا ان پر چڑھاوا چڑھانا ہی ان کی عبادت ہے؟ اور شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں تصور شیخ جیسی قبیح اور مذموم شئی بھی ایک نہایت عظیم اور مستحسن عمل ہے، جس میں مرید کسی عظیم سے عظیم مصیبت سے دوچار ہونے پر اللہ تعالی کو نہ یاد کر کے اپنے شیخ کو یاد کرتا ہے اور اس سے فریاد طلب کرتا ہے تو اس کا شیخ اس کی فریاد رسی کے لئے فوراً پہونچ جاتا ہے۔ اور اسے مصیبت

---

(۱) فتاوی رشیدیہ (۱/۱۳، افضل المطابع مراد آباد)

(۲) سوانح قاسمی (۱/۳۳۲ حاشیہ) مؤلف سوانح قاسمی نے مثالیں دے کر بڑی تفصیل کے ساتھ بزرگوں کی ارواح سے امداد لینے اور عبادت میں فرق دکھلانے کی کوشش کی ہے، موحد اور مشرک کے نقطۂ نظر میں یہی فرق بتلایا کہ موحد ان بزرگوں کی یا ان کی قبروں اور ان کے آثار کی پرستش کئے بغیر ان کی ارواح سے امداد طلب کرتا ہے جبکہ مشرک ان کی عبادت بھی کرتا ہے۔

یہ فرق ایسا ہی ہے جیسے گڑ اور شکر کے درمیان فرق کر کے شوگر کے مریض کو گڑ سے منع کیا جائے اور شکر کھانے کی اجازت دی جائے۔ یہ شخصیت پرستی ہی کی کرشمہ سازی ہے کہ بزرگوں کی روحوں سے مدد لینے کے لئے انہیں ہائے ہائے کہہ کر پکارا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے یہ ان کی عبادت نہیں ہے۔

سے نجات دلا دیتا ہے جیسا کہ آپ نے آگبوٹ والے قصہ میں ملاحظہ کیا۔ اسی تصور شیخ (۱) سے متعلق ایک بڑے ہی عظیم دیو بندی بزرگ کا واقعہ ملاحظہ فرمائیے، ارواح ثلاثہ (جدید نام حکایات اولیاء) میں حکایت نمبر ۳۰۷ کے تحت مذکور ہے:

''ایک دفعہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جوش میں تھے، اور تصور شیخ کا مسألہ درپیش تھا، فرمایا کہ کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمائیے، پھر فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمائیے، پھر فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا: فرمائیے! تو فرمایا کہ: تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا، اور جوش آیا، فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا، حضرت ضرور فرمائیے! فرمایا کہ: اتنے (۲) سال حضرت ﷺ میرے قلب میں رہے، اور میں نے کوئی بات بغیر آپ سے پوچھے نہیں کی، یہ کہہ کر اور جوش پیدا ہوا، فرمایا کہ اور کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمائیے! مگر خاموش ہو گئے، لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ بس رہنے دو، اگلے دن بہت سے اصراروں کے بعد فرمایا کہ بھائی! پھر احسان کا مرتبہ رہا''۔ (۳)

صحابہ اور ان میں بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جو رسول اکرم ﷺ کے یار غار تھے، اپنے کمال ایمان کی وجہ سے انبیاء کے بعد امت کے افضل ترین شخص مانے جاتے ہیں۔ انہیں فتنۂ ارتداد جیسی سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تمام صحابہ ایک طرف اور آپ تنہا اصحاب ردّت سے آمادۂ جنگ ہیں، اسی طرح دیگر اہم ترین مسائل درپیش ہوتے ہیں جن کا صحیح حل معلوم نہ ہونے کی وجہ سے صحابہ کو جمع کرتے ہیں اور مسألہ پیش کرتے ہیں اور اس کا کتاب وسنت سے حل طلب کرتے ہیں، کبھی بھی آپ نے تصور شیخ جیسے کسی عمل

---

(۱) اسے ہم ظاہر ہیں (؟) تصور شیطان سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے اگر اس طرح کی کوئی چیز ہوتی تو صحابہ کرام اپنی مصیبتوں کے وقت رسول اکرم ﷺ سے ضرور مدد طلب کرتے، ہمیں صحابہ وتابعین کے یہاں بھی اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، اگر ملتی ہے تو اکابر دیو بند کے یہاں جو بہر حال شریعت ساز نہیں ہیں۔

(۲) راوی کو یاد نہیں رہا۔

(۳) حکایات اولیاء (ص ۳۰۸)

کے ذریعہ رسول اکرم ﷺ سے نہ تو اجازت طلب کی اور نہ ہی امداد۔ لیکن تیرھویں چودھویں صدی کا ایک عام آدمی چاہے وہ اپنے متبعین کی نظر میں کمال کے جس مقام پر بھی فائز ہو صحابہ کرام کے مقابلے میں ایک عام آدمی کی حیثیت سے زیادہ نہیں ہے، وہ رسول اکرم ﷺ کو کئی سالوں تک اپنے قلب میں جمائے رکھتے ہیں کوئی چھوٹا یا بڑا کام رسول اکرم ﷺ سے اجازت لئے بغیر انجام نہیں دیتے۔ گویا صحابہ کرام سے مقام و مرتبہ میں بڑھے ہوئے ہیں۔

انہی بزرگ کو کئی مرتبہ بحیثیت تبلیغ یہ الفاظ فرماتے ہوئے سنا گیا: ''سن لو حق وہی ہے، جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں، مگر اس زمانہ میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر''۔(۱)

صحابہ کرام کو اس قسم کی بات اپنی زبان سے نکالنے کی جرأت نہیں ہوئی، بلکہ مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو پہلا خطبہ دیا تھا اس میں ایک بات یہ بھی فرمائی تھی: ''اگر میرے اندر کجی آجائے تو تم مجھے سیدھا کرنا....''(۲) لیکن تیرھویں چودھویں صدی کے ایک آدمی کتنی جرأت کے ساتھ ایک مرتبہ نہیں بارہا ایک ایسی بات کا اعلان کر رہے ہیں جو لائق و زیبا ہے صرف اور صرف رسول اکرم ﷺ کو۔ آپ کی ذات بابرکات کے علاوہ کسی کی مجال نہیں کہ اس طرح کی بات کہے، بلکہ اس طرح کا تصور اپنے ذہن میں لائے، چہ جائیکہ اپنی زبان سے نکالے۔ اس کے بعد یہی باقی رہ جاتا ہے کہ اپنے نام کا کلمہ بھی پڑھوالیں۔ سو انہوں نے تو نہیں انہی کے قبیلے کے ایک دوسرے بزرگ نے اپنے نام کا کلمہ بھی پڑھوالیا۔ چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی کا ایک مرید لکھتا ہے:

''میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ کلمہ شریف ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پڑھتا ہوں، لیکن ''محمد رسول اللہ'' کی جگہ حضور ''اشرف علی''۔ کا نام لیتا ہوں'' خواب میں اور خواب سے بیدار ہو کر اپنی طویل کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: '' حالت بیداری میں کلمہ

(۱) تذکرۃ الرشید (ص ۲/ ۱۷)

(۲) ملاحظہ ہو: تاریخ الخلفاء (ص ۸۳) مولفہ جلال الدین سیوطی۔

شریف کی غلطی پر جب خیال آیا تو اس بات کا ارادہ ہوا کہ اس خیال کو دل سے دور کیا جائے اس واسطے کہ پھر کوئی ایسی غلطی نہ ہو جاوے، بایں خیال بندہ بیٹھ گیا اور پھر دوسری کروٹ لیٹ کر کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں رسول اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھتا ہوں، لیکن پھر بھی یہ کہتا ہوں "اللھم صل علی سیدنا ونبینا مولانا اشرف علی"، حالانکہ اب بیدار ہوں خواب نہیں، لیکن بے اختیار ہوں، مجبور ہوں، زبان اپنے قابو میں نہیں............"۔

مولانا اشرف علی تھانوی بجائے اس کے کہ اپنے اس مرید کو تنبیہ فرماتے اور اسے شیطانی وسوسہ کہہ کر دل سے نکال دینے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنے کی تلقین کرتے ـــــ یہ تو ہم جیسے ظاہر بین لوگوں کی نظر میں ایسا ہونا چاہئے لیکن مولانا کی باطن بین نظر نے اس کے باطن میں کیا محسوس کیا اس کو آپ ملاحظہ فرمائیں ـــــ فرماتے ہیں: ''اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے''۔(۱)

اس کے بعد تو خدائی قدرت کا دعویٰ ہی باقی رہ جاتا ہے سو وہ بھی ملاحظہ فرمالیں:

حضرت مولانا قاسم نانوتوی صاحب سے شیعوں نے ایک جنازے پر نماز پڑھانے کا مطالبہ کیا، نوجوان لڑکے کا فرضی جنازہ بنایا گیا، پروگرام یہ تھا کہ جب حضرت دو تکبیریں کہہ لیں تو صاحب جنازہ ایک دم اٹھ کھڑا ہو، اس پر حضرت کے ساتھ استہزاء وتمسخر کیا جائے، شیعوں کے اصرار پر مولانا نے منظوری دے دی، اور نماز کے لئے آگے بڑھے اور نماز شروع کر دی، دو تکبیریں کہنے پر جب طے شدہ پروگرام کے مطابق جنازہ میں حرکت نہ ہوئی تو پیچھے سے کسی نے ''ہونہہ'' کے ساتھ صاحب جنازہ کو اٹھ کھڑے ہونے کی سسکاری دی، مگر وہ نہ اٹھا، حضرت تکبیرات اربعہ پوری کر کے غصہ کے لہجے میں فرمایا کہ ''اب یہ قیامت کی صبح سے پہلے نہیں اٹھ سکتا'' دیکھا گیا تو وہ مردہ تھا۔(۲)

---

(۱) ملاحظہ ہو: دیوبندی عقائد کا تحقیقی جائزہ (ص ۷۰-۷۱) مذکورہ واقعہ رسالۃ الامداد (ص ۳۵) سے منقول ہے۔

(۲) سوانح قاسمی (۲/۷۱ حاشیہ) چونکہ قصہ طویل ہے اس لئے اختصار سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، حتی الامکان اپنے الفاظ استعمال کرنے سے گریز کیا گیا ہے۔

اسی نوعیت کا ایک اور خدائی طاقت کا دعویٰ ملاحظہ فرمایئے:

سوانح قاسمی میں مذکور ہے کہ جب انگریزوں کی شان وشوکت ہندوستان میں بڑھی اور ملکہ وکٹوریہ کو ہندوستان کی قیصر بنا کر دلی میں ملکہ کی تاج پوشی کا جشن منانے کا فیصلہ کیا گیا تو حضرت نانوتوی صاحب دلی سے دیو بند چلے گئے، اور فرمایا کہ مجھ سے ان کی شوکت دیکھی نہیں جاتی، نیز فرمایا: الحمد للہ اتنی طاقت تو ہے کہ سارا دربار درہم برہم کردوں مگر سنبھالنے والے نظر نہیں آتے، اس لئے دہلی چھوڑ کر چلا آیا کہ نہ ان کا کروفر دیکھوں گا نہ کوفت وسوخت ہوگی''۔(۱)

یہاں ہم مولانا ابوبکر غازی پوری سے بصد احترام یہ دریافت کرنے کی جسارت کریں گے کہ اس قسم کے بیانات وواقعات پر اپنے بزرگوں کو کون سا خطاب دینا پسند فرمائیں گے؟ آپ نے مولانا محمد جونا گڈھی کو بلکہ تمام علماء اہلحدیث کو مولانا کی ایک معمولی عبارت پر اللہ ورسول کا خطاب عنایت کیا تھا، آپ یہاں بھی کچھ فرمایئے۔حق کو اپنے اوپر محصور کیا جارہا ہے، نجات کو اپنی اتباع پر موقوف کیا جارہا ہے، اپنے نام کے کلمے پڑھوائے جارہے ہیں، موت وحیات کا ذمہ لیا جارہا ہے، انگریزوں کے دربار کو درہم برہم کرنے کا دعویٰ کیا جارہا ہے؛ کیا آپ کی باطن بین نگاہ یہاں کام نہیں کررہی ہے؟

فرمایئے کچھ، صادر کیجئے کوئی حکم اپنے ان بزرگوں پر، خطاب دیجئے ان کو اللہ اور رسول کا۔ہمیں یقین ہے کہ آپ ایسا ہرگز نہیں کریں گے کیونکہ یہ لوگ آپ کے وہ بزرگ ہیں جو غلطی نہیں کرسکتے۔قرآن کریم میں ان کا اضافہ بھی قابل نکیر نہیں ہے۔اور یہی ہیں تقلید کے زیر سایہ پروان چڑھنے والی شخصیت پرستی کے بعض شاخسانے۔ان کے علاوہ بھی شخصیت پرستی کے بے شمار مضحکہ خیز نمونے ان کے بزرگوں کی سیر وسوانح سے متعلق کتابوں اور خاص طریقے سے ارواح ثلاثہ جس کو اللہ بہتر جانے اب کیوں حکایات اولیاء کے نام سے شائع کیا گیا ہے، میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں جو ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔اور اسلام

---

(۱) سوانح قاسمی (۲/۹۰)

کے صاف وشفاف چہرے پر بدنما داغ ہیں۔ان کی شخصیت پرستی کا یہ عالم ہے کہ کپڑوں سمیت شرعی احکام سے بےزار اور عقل وخرد سے پیدل لوگوں کو مجذوب کا نام دے کر اولیاء اللہ میں شمار کرتے ہیں اور ان کی تقدیس وتکریم کرتے ہیں، اور ان کی اول فول کو وجد کا نام دیتے ہیں۔اس نوعیت کے لوگوں کو دیکھنا ہو تو حکایات اولیاء کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے، جو مولانا اشرف علی تھانوی کی تالیف کردہ ہے اور اس میں لوگوں کے اضافات بھی ہیں۔اسی کتاب میں ایک مجذوب بشیر شاہ کا تذکرہ نہایت والہانہ عقیدت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ان کا حال یہ تھا کہ کپڑے سے بالکل بے نیاز بعینہ اسی حالت میں رہنا پسند کرتے تھے جس حالت میں اپنی ماں کے پیٹ سے اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔(۱)

اسی طرح ایک دوسرے مجذوب کا بھی بہت ہی عقیدت ومحبت کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے جو جذب کے اس مقام تک پہونچ گئے تھے کہ اپنے آپ کو رب العالمین کہتے تھے۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''نہایت خوش بیان تھے تقریر اس قدر تیز تھی کہ کیا مجال زبان میں لکنت آئے، یا کہیں بھٹکیں، مگر وہ تقریر نہایت غیر مربوط اور بے معنی ہوتی تھی، اثنائے تقریر میں کبھی کبھی فوں فوں شوں شوں بھی کرنے لگتے تھے ....ایک مرتبہ انہوں نے خودکشی کرنے کے لئے اپنے پیٹ میں چھرا گھونپ لیا، جس سے آنتیں باہر آگئیں، ان کی بہن رونے لگیں، بہن کو روتے دیکھ کر انہوں نے آنتیں اندر کرلیں اور زخم اچھا ہو گیا....''(۲)

غرضیکہ اس قسم کی واہیات، لغو اور ملحدانہ باتوں سے حکایات اولیاء نامی کتاب بھری پڑی ہے۔یہاں یہ واضح کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ ذکر کردہ سارے واقعات من وعن انہی کی کتابوں سے ماخوذ ہیں البتہ طویل واقعات کو صراحت کے ساتھ مختصر کر دیا گیا ہے۔ محض دو تین کتابوں کے علاوہ جو دستیاب نہیں ہو سکی ہیں ساری باتیں انہی لوگوں کی کتابوں سے اخذ کی گئی ہیں، اور جو کتابیں دستیاب نہیں ہو سکی ہیں ان کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

(۱) حکایات اولیاء (ص ۴۳۵ حکایت نمبر ۴۴۱)

(۲) حکایات اولیاء (ص ۴۳۶ حکایت نمبر ۴۴۲)

امانتداری کا التزام کرتے ہوئے اپنی جانب سے حذف واضافہ، یا کتر بیونت یا عبارتوں کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے سے گریز کیا گیا ہے۔ اسی قسم کی باتیں الدیوبندیہ میں بھی پیش کی گئی تھیں۔ بجائے اس کے کہ اس میں پیش کردہ معلومات کو غلط قرار دیا جاتا زچ ہو کر مولوی ابو بکر نے اہلحدیثوں کو آئینہ دکھانے کے لئے پانچ چھ پوتھیاں لکھ ماریں۔ لیکن موصوف نے ان میں جو آئینہ استعمال کیا وہ حد درجہ گندلا ہونے کے ساتھ اس میں خود انہی کی کریہہ شکل ابھر کر سامنے آئی اور اخیر میں زمزم کے آئینہ میں مزید کراہت کے ساتھ نہ صرف ان کی بلکہ ان کے متعدد چیلوں کی مکروہ شکل ابھرتی چلی جارہی ہے۔ کیونکہ موصوف نے امانتداری کو بالائے طاق رکھ کر خیانت کے تمام طریقوں کو بروئے کار لاکر عبارتوں میں حذف واضافہ، اور کتر بیونت سے کام لیا ہے اور انہیں توڑ موڑ کر اپنے من موافق بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے، بدترین گالیوں اور بدزبانیوں کی کافی سوغات پیش کی ہیں (۱)، خیر ان کو اپنا طریقہ مبارک ہو، ہماری ہمدردانہ نصیحت ان کے لئے یہی ہے کہ اپنے عناد اور ہٹ دھرمی سے باز آکر حقیقت کو تسلیم کرلیں، اور مان لیں کہ اصل میں تقلید ہی بہت سے فتنوں اور برائیوں کی جڑ ہے، جن میں سے ایک شخصیت پرستی بھی ہے، جس کے مہلک نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ عدم تقلید سے فتنہ نہیں برپا ہوسکتا کیونکہ وہی عین اسلام ہے اور اسلام زمین میں فتنہ پھیلانے نہیں آیا بلکہ فتنہ کو فرو کر کے زمین میں امن وسلامتی کا بول بالا کرنے آیا ہے۔

تقلید کی ایک بڑی دین کتاب وسنت پر اپنے علماء کے آراء وقیاسات کی ترجیح

سابقہ سطور میں مستند حوالوں اور عینی شواہد کی روشنی میں مذہب، امام مذہب، کتب مذہب اور علماء مذہب کی زائد از غلو تقدیس وتعظیم کے نمونے پیش کئے گئے، جو ترک تقلید کی پاداش میں نہیں بلکہ عین تقلید جس کو یہ لوگ مذہبیت کا نام دیتے ہیں، کے شاخسانے اور نتیجے

---

(۱) جن کی ایک نہیں سیوں مثالیں پیش کی جا چکی ہیں۔

ہیں۔ ترک تقلید کو فتنہ قرار دینے والے، گمراہیوں اور ضلالت کا وسیلہ اور ذریعہ بتلانے والے ان حضرات کے مزید علم کے لئے کچھ اور نمونے پیش کئے جا رہے ہیں جو محض تقلید کے برگ و بار ہیں۔

اصول فقہ کا ایک متفقہ اور مسلمہ اصول ہے:

"لا اجتهاد مع النص"۔

یعنی دلیل کی موجودگی میں اجتہاد و قیاس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن عملی طور پر اس اصول کو مقلدین حضرات نظر انداز کر دیتے ہیں، اور کتاب و سنت کے واضح دلائل کی موجودگی میں بھی اپنے ائمہ کے ان اقوال کو ترجیح دیتے ہیں جن کی بنیاد قیاس پر ہوتی ہے۔ ذیل میں اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

أ- نماز جنازہ میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کے سلسلے میں صحیح احادیث سے مرد و عورت کے درمیان تفریق ثابت ہے، اگر جنازہ مرد کا ہے تو امام اس کے سر کے بالمقابل کھڑا ہوگا اور اگر عورت کا ہے تو اس کی کمر کے بالمقابل کھڑا ہوگا۔ چنانچہ اس سلسلے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے واضح طور پر مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔(۱)

اسی طرح حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"میں نے رسول اکرم ﷺ کے پیچھے ایک ایسی عورت کی نماز جنازہ ادا کی جس کی زچگی میں وفات ہوگئی تھی، آپ ﷺ اس پر نماز جنازہ پڑھنے کے لئے اس کی کمر کے بالمقابل کھڑے ہوئے"۔(۲)

اس کے باوجود فقہ حنفی کی سب سے اہم اور معتبر کتاب ہدایہ میں مذکور ہے:

---

(۱) ملاحظہ ہو: سنن الترمذی کتاب الجنائز (۳/۳۵۲ حدیث نمبر ۱۰۳۴) وسنن ابن ماجۃ (۱/۴۷۹ حدیث نمبر ۱۴۹۴) ومسند الامام أحمد (۳/۱۱۸، ۲۰۴)

(۲) ملاحظہ ہو: صحیح البخاری، کتاب الجنائز (۳/۲۰۱، حدیث نمبر ۱۳۳۱، ۱۳۳۲) وصحیح مسلم، کتاب الجنائز (۲/۶۶۴، حدیث نمبر ۹۶۴)

" (ويقوم الذی يصلی علی الرجل والمرأة بحذاء الصدر) لأنه موضع القلب وفيه نور الإيمان ، فيكون القيام عنده إشارة الى الشفاعة لإيمانه ". (۱)

(مرد و عورت دونوں پر نماز جنازہ پڑھنے والا ان کے سینے کے بالمقابل کھڑا ہوگا، کیونکہ سینہ دل کی جگہ ہے، اور اسی میں ایمان کا نور ہوتا ہے، لہذا سینے کے پاس کھڑا ہونا اشارۃً میت کے ایمان کی سفارش ہوتی ہے)۔

یہ تصور نہیں ہونا چاہئے کہ حدیث نظروں سے اوجھل ہے، بلکہ اسی کے ساتھ اور اسی مقام پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث بھی مذکور ہے۔ تعجب خیز امر یہ ہے کہ ہدایہ کے بیان کردہ قیاسی مسائل پر آج تک علماء احناف کا مکمل عمل ہے۔ جبکہ جمہور علماء امت سمیت خود امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، اور علامہ طحاوی رحمہم اللہ کا بھی وہی مسلک ہے جو حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ (۲) اس طرز عمل کو دیکھتے ہوئے آدمی یہی کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ موقع آجانے پر یہ حضرات حدیث سمیت خود اپنے امام کی مخالفت کی بھی نہیں پرواہ کرتے۔ اس سے بھی زیادہ تعجب خیز امر یہ ہے کہ مؤلف ہدایہ نے مذکورہ قول کے ساتھ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو بھی نقل کیا ہے، لیکن اس قول کو درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ اور مذکورہ حدیث کی دور از کار تاویلیں کی گئیں۔ گویا رسول اکرم ﷺ کو اس حقیقت کا علم نہیں تھا جس کی جانب مؤلف ہدایہ نے اشارہ کیا ہے، اور یہ ایسی حقیقت ہے جس پر حدیث نبوی اور اپنے امام کے قول کو بھی نظر انداز بلکہ قربان کیا جا سکتا ہے۔ اور کیا مذکورہ قول کی حدیث رسول سے مخالفت کو صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں جو وسیع علم رکھتے ہوں،

(۱) الہدایۃ شرح بدایۃ المبتدیٔ مؤلفہ المرغینانی (۱/۹۲، مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

(۲) ملاحظہ ہو: احکام الجنائز مؤلفہ علامہ البانی (ص ۱۰۸-۱۱۰) احناف کا معمول بہ مسلک امام محمد رحمہ اللہ کا اختیار کردہ قول ہے، اب اس حقیقت سے فقاہت کے دقائق کو پوری طرح سمجھنے اور اپنے موقف کی نزاکتوں، اپنے استدلالات کی گہرائیوں کا مکمل علم رکھنے والے حضرات ہی پردہ ہٹا سکتے ہیں کہ حدیث سمیت خود امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور علامہ طحاوی رحمہم اللہ بلکہ جمہور امت کے خلاف امام محمد کے قول کو کیوں اختیار کیا گیا؟ کیا یہ شاذ قول نہیں مانا جائے گا؟ یا صرف اہلحدیثوں کو ہی اپنے زعم کے مطابق شاذ قول کے اختیار پر مطعون کیا جائے گا۔

قرآن اور تمام ذخیرۂ حدیث پر ان کی نظر ہو، مفسرین و محدثین اور فقہاء سلف کی آراء ان کے ملاحظہ سے گذری ہوں، دلائل کے ضعف وقوت کا وہ ادراک کر سکتے ہوں، اور علمی اسرار و معارف کو سمجھنے کی ان میں استعداد ہو، جیسا کہ علامہ عامر عثمانی تحریر فرماتے ہیں۔ان تمام اوصاف کے جمع کرنے کے بعد ہی آدمی اس بات کا پابند ہوتا ہے کہ پوری تحقیق وتفحص کے بعد اپنی فقہ کے کسی مسالہ کو قرآن وسنت سے ہٹا ہوا محسوس کرے تو اس پر ڈٹا نہ رہے بلکہ وہ مسلک اختیار کرے جسے وہ دیانۃً قرآن وسنت سے اقرب خیال کرتا ہو۔(۱)

دوسرے صاف لفظوں میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ کسی بھی مذہب کی تقلید کا جوا گردن میں ڈال لینے کے بعد کسی بھی قول میں اس کی مخالفت کرنی حرام ہے۔ بظاہر کتاب وسنت سے وہ کتنا ہی مخالف و معارض قول کیوں نہ ہو۔ کیونکہ مخالفت کے لئے جن صفات کو لازم قرار دیا گیا ہے ان صفات کے حاملین شاید قرون اولی میں بھی نہ پائے جاتے رہے ہوں۔ بعد کے زمانہ میں ایسے لوگوں کا پایا جانا مشکل ہی نہیں محال ہے۔مختلف دیگر مسائل میں جمہور امت کی دہائی دینے والے حضرت مولوی محمد ابوبکر غازیپوری دامت برکاتہم جو ہر مسائلے میں علماء اہل حدیث کو شذوذ اختیار کرنے والے، جمہور امت کی مخالفت کرنے والے قرار دیتے ہیں یہاں اپنے مذہب کو کیا نام دیں گے؟ جس میں نہ صرف جمہور امت بلکہ امام مذہب کی بھی مخالفت کی گئی ہے۔ یا ہوسکتا ہے دین پر اجارہ داری کی وجہ سے ان کے یہاں کسی پابندی کی ضرورت نہیں ہے۔

ب-خواتین کو پنج وقتہ نماز، جمعہ اور عیدین کی باجماعت ادائیگی کی شریعت اسلامیہ میں مکمل اجازت دی گئی ہے، بشرطیکہ وہ ان آداب وشرائط کی رعایت کریں جن کا کتاب وسنت میں انہیں حکم دیا گیا ہے، اس وضاحت کے ساتھ کہ ان کا اپنے گھر کے اندر ہی پنج وقتہ نماز کا ادا کرنا زیادہ بہتر اور افضل ہے۔اس سلسلے میں ایک نہیں بیشمار صحیح ترین احادیث رسول اکرم ﷺ سے مروی ہیں۔ اور اسی پر ہر دور ہر زمانہ اور ہر اسلامی ملک میں

(۱) ملاحظہ ہو: ماہنامہ تجلی، دیوبند ڈاک نمبر دسمبر ۱۹۷۲ء۔

مسلمانوں کا عمل رہا ہے اور ہے۔ اس تعلق سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی صحیح حدیث میں رسول اکرم ﷺ کا یہ واضح فرمان بھی ہے:

" اذا استأذنت أحدكم امرأته إلى المسجد فلا يمنعها " (۱)

''جب تم میں سے کسی سے اس کی بیوی مسجد جانے کی اجازت طلب کرے تو وہ اسے نہ روکے''۔

یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ صحیحین وغیرہ میں وارد ہوئی ہے، بلکہ اس حدیث کے بیان کرنے پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک صاحبزادے نے قسم کھا کر کہا کہ ہم تو اپنی بیویوں کو روکیں گے، کیونکہ اسے وہ فتنہ وفساد کا باعث بنا لیں گی، اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی شدید ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے اس بیٹے کی سخت سرزنش کی اور کہا کہ میں حدیث رسول بیان کر رہا ہوں اور تم کہہ رہے ہو ہم نہیں جانے دیں گے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق انہوں نے اپنے بیٹے کو ایسی بدترین گالی دی کہ راوی کا کہنا ہے کہ ویسی گالی میں نے کبھی بھی آپ سے نہیں سنی تھی۔ بلکہ ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے کے سینے پر گھونسہ بھی رسید کیا۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق مرتے دم تک آپ نے اپنے اس بیٹے سے گفتگو نہیں کی۔ (۲)

کیا رسول اکرم ﷺ کے اس واضح اور دوٹوک فیصلہ اور راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی رسول کے اس سخت ترین موقف کے بعد اس سلسلے میں کچھ کہنے کی کوئی گنجائش کسی کے لئے باقی رہ جاتی ہے؟ ہرگز نہیں! فقاہت کے دقائق سے، اپنے استدلالات کی گہرائیوں اور موقف کی نزاکتوں سے خواہ کتنا ہی واقف ہو، لیکن فقہ کی بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ:

" إن حضورهن " (أي النساء) الجماعات متروك بإجماع

---

(۱) ملاحظہ ہو صحیح بخاری (۱/ ۳۵ حدیث نمبر ۸۷۳) وصحیح مسلم (۱/ ۳۲۷ حدیث نمبر ۴۴۲) حدیث کے مذکورہ الفاظ مسلم ہی کے ہیں۔

(۲) ملاحظہ ہو: مسند احمد (۲/ ۳۶) علامہ البانی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، مشکاۃ المصابیح (۱/ ۳۳۸ تعلیق)

المتأخرين". (۱)

مذکورہ قول کتب فقہ کی صرف زینت ہی نہیں بلکہ اس پر بڑے شدومد کے ساتھ عمل بھی کیا جارہا ہے، اور بڑی جرأت اور دیدہ دلیری کے ساتھ اس کی وکالت بھی کی جارہی ہے، ہر قسم کے وسائل کو روا رکھ کر عورتوں کے مسجد میں جانے کو باعث فتنہ قرار دیا جارہا ہے، خواہ کسی اور جگہ جانے میں فتنہ کا حقیقی معنوں میں خوف ہو یا نہ ہو اس کے خلاف آواز اٹھانے کی ضرورت نہیں محسوس کی جاتی، بلکہ تبلیغ کے نام پر منعقد کئے جانے والے اجتماعات میں شرکت کو خواہ دور دراز کا سفر ہی کیوں نہ کرنا پڑے باعث اجر وثواب اور خیر وبرکت سمجھا جاتا ہے، مگر محلہ کی مسجدوں میں شرکت کو باعث فتنہ قرار دے کر اس کی حرمت پر اجماع نقل کیا جارہا ہے۔ گویا علماء متاخرین کو صحیح ترین احادیث رسول سے ثابت شدہ احکام میں بذریعہ دعویٰ اجماع تبدیلی کا حق حاصل ہے۔ اولاً اجماع کا دعوی ہی محل نظر ہے، بالفرض دعویٰ اجماع کو تسلیم بھی کرلیا گیا تو کیا کسی مسالہ میں کتاب وسنت سے ثابت کسی حکم کو بذریعہ دعویٰ اجماع تبدیل کیا جاسکتا ہے؟ اگر ایسا ممکن ہے تو پھر مصادر شریعت کی ترتیب جس میں کتاب وسنت کو مقدم رکھا گیا ہے اس ترتیب کو تبدیل کر کے اجماع کو سرفہرست رکھنا زیادہ مناسب ہوگا؟

یہاں یہ بھی واضح کردینا مناسب ہوگا کہ بعض صحابہ یا صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اندیشۂ فتنہ کو بھی بنیاد بنایا جاتا ہے، اس سلسلے میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ایک اثر سے بڑے زور وشور سے استدلال کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جس میں آپ نے اپنے زمانہ کی خواتین اور ان کی زیب وزینت کو دیکھ کر یہ اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ اگر رسول اکرم ﷺ بقید حیات ہوتے اور ان عورتوں کو دیکھتے تو انہیں مساجد آنے سے روک دیتے جس طرح بنو اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا (۲)، حضرت

(۱) ملاحظہ ہو: شرح العنایۃ علی الہدایۃ (۱/ ۲۲۵، ۲۲۶ علی ہامش فتح القدیر) منقول از بدعۃ التعصب المذھبی (ص ۱۴۷)، فتح القدیر میں بھی اسی قسم کی بات کہی گئی ہے۔ (۱/۱۵۳ نول کشور)

(۲) مکمل حدیث کے لئے ملاحظہ ہو: صحیح البخاری، الأذان (۲/ ۳۴۹ حدیث نمبر ۸۶۹) وصحیح مسلم، کتاب الصلاۃ (۱/ ۳۲۹ حدیث نمبر ۴۴۵)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ اثر موقوف ہونے کے باوجود اپنے من موافق ہونے کی وجہ سے واجب القبول ہو گیا، جبکہ انہیں کے واسطے سے مروی متعدد صحیح مرفوع احادیث کو مخالف مذہب ہونے کی وجہ سے نا قابل قبول گردانا گیا۔ اس کی واضح ترین مثال قیام اللیل کی تعداد رکعات کے سلسلے میں آپ رضی اللہ عنہا سے مروی وہ حدیث ہے، جس میں آپ نے پوچھے جانے پر نہایت واضح الفاظ میں فرمایا تھا کہ رسول اکرم ﷺ نے رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھی ہے۔(۱)

اسی بناء پر مجدد حنفیت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے کہ:

''رسول اللہ ﷺ کی تراویح کو آٹھ رکعات تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے اور نہ کسی روایت سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ رمضان میں تراویح اور تہجد کے نام سے الگ الگ دو نمازیں ادا کرتے تھے''۔(۲)

اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اثر میں خواتین کو مساجد سے روک دینے کا صرف اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے، نہ کہ روک دینے کا فتوی دیا گیا ہے۔(۳)

---

(۱) ملاحظہ ہو: صحیح البخاری: صلاۃ التراویح (۴/۲۵۱ حدیث نمبر ۲۰۱۳)

(۲) العرف الشذی (ص ۳۲۹)

(۳) حافظ ابن حجرؒ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''خواتین کو (مساجد سے) علی الاطلاق منع کرنے پر بعض فقہاء کرام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کو اپنا مستدل بنایا ہے جو محل نظر ہے''۔ اور اس کے محل نظر ہونے کی متعدد وجوہات بیان کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے جو بیان کی گئی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: اس قسم کے اندیشہ پر کسی حکم میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی، کیونکہ انہوں نے اس کو ایک ایسی شرط کے ساتھ اپنے خیال و گمان کی بنیاد پر معلق کیا ہے جو پائی نہیں گئی، چنانچہ فرماتی ہیں اگر رسول اکرم ﷺ دیکھتے تو منع کر دیتے، لہذا اس پر یہی کہا جائے گا کہ رسول اکرم ﷺ نے نہ دیکھا اور نہ منع کیا، لہذا حکم برقرار رہے گا یہاں تک کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی صراحۃً منع نہیں کیا، اگر چہ ان کے کلام سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ وہ ممانعت ہی کی قائل تھیں۔

نیز فرماتے ہیں کہ: خواتین نے جن نئی چیزوں کو پیدا کر لیا تھا، اگر ان کی وجہ سے خواتین کو مساجد سے روکنا لازم تھا تو بازار وغیرہ جیسی جگہوں سے ان کو روکنا زیادہ ضروری تھا، زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ جن امور سے فتنہ وفساد کا خوف ہو، ان سے اجتناب کیا جائے جیسا کہ آپ نے زیب وزینت اور خوشبو سے منع کر کے اس کی جانب اشارہ کیا ہے، فتح الباری (۲/۳۵۰)=

علماء متاخرین سے نقل کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ خواتین کا مساجد میں نماز باجماعت کے لئے جانا متروک ہو گیا ہے۔ اتنی بڑی جرأت تقلید ہی کی دین اور مزعومہ مذہبیت کا ہی شاخسانہ ہے، اور اسی بنا پر کہنا پڑتا ہے کہ جس بات کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے طور پر کہا تھا اپنی رائے اور اجتہاد سے کہا تھا اس کو قابل اعتنا ہی نہیں بلکہ واجب القبول سمجھا گیا اور جس حدیث کو مرفوعاً روایت کیا اسے قابل اعتنا نہیں سمجھا گیا۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

ایسے شخص پر مجھے تعجب ہے جو اپنے آپ کو سنی کہلاتا ہے جب اس کو سنت رسول پہونچتی ہے اور اس مسائلے میں اس کی کوئی خاص رائے ہوتی ہے تو وہ سنت رسول پر اس کو ترجیح دیتا ہے، ایسے سنی اور بدعتی میں کیا فرق ہوگا، کیا اس نے یہ حدیث نہیں سنی: تم میں سے کوئی شخص مؤمن ہو ہی نہیں سکتا یہاں تک کہ اس کی خواہشات میرے لائے ہوئے احکام کی تابع نہ ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں (حضرت) ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کو جو کبار صحابہ اور فقہاء صحابہ میں شمار کئے جاتے ہیں کس طرح اللہ اور اس کے رسول کے لئے ناراض ہوئے ہیں۔ اور اصحاب بصیرت لوگوں کو عبرت کے لئے اس غلطی پر اپنے لخت جگر سے کس طرح ترک تعلق کر لیتے ہیں''۔(۱)

ج۔ حدیث رسول کے ساتھ اس قسم کے سوتیلے پن کی بیشمار مثالیں اور متعدد نمونے

= پانی پت ۱۸/۹/۹۷ م کے منعقدہ سیمینار اور اس میں ایک لائق اعتماد عالم کی اس تقریر کی جانب (جس میں انہوں نے خواتین کے مساجد میں جانے کی وکالت کرنے والے مسلم لیڈروں اور کٹھ ملاؤں سے مطالبہ کیا ہے کہ اپنی بہو بیٹیوں کو چند روز کے لئے باضابطہ مساجد میں بھیج کر تجربہ کر لیں کہ علماء کیوں انہیں مساجد میں جانے سے روکتے ہیں) توجہ مبذول کراتے ہوئے ان لوگوں سے پوچھنا چاہیں گے کہ حافظ ابن حجرؒ اور ان کی اس مخالفت پر آپ لوگ کیا موقف اختیار کریں گے، کیا ان کی اس مخالفت کے باوجود آپ کا دعویٰ اجماع باقی رہ جاتا ہے، یا ان کو اس اجماع کا علم نہیں تھا؟؟ اور کیا ان کو بھی یہ حضرات تجربہ کی دعوت دیں گے؟ ویسے ان حضرات سے کوئی بعید نہیں ہے کسی کو کچھ بھی کہہ سکتے ہیں پھر بھی ان کے باادب اور باتمیز ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

(۱) مرعاۃ المفاتیح (۵۳۱/۳)

ملیں گے، جن میں کمال جرأت کا ثبوت دیتے ہوئے حدیث میں وارد بعض احکام پر حرمت کا حکم عاید کیا گیا ہے۔ بطور مثال ان کے یہاں تشہد میں شہادت کی انگلی کو حرکت دینا حرام ہے حالانکہ اس کا ثبوت احادیث کے اندر ملتا ہے۔ ان کی اس جرأت پر انہی کے ایک معروف عالم ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ایک رسالہ ترتیب دیا ہے اور اس رویہ پر سخت نکیر کی ہے۔

علامہ رشید رضا مصری جو خیر سے برصغیر کی جماعت غیر مقلدین سے تعلق نہیں رکھتے ہیں کہ انہیں گستاخ، فتنہ پرور اور مفسد کہا جائے، جس طرح کمال دینداری اور تقوی وطہارت کے یہ اجارہ دار ''علماء اہل حدیث'' کو قرار دیتے ہیں، ملا علی قاری کی اسی کتاب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''تشہد میں شہادت کی انگلی سے اشارہ کے ثبوت میں علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے جو رسالہ ترتیب دیا ہے اس میں آپ لکھتے ہیں:

کیدانی کی یہ بات نہایت عجیب وغریب ہے (جو انہوں نے نماز کے اندر حرام وممنوع امور کو شمار کراتے وقت کہی ہے) چنانچہ لکھتے ہیں: دسویں حرام بات شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا ہے، جس طرح اہل حدیث کرتے ہیں .... آپ کا یہ قول زبردست غلطی اور بڑا جرم ہے جس کا سبب اصولی قواعد، اور منقول فروع کے مراتب سے جہالت اور ناواقفیت ہے، آپ کے بارے میں حسن ظن ہے جس کی وجہ سے آپ کے کلام کی تاویل کرنی پڑے گی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کی یہ بات صریح کفر اور واضح ارتداد پر محمول کی جاتی۔ کیا کسی صاحب ایمان کے لئے یہ گنجائش ہے کہ جو عمل آپ ﷺ سے تقریباً بطریق تواتر ثابت ہے اس کو حرام قرار دے، عناد میں ایک ایسے عمل کے جواز کو ممنوع قرار دے جس پر علماء کرام مسلسل عمل کرتے چلے آئے ہوں''۔

اس سے بھی زیادہ دلخراش واقعہ آپ نے نقل کیا ہے، جس میں شہادت کی انگلی کو حرکت دینے پر بعض مقلدین مذہب نے ایک نمازی کی انگلی کو ہی توڑ دیا۔ (۱)

---

(۱) ملاحظہ ہو: المغنی لابن قدامہ کا مقدمہ (ص ۱۸، ۲۰) بقلم علامہ رشید رضا۔

یہ ہے اللہ کے برگزیدہ نیک بندوں کا عمل، جنہیں اپنی مذہبیت پر بڑا ناز ہے۔

ایک ہی حدیث کے ساتھ دوہرا سلوک

مذہبیت (تقلید) کی بڑی دین یہ بھی ہے کہ ایک ہی حدیث سے ثابت ہونے والے دو مسائل میں سے ایک مسألے پر اس کی حجیت کو تسلیم کیا جاتا ہے اور دوسرے مسألے پر اس کی حجیت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، جس کو ہم ایک ہی حدیث کے ساتھ دوہرا معیار اختیار کرنے سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ذیل میں اس کی بھی چند مثالیں پیش کر کے اپنے قارئین کرام سے اس رویہ پر غور کرنے کی درخواست کریں گے۔ واضح ہو کہ اس طرح کے دوہرے معیار کی بنیاد بھی تقلید ہی ہے جس کو وہ لوگ مذہبیت کا نام دیتے ہیں۔

ا۔ معروف و مشہور حدیث جس کو حدیث ''مسیئ الصلاۃ'' کے نام سے جانا جاتا ہے، کیونکہ اس میں ایک ایسے صحابی کا واقعہ مذکور ہے جنہوں نے صحیح طریقہ سے نماز نہیں ادا کی تھی تو رسول اکرم ﷺ نے انہیں تین بار نماز دہرانے کا حکم دیا تھا۔ اس حدیث کو امام بخاری وامام مسلم رحمہما اللہ سمیت متعدد ائمہ حدیث نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں: ایک شخص نماز کے لئے مسجد نبوی میں داخل ہوتا ہے، نماز سے فراغت کے بعد مسجد کے ایک گوشہ میں تشریف فرما رسول اکرم ﷺ کے پاس آ کر سلام کرتا ہے، آپ ﷺ اس کے سلام کا جواب دے کر اس سے ارشاد فرماتے ہیں: لوٹ جاؤ، نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی ہے''۔

حکم نبوی کی تعمیل میں اس نے دوبارہ جا کر نماز ادا کی، پھر آ کر آپ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے، آپ سلام کا جواب دینے کے بعد اس سے دوبارہ وہی بات فرماتے ہیں جو پہلی مرتبہ فرمائی تھی، تین بار ایسا کرنے کے بعد جب اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے حق دے کر آپ کو مبعوث فرمایا ہے، اس سے بہتر میں نماز نہیں پڑھ سکتا، لہذا آپ مجھ کو بتلائیے، تو آپ نے اس کو قدرے تفصیل کے ساتھ نماز پڑھنے کا طریقہ

بتلایا۔(۱)

رسول اکرم ﷺ نے اسی حدیث میں اس شخص کو طریقۂ نماز سکھلاتے ہوئے فرمایا:

"ثم اقرأ ما تيسر معك من القرآن"

یعنی پھر قرآن کریم سے تمہیں جو کچھ میسر (یاد) ہو اسے پڑھو"۔

آپ کے مذکورہ ارشاد مبارک سے استدلال کرتے ہوئے کہا گیا کہ: "نماز میں سورہ فاتحہ کی قرأت متعینہ طور پر واجب نہیں ہے"۔(۲)

حالانکہ اسی حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے اسی شخص کو مبینہ طور پر تعدیل ارکان کا بھی حکم دیا تھا، اور فرمایا تھا:

"ثم اركع حتى تطمئن راكعا، ثم ارفع حتى تعتدل قائما، ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا"۔

یعنی پھر رکوع میں جاؤ، یہاں تک کہ پورے اطمینان کے ساتھ رکوع کرو، پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدے میں جاؤ، یہاں تک کہ پورے اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو"۔

ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس شخص کی غیر معمولی جلد بازی کی وجہ سے آپ ﷺ

---

(۱) مکمل حدیث کے لئے ملاحظہ ہو: صحیح البخاری، کتاب الأذان (۲/ ۲۳۷ حدیث نمبر ۷۵۷، کتاب الأیمان (۱۱/ ۵۴۹ حدیث نمبر ۶۶۶۷) وصحیح مسلم، کتاب الصلاۃ (۱/ ۲۹۸، حدیث نمبر ۳۹۷)

(۲) ہدایہ میں مذکور ہے: "فقراءة الفاتحة لا تتعين ركنا عندنا"، یعنی ہمارے یہاں سورہ فاتحہ کی قرأت کو متعینہ طور پر رکن کی حیثیت نہیں حاصل ہے۔(۱/ ۴۸ طبع مصر)

یہاں ہم سیدواڑہ اوران کے ہم نواؤں سے بصد احترام پوچھنا چاہیں گے کہ اگر کوئی اہلحدیث عالم یہ کہہ دیتا ہے کہ "جماعت اہلحدیث تقلید شخصی کی اجازت نہیں دیتی" تو آپ انہیں اللہ اور رسول کا خطاب عنایت کر دیتے ہیں، آپ اپنے ان بزرگوں کو کون سا خطاب عنایت کریں گے، جو مبینہ طور پر فرما رہے ہیں کہ ہمارے نزدیک سورہ فاتحہ کی قرأت کو رکن کی حیثیت نہیں حاصل ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کی نظر میں ان بزرگوں کو اللہ اور رسول کی جانب سے اتھارٹی لیٹر ملا ہو۔ لہذا ان کو اختیار حاصل ہے جس کو چاہیں رکن کی حیثیت دیں اور جس کو چاہیں رکن کی حیثیت نہ دیں۔

نے فرمایا تھا:

" ارجع فصل ، فانك لم تصل "

یعنی: لوٹ جاؤ، جا کر نماز ادا کرو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی ہے۔

ایک ہی حدیث کے اندر وارد دو حکموں میں سے ایک حکم کو قبول کر کے دوسرے حکم کو نظر انداز کر دیا گیا، چنانچہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے:

اگر تعدیل ارکان کے بغیر بھی کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز ہو جائے گی، کیونکہ تعدیل ارکان کا حکم فرض نہیں ہے۔ ہدایہ میں ہے:

" أما الاستواء قائماً فليس بفرض ، وكذا الجلسة بين السجدتين ، والطمأنينة في الركوع والسجود ، وهذا عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى .... ولهما أن الركوع هو الانحناء ، والسجود هو الانخفاض لغة فتتعلق الركنية بالأدنى فيهما .... " (۱)

یعنی: "(رکوع سے اٹھتے وقت) بالکل سیدھے کھڑے ہونا امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک فرض نہیں ہے، اسی طرح دونوں سجدوں کے مابین بیٹھنا اور رکوع وسجود میں اطمینان کرنا (فرض نہیں ہے) ....ان کی دلیل یہ ہے کہ لغت میں رکوع محض جھکنے اور سجدہ محض زمین ٹیکنے کو کہتے ہیں، لہذا ارکنیت ان دونوں میں کم سے کم تر عمل کے ذریعہ ادا ہو جائے گی"۔

اس طرح ایک ہی حدیث کے ساتھ دوہرا سلوک روا رکھا گیا۔ چنانچہ ایک مسائلے میں مذہب سے موافقت کی بنا پر حدیث کو دلیل بنا لیا گیا، اور دوسرے مسائلے میں محض مذہب سے مخالفت کی وجہ سے اسی حدیث کو نظر انداز کر دیا گیا۔ حالانکہ جس مسائلے میں حدیث کو دلیل بنایا گیا ہے واضح طور پر اس مسائلے پر حدیث دلیل بھی نہیں ہے، صرف اتنی سی بات ہے کہ اس حدیث میں مطلق قرأت کا ذکر ہے، جبکہ دوسری احادیث کے ذریعہ اس اطلاق کو مقید کر کے سورہ فاتحہ کی قرأت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اصول فقہ کا یہ ایک

---

(۱) ہدایہ ۱/۱۰۹ طبع مصر

متفقہ اصول وضابطہ ہے کہ اگر کسی مطلق حکم کی کسی دوسرے نص سے تقیید ہوتی ہے تو اس کو مقید کرنا ضروری ہے۔

ان لوگوں کے یہاں ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ قرآن کریم سے ثابت کسی حکم پر ایسی کسی حدیث سے کسی قسم کی زیادتی جائز نہیں ہے جو تواتر کو نہ پہنچتی ہو۔ ایسی حدیث کو خبر واحد کا نام دیا جاتا ہے۔ چنانچہ سورہ فاتحہ کی قرأت کے فرض نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی بتلائی جاتی ہے کہ قرآن کریم میں صرف قرأت کا حکم ہے۔ اور جس حدیث میں سورہ فاتحہ کی قرأت کو لازم قرار دیا گیا ہے، وہ خبر واحد ہے، تواتر کے درجہ کو نہیں پہونچتی ہے، لہذا اس سے قرأت قرآن کے مطلق حکم پر سورہ فاتحہ کی تحدید کر کے زیادتی نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ ہدایہ ہی میں مذکور ہے:

" ولنا قوله تعالى : " فاقرؤا ما تيسر من القرآن " والزيادة عليه بخبر الواحد لا تجوز "

''یعنی ہماری دلیل اللہ تعالی کا ارشاد مبارک: (فاقرأوا ما تيسر من القرآن) ہے اور اس حکم پر خبر واحد کے ذریعہ زیادتی جائز نہیں ہے۔''

اگر اس ضابطہ کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے بہت سی ایسی چیزیں جو متفقہ طور پر حرام ہیں ان کی حلت کو تسلیم کرنا لازم ہوگا۔ قرآن کریم کے اندر (محرمات) ایسی عورتوں کو شمار کرتے وقت جن سے نکاح حرام ہے عورت اور اس کی خالہ یا اس کی پھوپھی کے درمیان جمع کرنا مذکور نہیں ہے۔ (۱) اس کی حرمت ایک ایسی حدیث سے ثابت ہے جو تواتر کو نہیں پہونچتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

" لا يجمع بين المرأة وعمتها ولا بين المرأة وخالتها " (۲)

''کسی عورت اور اس کی پھوپھی، اسی طرح کسی عورت اور اس کی خالہ کے مابین جمع نہیں کیا جا سکتا''۔

---

(۱) ملاحظہ ہو سورۃ النساء کی آیت ۲۳۔

(۲) ملاحظہ ہو: صحیح البخاری، النکاح (۹/۱۶۰ حدیث نمبر ۵۱۰۹) و صحیح مسلم، کتاب النکاح (۲/۱۰۲۸ حدیث نمبر ۱۴۰۸)

اس معنی ومفہوم کی دیگر احادیث بھی ہیں، لیکن وہ درجہ تواتر کو نہیں پہونچتی ہیں۔

تو کیا فقیہان سیدواڑہ اپنے اندر اس کی جرأت پاتے ہیں کہ مذکورہ اصولی ضابطہ کی روشنی میں کسی عورت اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ سے ایک ساتھ شادی کرنے کی اجازت دے دیں گے؟ یا خود اپنے اصول کو زندہ وثابت رکھنے کے لئے اس طرح کی شادی کرلیں گے؟ اگر یہ قاعدہ یہاں ٹوٹ سکتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ سورہ فاتحہ کی قرأت کو لازم قرار دینے میں نہیں ٹوٹ سکتا، جبکہ یہ خود ساختہ قاعدہ ہے، کتاب وسنت میں اس کی کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔

اسی طرح قرآن کریم کے اندر جانوروں اور پرندوں کو جن کا کھانا حرام ہے(۱) شمار کرتے وقت (ذی مخلب) پنجوں سے نوچ کر کھانے والے پرندوں اور (ذی ناب) کچلی دانتوں سے نوچ کر کھانے والے جانوروں کو نہیں ذکر کیا گیا ہے، بلکہ اس کی حرمت ایسی حدیث سے ثابت ہے جو خبر واحد ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ہر ذی ناب، درندوں اور ذی مخلب پرندوں کو کھانے سے منع کیا ہے، حدیث کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

"نهى رسول الله ﷺ عن كل ذى ناب من السباع ، وعن كل ذى مخلب من الطير" (۲)

یہاں بھی ہم بصد احترام فقیہان سیدواڑہ سے پوچھنا چاہیں گے کہ کیا چیل وگدھ جیسے پرندوں اور کتے وبھیڑیے جیسے جانوروں کو اپنے دسترخوان کی زینت بنا کر مذکورہ خود ساختہ اصولی ضابطہ کو برقرار رکھنے کی ہمت کر سکتے ہیں؟

مناسبت کے پیش نظر عرض کرنا چاہیں گے کہ ان حضرات کو سورہ فاتحہ کی قرأت کے بارے میں حکم قرآن کا اتنا پاس ولحاظ ہے کہ واضح حدیث رسول کے ہوتے ہوئے بھی سورہ

---

(۱) ملاحظہ ہو سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۲۔

(۲) ملاحظہ ہو: صحیح مسلم، الصید (۱۵۳۴/۳، حدیث نمبر ۱۹۳۴) وسنن أبی داؤد، الأطعمۃ (۱۵۹/۴، حدیث نمبر ۳۸۰۲)

ذی ناب کی روایت امام بخاری کے یہاں بھی موجود ہے۔

فاتحہ کی قرأت کی اجازت نہیں دی گئی، مبادا حکم قرآن پر حدیث رسول کے ذریعہ زیادتی لازم نہ آجائے۔ یہ موقف ہے ان لوگوں کا اس رسول کی حدیث ساتھ جس کو قرآن دے کر بھیجا گیا اور ساتھ ہی اس کو قرآن کے شارح اور مبین کی حیثیت دیتے ہوئے خود قرآن کریم میں اس کی اطاعت واتباع کو واجب وضروری قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اسی نماز میں اس بات کی بھی اجازت دی گئی کہ قرأت قرآن فارسی زبان میں بھی جائز ہے، کیوں؟ اس لئے کہ بعض ائمہ کرام وفقہاء عظام نے اس کی اجازت دے دی ہے۔ (۱) اور چونکہ وہی موقف کی نزاکتوں، فقہ کے دقائق اور استدلالات کی گہرائیوں سے واقف ہیں، لہذا ان کی تحقیقات کی روشنی میں کتاب اللہ پر زیادتی نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے، البتہ حدیث رسول کے ذریعہ نہیں جائز ہے۔ جس کا واضح مطلب یہی ہوا کہ آپ ﷺ اس مذکورہ وصف سے متصف نہیں تھے (نعوذ باللہ) ہوسکتا ہے ان کی نظر میں بہت زیادہ امعان نظر اور بحث وتحقیق کے بعد یہ قول بھی بقول علامہ عامر عثمانی رحمہ اللہ عین حق اور صواب ہو۔ اور یہی نہیں کہ نماز میں قرأت قرآن صرف بزبان فارسی جائز ہے، بلکہ توریت وانجیل کی بھی تلاوت کی جاسکتی ہے، اور اس سے نماز ادا ہو جائے گی۔ (۲) سبحان اللہ!

اس تحقیق انیق پر بروقت کچھ عرض نہیں کریں گے۔ البتہ فقیہ اعظم مولوی محمد ابوبکر غازی پوری (دامت برکاتہم) جو اپنے اعلیٰ ذہن ودماغ کی بھٹی میں تیار کی ہوئی ۱۸ لیٹر کے حساب سے خالص شراب اہلحدیثوں کو پلا رہے ہیں (۳) علم ومعرفت، امانت ودیانت اور

---

(۱) اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کے لئے ملاحظہ ہو: راقم کا مضمون بعنوان ''اپنے ہی مذہب سے جہالت کا پرچار نہ کیجئے'' منشور در اشاعۃ السنۃ دہلی ش ۲ ج ۲ (ص ۲۹)

آپ وہاں دیکھیں گے کہ آج بھی فارسی زبان میں قرأت قرآن کے ذریعہ نماز ہو جانے کی وکالت کی جارہی ہے، اور اسے فقہاء کرام کا توسع کہا جارہا ہے۔

(۲) ملاحظہ ہو: رد المحتار معروف بہ حاشیہ ابن عابدین (۱۶۳/۲ طبع جدید محقق)

(۳) موصوف اپنی ایک پوتھی میں رقم طراز ہیں: ''غیر مقلدین کے یہاں ایک ''مد'' (تقریبا ۱۸ لیٹر) شراب کا شوربہ پاک ہے'' اور نواب وحید الزماں کی کتاب سے اس کی دلیل پیش کی ہے، اور دلیل میں جو عبارت نقل کی ہے یا تو اس میں اپنی جہالت مرکبہ کا ثبوت فراہم کیا ہے، یا پھر دنیا کے تمام کذابین ودجالین کو منہ چڑھاتے اور انگوٹھا دکھاتے ہوئے ایسی =

زہد وتقویٰ کی چوکھٹ پر اس طرح دوزانو بیٹھے ہیں کہ جملہ علماء اہلحدیث کو جہالت و نادانی، خیانت وفریب کاری اور نفاق ودنیاداری کی سرٹیفیکیٹ بانٹ رہے ہیں ان سے ہم پوچھنا چاہیں گے کہ آپ نے میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کو اپنے غیبی تصرفات کی وجہ سے محض اس بنا پر انگریزوں کا پٹھو اور ان کا ہم نوا ثابت کر دیا (۱) کہ انہوں نے ایسے ولایتی برتنوں کی خرید وفروخت کو جائز کہہ دیا تھا جن پر تصویریں بنی ہوں۔ آپ اپنے ان اکابرین کو کیا کہیں گے جنہوں نے نماز میں توریت وانجیل کی تلاوت کو جائز قرار دیتے ہوئے فارسی زبان میں مکمل نماز واذان کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ اگر میاں سید نذیر حسین تصویر بنے ہوئے کپڑوں اور برتنوں کی خرید وفروخت کو جائز کہنے پر یہود ونصاریٰ کے پٹھو ہو سکتے ہیں تو توریت وانجیل کی تلاوت اور فارسی زبان میں قرآن کی قرأت سے نماز ہو جانے کا فتویٰ دینے والے آپ کے بزرگان دین کیا ہوں گے؟ ذرا اسی خنجر نما زہر آلود قلم سے اس کی بھی وضاحت فرما دیجئے۔ ہم ہزار گستاخ سہی اپنے قلم سے اس قسم کی بات نہیں لکھ سکتے۔

ب:۔ متعدد صحابہ کرام سے مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ایک صحیح ترین حدیث میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر مسيرة ثلاثة أيام الا مع زوج أو مع ذي محرم" (۲)

یعنی: "اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر یقین وایمان رکھنے والی کسی خاتون کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر یا محرم کے بغیر تین دن کی مسافت کا تنہا سفر کرے۔"

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے نماز میں قصر اور رمضان میں افطار کے لئے مسافت سفر کی تحدید وتعیین کی گئی ہے، چنانچہ کہا گیا:

= کذب بیانی کی ہے کہ شاید آج تک کسی کذاب نے اتنا بڑا جھوٹ اپنے منہ یا قلم سے نکالنے کی جرأت نہ کی ہوگی۔ تفصیل کے لئے اشاعۃ السنۃ دہلی ش ۶ ج ۲ ص ۱۶۸ ایڈیٹر کی ڈاک ملاحظہ ہو۔

(۱) اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کے لئے ملاحظہ ہو: اشاعۃ السنۃ دہلی ش ۴ ج ۲ (ص ۴۴)

(۲) [illegible] صحیح مسلم (۲/ [illegible] ۱۳۳۸)

تین دن اور تین رات کی مسافت کے سفر میں مسافر کے لئے قصر اور افطار دونوں جائز ہو جاتے ہیں۔(۱)

جس مسائلے کے لئے حدیث مبینہ طور پر وارد ہوئی ہے اس کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے باندی، مکاتبہ اور ام ولد کے لئے محرم یا شوہر کی معیت کے بغیر سفر کی اجازت دی گئی ہے۔(۲) جبکہ حدیث میں مکمل عمومیت کے ساتھ بغیر شوہر یا محارم کے عورتوں کو سفر سے روکا گیا ہے۔ دوسری کوئی ایسی حدیث بھی نہیں ہے جس میں مذکورہ عورتوں کو بغیر محرم یا شوہر کے سفر کی اجازت دی گئی ہو۔

مذہبیت (تقلید) کی ایک بڑی دین خیالی وفرضی مسائل

مروجہ تقلید کا افسوسناک پہلو عقل وفہم سے بالاتر ایسے خیالی اور مفروضہ مسائل ہیں جن کے وقوع کا تصور شاید کسی اور عالم میں ممکن ہو تو ہو، کم از کم اس دنیا میں کوئی صاحب عقل وبصیرت ان کا تصور ہرگز ہرگز نہیں کرسکتا۔ اور اس طرح کے مسائل عموماً متاخرین فقہاء کی کتابوں میں بکثرت ملتے ہیں جنہوں نے ایک طرف سے اجتہاد کا دروازہ بند کرکے اپنی سوچ وفکر پر تالا لگا دیا، اور جب ان کے سامنے کرنے کے لئے کچھ بچا نہیں اور انہیں محسوس ہوا کہ اس طرح ان کی عقلیں ناکارہ ہو جائیں گی تو اپنے غور وفکر کی صلاحیت کو باقی رکھنے کے لئے فرضی مسائل کا سہارا لیا، اور ایسے دور از کار وہمی مسائل فرض کرکے اپنے مذہب کے اصول کی روشنی میں ان کے احکام معلوم کرنے کی کوشش میں لگ گئے، جو ابھی نہ تو واقع ہوئے ہیں اور نہ مستقبل میں ان کے واقع ہونے کی امید ہی ہے۔ حالانکہ اس قسم کے مسائل فرض کرکے ان کے احکام معلوم کرنا انتہائی درجہ کا تکلفانہ عمل ہے جس کی قرآن کریم میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔

حضرت ربیع بن خثیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

(۱) ملاحظہ ہو: حاشیہ ابن عابدین (۲/۵۲۵ طبع جدید محقق) وفتح الباری (۲/۵۶۷)۔

(۲) ملاحظہ ہو: حاشیہ ابن عابدین (۹/۲۷۵ طبع جدید محقق)

''اے اللہ کے بندے! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی کتاب کا جو کچھ علم عطا کیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اور جس علم کو تم سے پوشیدہ رکھا ہے اسے جاننے والوں کے حوالہ کردو، اور اس کے جاننے کا تکلف نہ کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے:

" قل : ما أسألكم عليه من أجر ، وما أنا من المتكلفين " (۱)

ترجمہ: ''کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا، اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں''۔(۲)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے منبر پر اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

''میں اللہ کا واسطہ دے کر ہر اس شخص پر عرصۂ حیات تنگ کردوں گا جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو ابھی واقع نہیں ہوئی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر واقع ہونے والی چیز کو بیان کردیا ہے''۔(۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو جو ابھی واقع نہیں ہوئی ہیں، اس لئے کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو ایسے شخص پر لعنت بھیجتے ہوئے سنا ہے جس نے ایسے امور کے متعلق سوال کیا جو ابھی واقع نہیں ہوئے ہیں''۔(۴)

اسی طرح متعدد صحابہ کرام زید بن ثابت، ابی بن کعب، عمار بن یاسر (رضی اللہ عنہم اجمعین) وغیرہ کے متعلق آتا ہے کہ جب ان سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا جاتا تو پوچھتے کہ کیا ایسا واقع ہوا ہے؟ اگر کہا جاتا کہ ہاں، ایسا واقع ہوا ہے، تو جواب دیتے، ورنہ جواب

---

(۱) سورہ ص آیت ۸۶

(۲) جامع بیان العلم وفضلہ (۲/۱۳۶) طبع مطبعۃ منیریہ قاہرہ۔

(۳) ایضاً (۲/۱۴۱)

(۴) الفقیہ والمتفقہ (۲/۷)، ایضاً جامع بیان العلم وفضلہ (۲/۱۴۲،۱۳۹)

نہ دیتے بلکہ فرماتے: چھوڑ دیہاں تک کہ واقع ہو جائے"۔(۱)

حضرت مسروق رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ آپ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کسی چیز کے متعلق دریافت کیا، تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا یہ چیز واقع ہو چکی ہے؟ مسروق نے کہا: نہیں، تو حضرت اُبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں اس طرح کے مسائل سے راحت دو، یہاں تک کہ واقع ہو جائیں، جب واقع ہو جائیں گی تو ہم اجتہاد کر کے اپنی رائے سے تمہیں باخبر کریں گے"۔(۲)

اس نوعیت کے بیشمار اقوال وآثار صحابہ کرام اور تابعین عظام سے منقول ہیں، جن کو اہل علم نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ بلکہ جلیل القدر تابعی امام شعبی رحمہ اللہ سے منقول ہے، آپ قسم کھا کر کہتے: "اس قوم نے مسجد کو میرے لئے اتنا زیادہ مبغوض بنا دیا ہے کہ وہ میرے نزدیک میرے اپنے گھر کے کوڑے دان سے بھی زیادہ ناپسندیدہ ہوگئی ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا: اے ابو عمرو! یہ کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: "اُرائی (۳) لوگ ہیں"۔(۴)

اس طرح کے متعدد آثار واقوال ذکر کرتے ہوئے علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جمہور اہل علم کا کہنا ہے کہ دین کے احکام میں ظن وتخمین اور استحسان کی بنیاد پر کوئی بات کہنا (۵)، پیچیدہ مسائل اور مفروضات کی تعلیم وتعلم اور ان کے حفظ سے شغل رکھنا یہی

(۱) الفقیہ والمتفقہ (۲/۷-۹)

(۲) جامع بیان العلم وفضلہ (۲/۱۴۱)

(۳) اُرائی: لفظ" اَرَیٔ" کی جانب سے منسوب ہے، جس کے معنی ہیں "میری رائے یہ ہے؟..." "مفروضہ مسائل سے شغل رکھنے والے حضرات عموماً مسائل فرض کر کے ان کے متعلق یہی کہتے ہیں کہ ان کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے، اسی بناء پر انہیں "اُرائی" کہا جانے لگا۔

(۴) جامع بیان العلم وفضلہ۔

(۵) کتنی مضحکہ خیز بلکہ ستم ظریفی کی بات ہے کہ صحیح ترین احادیث کو اخبار آحاد کہہ کر یا ان کو قرآن پر زیادتی کہہ کر یا اسی طرح کے دیگر مختلف حیلوں اور بہانوں سے پس پشت ڈالی دیا جائے، اور اپنے ظن وتخمین اور استحسان کی بنیاد پر شریعت [illegible]

وہ رائے وقیاس ہے جس کی مذمت کی گئی ہے۔ وقوع سے پہلے مسائل کو فرض کر کے ان کے بارے میں اجتہاد کیا جائے، رونما ہونے سے پیشتر ان کی شقیں نکالی جائیں، ان کی جزئیات پر بحث کی جائے، ظن وتخمین سے مشابہت رکھنے والے قیاس اور رائی کی بنیاد پر ان میں بحث وجستجو کی جائے، جمہور کا کہنا ہے کہ: اس طرح کے امور سے شغل رکھنا درحقیقت سنتوں کو معطل کرنا، احادیث سے جہالت اور لاعلمی برتنے پر اکسانا اور اس کی ترغیب دلانا ہے"۔(۱)

یہ عصر حاضر کے کسی غیر مقلد (لا مذہبی) ظاہر بیں، واہمہ پرست، فتنہ پرور، اور ائمہ کرام کی شان میں گستاخی کرنے والے کا قول نہیں ہے بلکہ پانچویں صدی ہجری کی ایک بڑی قد آور شخصیت کا فرمان ہے، جس نے حدیث کی اول ترین کتاب موطا امام مالک کی شرح لکھی ہے۔ بلکہ اسے امام مالک رحمہ اللہ کے علم کا شارح قرار دینا بیجا نہ ہوگا۔ بہر حال ائمہ کرام رحمہم اللہ کی تصریحات اور ان کے بیانات سے خیالی وفرضی مسائل جن سے امت ابھی دوچار نہیں ہوئی ہے، ان سے اشتغال رکھنے کی سخت مذمت ثابت ہوتی ہے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ بیشتر متأخرین فقہاء نے اس قسم کے وہمی وفرضی مسائل سے اپنی کتابیں بھر دی ہیں، اور آج کل انہی کتابوں کے درس وتدریس کا سخت اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور دعوی کیا جاتا ہے کہ ان کتابوں سے عقل روشن ہوتی ہے، دین میں تفقہ حاصل ہوتا ہے۔ شاید ائمہ سلف کو اس حقیقت سے آگاہی حاصل نہیں ہوسکی تھی، ورنہ وہ کبھی ان مسائل سے تعرض کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے، اور نہ اپنے متبعین کو ان سے بچنے کی تلقین کرتے۔

اب آیئے ذرا فقاہت کے چند ایسے اچھوتے نمونے ملاحظہ کرلیں جن سے دعویٰ مذہبیت کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے، اور ان سے ترک تقلید کو فتنہ، یا ضلالت وگمراہی کا زینہ قرار دینے والوں کے دعاوی باطلہ کی حقیقت بھی واضح ہوجائے گی۔

---

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ (۲/۱۳۹)

۱- مستحق امامت اور اس کے درجات: (۱)

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"یؤم القوم أقرؤهم لكتاب الله ، فان كانوا فى القراءة سواء ، فأعلمهم بالسنة ، فان كانوا فى السنة سواء فأقدمهم هجرة ، فان كانوا فى الهجرة سواء فأقدمهم سنا". (۲)

"یعنی: لوگوں کی امامت ان میں کتاب اللہ کا سب سے زیادہ پڑھنے والا کرائے گا، اگر کتاب اللہ کے پڑھنے میں سب برابر ہوں گے تو سنت کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا ان کی امامت کرائے گا، اگر سنت کی معرفت اور اس کے علم میں سب برابر ہوں گے تو ان میں جس کو ہجرت میں سب پر سبقت حاصل ہوگی وہ امامت کرائے گا، اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں گے تو عمر میں جس کو سب پر فوقیت حاصل ہوگی وہ امامت کرائے گا"۔

اس غیر مبہم بلکہ واضح ترین فرمان رسول کے بعد کیا کسی اجتہاد و قیاس کی ضرورت تھی؟ ہرگز نہیں۔لیکن " لا اجتهاد مع النص " کے مسلمہ اصول کے باوجود رائے وقیاس سے کام لیا گیا، اور ماہرین فقہ جن کو ایسے ماہرین اطباء سے تشبیہ دی جاتی ہے جو

---

(۱) اس موضوع پر مختلف جوانب سے مختلف پرچوں اور کتابوں میں مختلف اہل قلم کی جانب سے تفصیلی بحث آچکی ہے، پھر بھی اس بحث ناپسندیدہ کا ذکر ناگزیر معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ غیر واقعی تاویلات کے ذریعہ کتب فقہ کی اس ترتیب کو صحیح قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے، اور اس پر نقد کرنے والوں کو فقہ و معرفت سے عاری قرار دے کر جہالت کی سند عطا کی جاتی ہے، عدل وانصاف، سنجیدگی و متانت اور ملت کو درپیش چیلنجوں کی دہائی دینے والوں سے نہایت ہی عاجزانہ درخواست ہے کہ صرف ہمیں ہی اس سلسلے میں نہ مطعون کیا جائے، بلکہ دوسری جانب بھی نظر عنایت کرتے ہوئے ان لوگوں کے رویہ اور موقف کو بھی سامنے رکھنا چاہئے، جو تقلید کو دخول جنت کے لئے واجب وضروری نہ قرار دینے کو فتنہ، ضلالت وگمراہی کا زینہ قرار دیتے ہیں۔ لہذا مذکورہ سطور کے ذریعہ ان کے اسی دعوی کی حقیقت کو عوام کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں، کسی کی تنقیص یا عیب جوئی ہمارا مقصد یا شیوہ نہیں ہے، ہم اللہ تعالی سے ان امور سے اس کی پناہ کے طالب ہیں۔

(۲) امام مسلم علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے، ملاحظہ ہو: صحیح مسلم کتاب المساجد، باب من أحق بالامامة؟ (۱/ ۴۶۵ حدیث نمبر ۶۷۳)

دواؤں اور جڑی بوٹیوں کی خاصیت کی معرفت کے ساتھ ان امراض کا بھی علم رکھتے ہیں جن میں یہ دوائیں اور جڑی بوٹیاں مفید ہوتی ہیں، انہوں نے مستحق امامت اور اس کے درجات کی جو تفصیل بیان کی ہے اسے ملاحظہ فرما کر حدیث رسول میں مذکور ترتیب اور ان ماہرین کی بیان کردہ ترتیب میں موازنہ کیجئے، اور ان دونوں میں فیصلہ کیجئے کہ کون زیادہ سہل اور آسان ہے اور کس پر عمل ممکن ہے۔

شیخ محمد وحید جباوی ایک مشہور و معروف حنفی عالم ہیں، امامت نماز کے سب سے زیادہ مستحق شخص کی تحدید و تعیین کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''امامت نماز کا سب سے زیادہ مستحق حاکم وقت یا اس کا نائب ہے، اس کے بعد وہ شخص ہے جو حسن خلق میں سب سے بڑھا ہوا ہے، اس کے بعد جو شکل وصورت میں سب پر فوقیت رکھتا ہے، اس کے بعد جو شخص بشاشت وجہ میں سب سے بڑھا ہوا ہے، اس کے بعد جو شخص حسن آواز میں سب پر فوقیت رکھتا ہے، اس کے بعد جس کی بیوی سب سے زیادہ حسین و جمیل ہے، اس کے بعد جو شخص سب سے زیادہ مالدار ہے، اس کے بعد جو شخص جاہ و منصب میں سب سے مقدم ہے، اس کے بعد جس شخص کا سر سب سے بڑا ہے، اس کے بعد جس شخص کا عضو (؟) سب سے چھوٹا ہے''۔(۱)

یہ ہے امامت نماز کی احقیت کے سلسلے میں اچھوتی محققانہ وفقیہانہ دلپذیر ترتیب، جس میں ماہرین فقہ نے کتاب وسنت کے تمام دلائل کو جمع کرنے کے بعد اپنی خداداد فقہی بصیرت کا نچوڑ اور خلاصہ پیش کر دیا ہے، جس پر امت کے ہر فرد بشر کا فریضہ بنتا ہے کہ وہ ان اکابرین کے ممنون و مشکور ہوں، جنہوں نے اپنی انتھک جد و جہد اور دن ورات کی سعی پیہم و مسلسل مغز ماری کے بعد امامت جیسے غیر معمولی اور اہم مسائلے کا بیش بہا علاج تجویز کیا ہے۔ یہ نہیں تصور کرنا چاہئے کہ یہ تنہا علامہ جباوی کی رائے اور ان کا اپنا اجتہاد ہے، نہیں، بلکہ مذہب حنفی کی اہم کتابوں میں بھی اسی ترتیب یا اس سے ملتی جلتی ترتیب کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

---

(۱) [illegible]

ہم یہاں مذکورہ ترتیب کی تفصیل سے قبل بادل نخواستہ قارئین کرام کی توجہ اس جانب بھی مبذول کرا دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ فقہاء کرام ـــــ جن کو اللہ تعالی نے بلا کی ذہانت، غضب کی ژرف نگاہی، زبردست تفقہ، حاضر جوابی، بیدار مغزی اور علمی بصیرت سے خصوصی طور پر نوازا تھا جس کی وجہ سے انہیں ماہرین اطباء قرار (۱) دیتے ہوئے ان کی تقلید کو اللہ اور رسول کے احکام تک پہونچنے کا وسیلہ اور ذریعہ سمجھا جاتا ہے ـــــ ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ مذکورہ ترتیب فرمان رسول کے عین مطابق ہے یا عین مخالف۔ کیونکہ اس کا فیصلہ ہما شما کا کام نہیں ہے، بلکہ ان کا کام ہے جو اپنے موقف کی نزاکتوں، اپنے استدلالات کی گہرائیوں اور فقاہت کی باریکیوں کو پوری طرح سمجھتے اور جانتے ہیں۔ اسی چیز کو نہ سمجھنے کی وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ جیسے امیر المومنین فی الحدیث نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بدظنی کا شکار ہو کر ان کو کھل کر اور کنایۃً ہدف ملامت بنانے کی جسارت کی۔ حالانکہ ان کی بدظنی بقول علامہ عامر عثمانی رحمہ اللہ بے بنیاد، انتہائی غلط اور لغو تھی۔ وہ امام صاحب کے قول کی گہرائی کو سمجھ نہیں پائے تھے، اور بلا وجہ آپ سے انہوں نے بیر مول لے لیا تھا۔ (۲)

لہذا مذکورہ ترتیب کی نزاکت، اس کی گہرائی اور اس کی باریکیوں کو فقہاء کرام ہی سمجھ سکتے ہیں، ہمیں زبان کھولنے کی نہ تو اجازت ہے اور نہ ضرورت۔ اگر اس کی جسارت کرتے بھی ہیں تو ہمیں فقیہان سیدواڑہ کی جانب سے عذاب الہی کا مژدہ سننا پڑے گا جس کی ہمارے اندر تاب نہیں ہے۔ لیکن اتنا ضرور عرض کریں گے کہ اگر حکیمان امت بلفظ دیگر فقیہان ملت نے امامت جیسے اہم مسائلے کا علاج بے مثل اپنی غضب کی ژرف نگاہی اور بلا کی ذہانت کی وجہ سے ڈھونڈ نکالا ہے تو اس میں اتنا اختلاف اور اتنی افراتفری کیوں

---

(۱) یہ مقولہ اہل تقلید کے حلقہ میں کافی معروف ہے کہ "محدثین کی مثال عطار کی ہے، اور فقہاء کی مثال طبیب کی" اس کا تذکرہ علامہ عامر عثمانی رحمہ اللہ نے بھی بڑے شد و مد کے ساتھ کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: تجلی ڈاک نمبر، دسمبر ۱۹۷۲ء) اس مقولہ کی حقیقت جاننے کے لئے ملاحظہ فرمائیں: مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہ کی "تحریک آزادیٔ فکر" (۱۳۸، ۱۳۹۔ مطبوعہ الدار العلمیہ دہلی)

(۲) ماہنامہ تجلی دیوبند (ڈاک نمبر دسمبر ۱۹۷۲ء)

دیکھنے میں آ رہی ہے؟ چنانچہ آپ مذہب احناف کی مختلف کتابوں کو اٹھا کر خود ہی چشم بینا سے اس افراتفری اور برانہ مانیں تو فقہی دنگل کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اور اگر وقت آپ کو اس کی اجازت نہیں دیتا تو ہم خود ہی اس کی ایک جھلک پیش کر دیتے ہیں۔ لیکن ایک گزارش ضرور کریں گے، اور وہ یہ کہ آپ اپنے ذہن کے اندر سابقہ سطور میں پیش کی گئی حدیث رسول کو بھی رکھیں، پیش کردہ اقتباسات اور اس واضح ترین حدیث کے مابین موازنہ کرتے جائیں اور دیوبند یا سیدواڑہ کے کسی ژرف نگاہ، فقہی بصیرت کے حامل فقیہ جس نے ان کتابوں کے ورد سے اپنی عقل کے چودہ طبق روشن کر رکھے ہوں سے بصد احترام دریافت فرمائیں کہ فقہاء کرام کی مذکورہ ترتیب حدیث رسول کے موافق ہے یا مخالف؟ اگر موافق ہے تو آخر حدیث رسول کی مخالفت کس کو کہتے ہیں؟ اور علامہ عامر عثمانی رحمہ اللہ کے اس قول "...فقہ کے بہتیرے مسائل ایسے ہوتے ہیں جو صرف بادی النظر ہی میں نہیں، بلکہ تھوڑے سے غور وفکر اور نقد ونظر کے بعد بھی قرآن وسنت کے خلاف محسوس ہوتے ہیں، لیکن جب زیادہ امعانِ نظر اور تفحص اور تحقیق وتدقیق سے کام لیا جائے تو عین حق ثابت ہوتے ہیں۔" کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں مکمل چھوٹ دے دیں کہ جتنا چاہیں امعان نظر سے کام لیں اور اس کو عین حق ثابت فرمادیں، ہم ان کے بہت ممنون ہوں گے۔

سب سے پہلے ہم ہدایہ کا اقتباس پیش کرتے ہیں:

" أولى الناس بالامامة أعلمهم بالسنة .... فان تساووا فأقرؤهم ..... فان تساووا فأورعهم ..... فإن تساووا فأسنهم .... " (۱)

یعنی: "امامت کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہے، جو سب سے زیادہ سنت کا عالم ہو .... اگر اس میں سب برابر ہوں تو وہ جو سب سے زیادہ کتاب اللہ کا قاری ہو .... اگر اس میں سب برابر ہوں تو وہ جو سب سے زیادہ زہد وورع سے متصف ہو ...... اگر اس میں سب برابر ہوں تو وہ جو سب سے زیادہ عمر میں بڑا ہو ...."۔

---

(۱) ہدایہ (اولین طبع ...)

حدیث میں چار مرتبے کا بیان ہے، ہدایہ میں بھی چار ہی مرتبے کا ذکر ہے لیکن ''ہجرت'' کی جگہ زہد وورع کا ذکر ہے، اوراس کے ساتھ ترتیب میں بھی تبدیلی پائی جاتی ہے۔اس راز سے ژرف نگاہ فقہاء کرام ہی پردہ اٹھا سکتے ہیں۔حدیث کی مذکورہ ترتیب میں کیا خامی تھی کہ اسے بدلنا پڑا۔

تنویرالأبصار متن درمختار میں اسی ترتیب کو یوں بیان کیا گیا ہے:

" والأحق بالامامة الأعلم بأحكام الصلاة ...... ثم الأحسن خلقا ، ثم الأحسن وجها ، ثم الأشرف نسبا ، ثم الأنظف ثوبا ، فان استووا يقرع أو الخيار الى القوم ". (١)

یعنی: ''امامت کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہے جو احکام نماز کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے، پھر سب سے اچھی تلاوت کرنے والا ہے، پھر سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار، پھر عمر میں سب سے مقدم شخص، پھر سب سے زیادہ خوش اخلاق شخص، پھر سب سے زیادہ خوبصورت چہرہ والا، پھر سب سے زیادہ شریف النسب، پھر سب سے زیادہ خوش لباس، اگر ان تمام امور میں سب برابر ہوں تو قرعہ اندازی کی جائے گی یا لوگوں کو اختیار ہوگا جس کو چاہیں منتخب کرلیں۔''

درمختار میں اضافہ کرتے ہوئے یوں کہا گیا ہے:

" .... ثم أصبحهم – أي أسمحهم وجها – ثم أكثرهم حسبا ، ثم الأحسن صوتا ، ثم الأحسن زوجة ، ثم الأكثر مالا ، ثم الأكثر جاها ، ...... ثم الأكبر رأسا والأصغر عضوا ثم المقيم على المسافر ، ثم الحر الأصلي على العتيق ، ثم المتيمم عن حدث على المتيمم عن جنابة .... فان استووا اعتبر أكثرهم .... " (٢)

(١) تنویرالابصار (٢٥٢/٢ ضمن درمختار طبع داراحیاء التراث العربی بیروت)، بدعۃ التعصب المذہبی (ص ١٩٣)

(٢) الدرالمختار (٥٤/١ طبع ہند)۔

یعنی: ''..... پھر حسین وجمیل چہرہ والا، پھر حسب ونسب میں سب سے بڑھا ہوا، پھر سب سے اچھی آواز والا، پھر سب سے حسین بیوی والا، پھر سب سے زیادہ مال ودولت والا، پھر سب سے زیادہ جاہ ومنصب والا .....، پھر سب سے بڑے سر والا اور سب سے چھوٹے عضو والا، پھر مقیم کو مسافر پر، پھر اصلی آزاد کو آزاد کئے گئے شخص پر، پھر حدث (پیشاب، پاخانہ اور ہوا خارج ہونے) کی وجہ سے تیمم کرنے والے کو جنابت کی وجہ سے تیمم کرنے والے پر مقدم کیا جائے گا .....، اگر لوگوں میں اختلاف پایا جائے تو اکثریت کی رائے کا اعتبار کیا جائے گا ....''

اسی طرح مراقی الفلاح (۱) میں بھی الٹ پھیر کر کے یہی ترتیب بیان کی گئی ہے۔ ان تمام ترتیبوں سے پہلے علامہ جباوی کی بیان کردہ ترتیب بھی آپ نے ملاحظہ کر لی ہے وہ بھی نظر میں رہے۔ اس الٹ پھیر اور غیر معمولی اختلاف (۲) کی حقیقت سے پردہ وہی ژرف نگاہ، بلا کے ذہین، علم ومعرفت کے دریا، حاضر جواب وبیدار مغز، فقہی بصارت وبصیرت کے مینار فقہاء کرام ہی اٹھا سکتے ہیں جن کی قرآن اور تمام ذخیرۂ احادیث پر نظر ہے، مفسرین ومحدثین اور فقہائے سلف کی آراء جن کے ملاحظہ سے گذری ہیں، جو دلائل کے ضعف وقوت کا ادراک کر سکتے ہیں اور علمی اسرار ومعارف کو سمجھنے میں اعلیٰ استعداد کے حامل ہیں، یہی لوگ بتلا سکتے ہیں کہ مذکورہ حدیث رسول کا کیا مفہوم ہے؟ ویسے علامہ کرخی رحمہ اللہ نے بہت پہلے ایک قاعدہ کلیہ بیان کر دیا ہے کہ ہر وہ آیت یا حدیث جو ہمارے (یعنی حنفی) اصحاب کے قول کے خلاف ہو اسے نسخ پر محمول کیا جائے گا۔ اور شاید علامہ کرخی

(۱) مراقی الفلاح (ص ۱۷۴ علی هامش الطحطاوی، ط: المکتبة الازهریة، القاهرة)

(۲) یہاں بصد احترام سید واڑہ کی شورائی مجلس کے رئیس اعظم تفقہ مآب مولوی ابوبکر غازی پوری صاحب سے پوچھنا چاہیں گے کہ آپ بعض مسائل میں علماء اہلحدیث کی مختلف تحقیقات یا ان کے نقطۂ نظر کے اختلاف کو تضاد بیانی پر محمول کرتے ہوئے اور الفاظ کے ساتھ شعبدہ بازی دکھلاتے ہوئے محو حیرت وتعجب ہو جاتے ہیں، اور فن کاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے علماء اہلحدیث پر آنسو بہاتے ہیں، لیکن آپ کو اپنے رمز شناس، دقیقہ سنج اور غضب کے ژرف نگاہ فقہاء کرام کے اس ایک مسالہ میں اتنے متضاد اقوال اور غیر معمولی اختلاف پر ذرا بھی تعجب یا حیرت نہیں ہوتی، اور ان میں تضاد بیانی نظر

کے اسی اصول سے متاثر ہو کر علامہ عامر عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اہل حدیث کا عام طرز یہ ہے کہ وہ کسی موضوع پر ایک حدیث سامنے رکھ دیتے ہیں کہ لیجئے اس میں تو یہ حکم ہے اور فقہ حنفی اس کے برخلاف یوں کہتی ہے۔ اب کم علم لوگ کیا سمجھیں کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ وہ تو اسی دھوکے میں آ جائیں گے کہ واقعی فقہ حنفی کے بعض مسائل حدیث کے خلاف ہیں۔ مگر اصل حقیقت یہ ہوتی ہے کہ دوسری متعدد حدیثوں سے اس حدیث کا وہ مفہوم متعین نہیں ہوتا جو یہ کاریگر حضرات باور کرانا چاہتے ہیں، یا یہ حدیث منسوخ ہوتی ہے، یا اس حدیث کی صحت میں کچھ گڑبڑ ہوتی ہے، یا اس میں کوئی وقتی حکم بیان ہوتا ہے اور عام حکم اس سے مختلف دوسری کسی حدیث میں یا آیت میں موجود ہوتا ہے''۔(۱)

علامہ عامر عثمانی کی اس حقیقت بیانی (؟) کے پس منظر میں مذکورہ حدیث کی حیثیت بھی اگر از ہر ہند یا سید واڑہ کی مجلس شورائی کی جانب سے بیان کر دی جاتی تو بہت ہی بہتر ہوتا اور ہم ان کے شکر گزار ہوتے۔ یا امتیوں سے اس کی بھی صلاحیت سلب کر لی گئی ہے کہ وہ کسی مسائلے میں حکماء امت کے بیان کردہ آراء و فیصلوں کے دلائل کی معرفت بھی نہیں حاصل کر سکتے اور نہ ان کو اس کا اختیار ہے۔ یہ صرف ژرف نگاہ، رمز شناس فقہاء امت و طبیبان ملت کے ساتھ مخصوص ہے؟ اگر یہی بات ہے تو یہ دین اسلام دین مبین نہیں بلکہ دین باطنی ہو کر رہ جائے گا جس میں متبعین کو بھیڑ بکریوں کی طرح اپنے متبوعین کے پیچھے آنکھ بند کر کے چلنے کا حکم دیا جاتا ہے، چوں یا چرا کی ادنی گنجائش نہیں ہوتی، اگر خدا نخواستہ ان کی زبان سے کیوں یا کیا نکل گیا تو ہلاکت و تباہی ان کے قدم چومتی ہے؟

ائمہ کرام کے بیان کردہ فقہی مسائل اور کتاب و سنت کے مابین عدم تصادم کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ عامر عثمانی نے یہ جو تحریر فرمایا ہے:

''فقہ کے بہتیرے مسائل ایسے ہوتے ہیں جو صرف بادی النظر ہی میں نہیں بلکہ

---

(۱) ماہنامہ تجلی (ڈاک نمبر)، دسمبر ۱۹۷۲ء، دیوبند۔

تھوڑے سے غور وفکر اور نقد ونظر کے بعد بھی قرآن وسنت کے خلاف محسوس ہوتے ہیں لیکن جب زیادہ امعان نظر اور تفحص اور تحقیق وتدقیق سے کام لیا جائے تو عین حق ثابت ہوتے ہیں''۔(۱)

ہم نہایت ادب سے پوچھنا چاہیں گے کہ آخر ایسی کیا ضرورت پڑ گئی جس نے بقول آپ کے ائمہ کرام کو ایسے فقہی مسائل بیان کرنے پر مجبور کر دیا کہ تھوڑے غور وفکر اور نقد ونظر کے بعد بھی وہ مخالف کتاب وسنت نظر آئیں۔ جبکہ ہونا یہ چاہئے کہ کتاب وسنت کے جن مسائل میں کچھ پیچیدگی محسوس ہوتی ہو انہیں علماء کرام اپنی فقہی بصیرت سے کام لیتے ہوئے آسان بنا کر پیش کر دیں، نہ کہ ان کے برعکس کتاب وسنت سے متصادم معلوم ہوں۔ ان کی کتاب وسنت سے موافقت جاننے کے لئے تھوڑی نہیں بلکہ بہت ہی تحقیق وتدقیق اور امعان نظر کی ضرورت پڑے۔ یہ دین کو آسان نہیں اور مشکل بنانا ہوا۔ خیر ہم علامہ عامر عثمانی کی حقیقت بیانی (؟) کو سامنے رکھ کر یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ جتنا چاہیں غور وفکر، بحث وتحقیق اور امعان نظر سے کام لے لیں لیکن امامت کے سلسلے میں فقہاء کرام کی بیان کردہ مختلف ومتنازع بلکہ متضاد ترتیبوں کی یا ان میں سے کم از کم ایک ہی ترتیب کی کتاب وسنت سے موافقت بیان کر دیں، تو ہم ان کے بہت ہی مشکور ہوں گے، اور ان شاء اللہ دین کا ایک بڑا کام ہوگا، اس پر وہ اللہ تعالی کی جانب سے اجر وثواب کے مستحق ہوں گے۔ یا یہ کہ اس کے پوچھنے کا حق بھی اسی کو ملے گا جو علامہ عامر عثمانی کی بیان کردہ صفات کا حامل ہوگا؟ اور ہما شما کو کتاب وسنت سے ان مسائل کی موافقت یا ان کے عین حق اور عین صواب ہونے کی وضاحت طلب کرنے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ تو کیا اس کو دین میں تحکم کا نام نہیں دیا جائے گا؟ جبکہ قرآن کریم جا بجا غور وفکر، تفکر وتدبر، عقل وبصیرت سے کام لینے اور عبرت ونصیحت حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انسان جب کسی مسألہ کو اس کے دلائل کے ساتھ سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی لذت اور اس کی

(۱) [illegible] دسمبر ۱۹۷[illegible]

چاشنی کچھ اور ہی ہوتی ہے، ایسی صورت میں زیادہ ذوق وشوق کے ساتھ عمل کرنے کی جد وجہد کرتا ہے۔

ساتھ ہی ہم اپنے کرم فرما حضرات سے اس بات کے بھی خواہشمند ہیں کہ وہ برائے مہربانی یہ بھی وضاحت فرمادیتے کہ کیا واضح فرمان نبوی کے ہوتے ہوئے فقہاء کرام کی ان متنازع ومختلف فیہ ترتیب کو اپنا کر اور ان کی تقلید کر کے اللہ ورسول کے احکام تک پہونچا جاسکتا ہے؟ (۱) اور کیونکر ان مختلف ومتنازع ترتیبات پر عمل ممکن ہوسکتا ہے؟ جبکہ ایک ہی ترتیب پر عمل حد درجہ دشوار معلوم ہوتا ہے۔ شاید اسے ہماری کج فہمی و کج بحثی، ضد اور منہ زوری پر محمول کیا جائے۔ لہذا اکرم فرما کر صرف ایک علامہ جباوی کی بیان کردہ ترتیب ہی پر عمل کر کے دکھلا دیں تو ہم ان کی ژرف نگاہی، رمز شناسی اور فقہی اعلیٰ بصیرت کا اعتراف کرلیں گے۔ کم از کم سید واڑہ یا از ہر ہند میں اس پر ضرور عمل کیا جاتا ہوگا، اور طلبہ کو اس کی عملی مشق بھی کرائی جاتی ہوگی۔ یہ اس بناء پر عرض کیا جارہا ہے کہ ان حضرات کی جانب سے خصوصی طور پر فقیہ سید واڑہ اور ان کے جی حضوریوں کی جانب سے بڑے شد ومد کے ساتھ تمام احادیث رسول (ﷺ) پر عمل اور ان کی تطبیق کا اہلحدیثوں سے مطالبہ کیا جاتا ہے تاکہ ان کا دعویٔ عمل بالحدیث ان کی نظر میں صحیح ثابت ہوسکے۔ چنانچہ نابالغ لڑکے کی امامت کے جواز کا فتوی فتاوی نذیریہ (۱/ ۴۰۷) سے عادت کے مطابق کتر بیونت کرتے ہوئے مولوی محمد ابوبکر غازی پوری نے اپنی ایک پوتھی میں نقل کیا ہے۔ اس فتوی میں مجیب نے حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے: حدیث میں ہے:

"وكنت أقرأهم لما كنت أحفظ، فقدموني فكنت أؤمهم وعلي بردة لي صغيرة صفراء فكنت إذا سجدت تكشفت عني، فقالت امرأة من النساء: واروا عنا عورة قارئكم، فاشتروا لي قميصا عمانيا ....." (۲)

(۱) علامہ عامر عثمانی رحمہ اللہ کا یہی کہنا ہے۔

(۲) [illegible]

یعنی: ''جو کچھ مجھے قرآن کریم سے یاد تھا اسے میں سب سے بہتر طریقے سے پڑھنے والا تھا، لہذا لوگوں نے مجھے امامت کے لئے آگے بڑھا دیا تو میں لوگوں کی امامت کیا کرتا تھا، اور مجھ پر ایک چھوٹی سی زرد رنگ کی چادر ہوا کرتی تھی سجدے میں جاتے وقت بے ستری ہو جاتی تھی، ایک عورت نے لوگوں سے کہا کہ: اپنے قاری کی شرم گاہ کو ہم سے چھپا کر رکھو، چنانچہ لوگوں نے میرے لئے ایک عمانی قمیص خرید دی.....''۔

نیش زنی کرتے ہوئے فقیہ سیدواڑہ فرماتے ہیں:

''اگر غیر مقلدین کا اس مسالہ میں مستدل یہی حدیث (اور اس کے علاوہ کوئی دوسری حدیث ان کے پاس ہے بھی نہیں (۱)) تو پھر انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس پوری

= نے اپنی سنن، کتاب الصلاۃ - باب من اُحق بالامامۃ (صحیح سنن ابی داود للالبانی ۱/ ۱۱۶) میں روایت کیا ہے، مذکورہ الفاظ ابوداود ہی کے ہیں، اس موضوع پر تفصیلی گفتگو آئندہ صفحات میں ''دعویٰ احترام صحابہ اور اس کی حقیقت'' کے عنوان کے تحت پیش کی جائے گی۔

(۱) الحمدللہ اہلحدیثوں کے پاس ایک ہی سہی حدیث رسول موجود تو ہے، اس کی صحت کو تسلیم کرنے کے بعد آپ چاہے جتنا اس میں کیڑا نکالیں، وہ ہمارے لئے دلیل بلکہ ایک قوی حجت کی حیثیت رکھتی ہے، ذرا آپ اپنے فقہاء کرام کی بیان کردہ امامت کی ترتیب پر ایک نہیں آدھی ہی حدیث پیش کر دیجئے جس میں سر سمیت عضو تناسل یا بقول آپ کے تمام اعضاء کی پیائش کی گئی ہو تو ہم بھی آپ کے بہت ہی ممنون ہوں گے، جبکہ آپکے یہاں ایسے جواں ہمت افراد کی کمی نہیں ہے جو تقلید کے ثبوت میں مبینہ طور پر ایسی آیتیں پیش کر سکتے ہیں جو متداول قرآن میں موجود نہیں ہیں، ہو سکتا ہے دیوبند کی جنتی لائبریری میں کوئی نسخہ ہو جس میں اس طرح کی آیت پائی جاتی ہو، جیسا کہ کتب حدیث کے بعض ایسے نسخے وہاں موجود ہیں جن سے ان کے بعض مخصوص مسائل کی تائید ہوتی ہے، اور جن کو بنیاد بنا کر ایک محدث کبیر نے نصوص حدیث میں تصرف بھی کیا ہے، اور ایسے بھی باہمت افراد کی کمی نہیں ہے جو اپنے امام کی منقبت اور دوسرے امام کی مذمت میں حدیث رسول بھی گھڑ کر پیش کر سکتے ہیں اور ان کے موضوع ہونے کی وضاحت وصراحت کے بعد بھی زبردست ژرف نگاہ فقہاء کرام اس کو اپنی کتابوں کی زینت بناتے ہیں۔ اور کیا کسی مسالے کے ثبوت میں ایک حدیث کافی نہیں ہے؟ اس کے لئے دسیوں، بیسیوں احادیث کی ضرورت ہوتی ہے، کیا انصاف اسی کو کہتے ہیں کہ اگر اہلحدیث کسی حدیث کو سامنے رکھ کر اس کے مطابق اپنا مسلک اور اپنی رائے بناتے ہیں اور آپ کے بقول اس کے علاوہ کوئی حدیث بھی نہیں پائی جاتی، تو قابل ملامت ٹھہرتے ہیں لیکن آپ کا حال یہ ہے کہ واضح حدیث کے ہوتے ہوئے اگر امام صاحب یا آپ کے مذہب سے تعلق رکھنے والے بعد کے علماء مبینہ طور پر اس حدیث کے خلاف کوئی فتویٰ صادر کر دیتے ہیں تو آپ کے لئے واجب القبول ہو جاتا ہے، اس پر عمل کر کے نہ صرف جنت کے آپ [illegible] بنتے ہیں بلکہ سب سے بڑے مذہبی ہونے کا ڈنکا پیٹتے ہیں۔

حدیث پر عمل کرتے ہوئے ان کا بھی یہی مذہب ہونا چاہئے کہ اگر نماز میں امام کا چوتڑ کھل جایا کرے تو بلا کراہت وہ نماز جائز ہو، اب مجھے معلوم نہیں کہ اس بارے میں ان کا مذہب کیا ہے؟ آیا چوتڑ کھلے امام کے پیچھے ان کی نماز بلا کراہت صحیح ہو جاتی ہے یا کہ نہیں، مجھے اس بارے میں صراحت نظر نہیں آئی، غیر مقلدین حضرات اس صحیح حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے ذرا اس کی وضاحت فرمادیں ہم ان کے ممنون ہوں گے"۔

اسی پر بس نہیں، بلکہ اس کے بعد بھی اپنی غضب کی ژرف نگاہی اور اعلیٰ فقہی بصیرت کا سکہ جماتے ہوئے اور اس حدیث کو موقوف کے حکم میں رکھتے ہوئے اہلحدیثوں پر اپنے زعم کے مطابق ایک دوسری کاری ضرب لگانے کی کوشش کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"اور عجیب تر بات تو یہ ہے کہ انہوں نے (اہلحدیثوں نے) اس مسألہ میں اس حدیث سے استدلال کیسے کیا؟ جبکہ ان کا اصول تو یہ ہے: "صحابہ کے افعال سے حجت قائم نہیں ہو سکتی"۔(۱)

ہم موصوف غازی پوری کی اعلیٰ فقہی بصیرت پر ان کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ انہوں نے اپنی اس بصیرت کو اپنے مذہب کی فقہی کتابوں کے مطالعہ سے چار چاند لگا دیا ہے، طہر متخلل اور حلالہ کے مباحث کی گردان سے اپنی عقل کے چودھویں طبق کو بھی روشن کر ڈالا ہے۔ موصوف کو حدیث کی ایک روایت میں لفظ "است" (جس کے معنی سرین کے ہیں) مل گیا اور اسے ایسا لے اڑے کہ مکمل حدیث پر غور کرنے اور یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی کہ آیا یہ حدیث موقوف ہے یا مرفوع کے حکم میں ہے؟ حدیث میں وارد لفظ "است" کو لیکر اہلحدیثوں کی نیش زنی کرنے بیٹھ گئے۔ لیکن اپنے فقہاء کرام کے یہاں مستحق امامت کے مراتب کی تحدید و تعیین میں بیوی کی خوبصورتی اور حسن و جمال سمیت آلہ تناسل کی لمبائی چوڑائی کی پیمائش پر کسی قسم کا عار یا شرمندگی نہیں محسوس ہوئی، بلکہ غلط طریقے سے اس کا دفاع کرنے بیٹھ گئے۔

---

(۱) مسائل غیر مقلدین (ص ۱۷۹-۱۸۲)

قارئین کرام! ملاحظہ فرمائیں کتنی جرأت اور دیدہ دلیری کے ساتھ ایک حدیث کے ساتھ مخول اور استہزاء کو روا رکھا گیا ہے۔ اگر یہی موقف ان کے کسی امام یا عالم کے فتوی اور ان کی رائے کے ساتھ اختیار کیا جائے تو قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ بلکہ ادب واحترام کے دائرہ میں رہ کر محض نقد وتبصرہ سے کام لیا جائے تو بھی اس کو برداشت کرنے کی ان کے اندر استطاعت نہیں ہے۔ بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ جیسے امیر المومنین فی الحدیث کو بھی بدظنی کا شکار، عدم فہم سے متصف قرار دیتے ہوئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال وآراء پر ان کے نقد وتبصرہ کو بے بنیاد، انتہائی غلط، اور لغو بدظنی پر محمول کیا جاتا ہے۔(۱)

بات طویل ہوتی جارہی ہے، آیئے ذرا مذکورہ ترتیب پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈال کر اس کی حقیقت واہمیت سے بھی آگاہی حاصل کر لی جائے۔

مستحق امامت کے مراتب اور اس کے درجات کی ترتیب میں فقہاء کرام نے حدیث رسول کی موافقت کی یا مخالفت؟ اس کا فیصلہ بقول عامر عثمانی ہما شما کا کام نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے اللہ تعالی اپنے کچھ خاص بندوں کو پیدا فرمائے گا جو مخصوص صفات کے حامل ہوں گے۔ فی الوقت ایسے لوگوں کا وجود روئے زمین پر نہیں ہے۔ لیکن ترتیب میں جس الٹ پلٹ، ہیر پھیر اور تغیر وتبدل سے کام لیا گیا ہے وہ بھی کم تعجب خیز نہیں ہے۔ پھر بھی ہم اس اختلاف اور الٹ پھیر کو فی الحال نظر انداز کرتے ہوئے جن چیزوں کو ترتیب میں بنیاد بنایا گیا ان پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں وہ حد درجہ مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہیں، اور ان میں کوئی ربط نہیں دکھائی دیتا۔ امامت میں امام کے حسن وجمال اور اس کے چہرہ کی خوبصورتی کا کیا دخل ہے؟ کہیں صوفیاء کرام کی جانب سے پیش کی جانے والی من گھڑت اور موضوع حدیث النظر الی الوجہ الحسن یجلو البصر (۲) کی تاثیر تو نہیں؟ حالانکہ ارشاد ہوں ہے۔

ان اللہ لا ینظر إلی صورکم وأموالکم، ولکن ینظر إلی قلوبکم

(۱) ملاحظہ ہو ماہنامہ تجلی دیوبند (ڈاک نمبر) ۱۹۶۲ء۔

(۲) ملاحظہ ہو: ...

وأعمالكم " (۱)

یعنی: ''اللہ تعالی تمہاری شکل وصورت اور تمہارے مال ودولت کونہیں دیکھتا ہے بلکہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے''۔

بعض فقہاء کرام نے اعلی ژرف نگاہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خوبصورت وحسین وجمیل چہرے والے امام کا فلسفہ بیان کیا ہے، چنانچہ ایک صاحب لکھتے ہیں:

" لأن صباحة الوجه سبب لكثرة الجماعة " (۲)

''یعنی چہرہ کی خوبصورتی جماعت میں کثرت شرکت کا سبب ہے۔

دوسرے صاحب لکھتے ہیں:

" لأن حسن الصورة يدل على حسن السريرة ، لأنه مما يزيد الناس رغبة في الجماعة " (۳)

یعنی: چہرے کی خوبصورتی اور اس کا حسن وجمال طبیعت کی عمدگی اور نیت کی صفائی وپاکیزگی کی دلیل ہے، اس سے لوگوں کے اندر جماعت میں شرکت کا شوق بڑھتا ہے۔

گویا نماز پڑھنا نہیں بلکہ امام صاحب کے حسن وجمال سے لطف اندوز ہونا مقصود ہے۔ کاش اسی کے ساتھ حسن وجمال کے معیار، اور اس کے قطعی فیصلہ کا اختیار کس کو ہوگا اس کا بھی ذکر کردیا گیا ہوتا۔

امام صاحب کے حسن وجمال اور ان کی خوبصورتی پر معاملہ ختم نہیں ہوتا بلکہ اس کے

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم ظلم المسلم (۴/۱۹۸۶-۱۹۸۷ نمبر ۲۵۶۴)

(۲) رد المختار (۲/۲۵۲، ط: دار احیاء التراث العربی بیروت)، ملحوظ رہے کہ ''اکثرھم'' کی تشریح کرتے ہوئے صاحب الدر المختار لکھتے ہیں: " أي أكثرهم تهجدا " یعنی سب سے خوبصورت چہرے والے سے مراد بہت زیادہ تہجد پڑھنے والا ہے اس کو ابن عابدین تفسیر بالملزوم کا نام دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''کثرت تہجد سے چہرے کی رونق لازم آتی ہے'' اور اس پر ایک ضعیف حدیث بطور دلیل پیش کرتے ہیں، اس کے بعد بعض مصادر کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس کو اس کے ظاہر پر ہی باقی رکھا جائے گا'' اس کے بعد مذکورہ کلام ذکر کیا ہے۔

(۳) مراقی الفلاح (ص ۱۷۴، ۱۷۵)

بعدان کی بیوی بھی مقتل پر لائی جاتی ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: اگر امیدوارانِ امامت سابقہ تمام اوصاف میں برابر ٹھہریں تو جس کی بیوی سب سے زیادہ حسین وجمیل ہوگی اس کو امامت کے منصب پر فائز کیا جائے گا۔

اس میں کیا ژرف نگاہی اور اعلیٰ فقہی بصیرت پوشیدہ ہے اس سے پردہ اٹھاتے ہوئے ایک نہایت معتبر اور بلا کی ذہانت کے حامل فقیہ لکھتے ہیں:

"لأنه غالبا يكون أحب لها و أعف لعدم تعلقه بغيرها" (۱)

یعنی: عموماً ایسا شخص اپنی بیوی پر زیادہ فریفتہ اور کسی دوسری عورت سے لاتعلق ہونے کی بناء پر زیادہ عفت اور پاکدامنی سے باوصف ہوتا ہے۔

لیکن ایسے شخص کی تعیین وتحدید کیونکر ہو سکتی ہے؟ مذکورہ فقیہ اس کا طریقہ بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"هذا ما يعلم بين الأصحاب والارحام أو الجيران، إذ ليس المراد أن يذكر كل منهم أوصاف زوجته حتى يعلم من هو أحسن زوجة" (۲)

یعنی: یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو ساتھیوں، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے مابین معلوم ومعروف ہوتا ہے (یعنی کس کی بیوی حسین وجمیل ہے) اس سے یہ نہیں مقصود ہے کہ ہر شخص امیدواران امامت میں سے اپنی بیوی کے ناک ونقشہ کو واضح کرے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ کس کی بیوی حسن وجمال کا پیکر ہے۔

یہاں بھی فقیہ محترم کی ژرف نگاہی اور اعلیٰ ترین فقہی بصیرت ٹھوکر کھا جاتی ہے، چنانچہ یہ نہیں واضح کیا گیا کہ حسن وجمال کا کیا معیار ہوگا؟

سب سے بڑھ کر مضحکہ خیز امر وہ ہے جس میں سب سے بڑے سر والے کو مقدم

---

(۱) ردالمحتار (۲/۲۵۲)

(۲) [illegible]

کرنے کی بات کہی گئی ہے۔

بڑے سر والے کو مقدم کرنے کا فلسفہ اسی کتاب میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے:

" لأنه يدل على كبر العقل ، يعني مع مناسبة الأعضاء له و الا فلو فحش الرأس كبرا والأعضاء صغرا كان دلالة على اختلال تركيب مزاجه لعدم اعتدال عقله " (١)

یعنی سر کا بڑا ہونا زیادتی عقل کی علامت ہے، (۲) لیکن دیگر اعضاء کے ساتھ اس کا تناسب برقرار رہے، ورنہ اگر سر بہت بڑا ہو اور دیگر اعضاء بہت چھوٹے ہوں تو یہ اس کے مزاج کی ناہمواری کی علامت ہوگی جو اس کے عقل کی بے اعتدالی کو مستلزم ہے۔

اس حقیقت سے موصوف غازی پوری جیسے بڑے سر والے ہی پردہ ہٹا سکتے ہیں، اور انہی کو اس کا حق بھی پہونچتا ہے کہ بڑے سر والے لازمی طور پر کافی عقلمند ہوتے ہیں۔

بہر حال سابقہ تمام امور کو حلق سے نیچے اتارا جا سکتا ہے خواہ اس میں کتنی ہوا خیزی اور مضحکہ پن پایا جاتا ہو، لیکن اس بڑے سر والے " ثم الأكبر رأسا " کے ساتھ ایک مزید دم چھلہ لگا ہوا ہے، جو کسی طرح کسی بھی انسان کے حلق سے اترنے والا نہیں ہے۔ چونکہ مسلک احناف کی کتابوں میں یہ چیز مذکور ہے اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہ غازی پوری صاحب کے حلق سے ضرور اترے گا اور بآسانی اترے گا۔ ورنہ ہم ان کے بارے میں بھی یہی حسن ظن رکھتے ہیں کہ وہ بھی اس کو بآسانی حلق سے نہیں اتار سکتے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ مختلف تاویلات کے ذریعہ زبردستی اس کو دوسرا معنی پہنانے کی کوشش کر رہے ہیں جس کی تائید نہ تو کتب لغت سے ہوتی ہے، نہ ہی ان کی نحو میر اور ہدایت النحو سے اور نہ ہی سیاق وسباق سے، بلکہ ان کے اعلیٰ ژرف نگاہ فقہاء کرام نے بھی وہی معنی متعین کیا ہے جس کو عام لوگوں نے سمجھا ہے، اور وہ ہے " والأصغر عضوا " یعنی جس امام صاحب کا سر سب

---

(۱) رد المختار (۲/۲۵۲)

(۲) ہو سکتا ہے اس کے سر میں گودا زیادہ ہوتا ہو، اور شاید یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے: "سر بڑا سردار کا"۔

سے بڑا ہو اور اسی کے ساتھ ان کا عضو خاص سب سے چھوٹا ہو۔ عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے اس فقرہ کا یہ معنی متعین کرنے کی کوشش کی جاتی ہے:

" والأصغر عضوا " میں عضو سے مراد سر کے علاوہ بقیہ اعضاء بدن ہیں نہ کہ عضو مخصوص، اس لئے کہ " الأكبر رأسا والأصغر عضوا " ملا کر ایک حال بنتا ہے، ظاہر ہے سر کا بڑا ہونا اسی وقت محسوس ہوگا جبکہ بقیہ تمام اعضاء کے مقابلہ میں اس کی بڑائی بادی النظر میں محسوس ہو، نہ کہ ایک خاص عضو سے تقابل مقصود ہوگا"۔(۱)

موصوف غازی پوری چاہے جتنی زبردست ژرف نگاہی، اعلیٰ فقہی بصیرت اور بلا کی ذہانت سے متصف ہوں اور چاہے جس سے اس کا معنی نقل کریں، ان کا بیان کردہ مذکورہ معنی کسی اعتبار سے درست نہیں ہے۔(۲) جہاں تک تقابل اور موازنہ کی بات ہے تو یہ آپ کی فقہ دانی کی زبردست اچھوتی نایاب مثال ہے کہ آپ نے امام صاحب کے سر اور ان کے عضو خاص یا دیگر اعضاء کے مابین تقابل سمجھ لیا ہے حالانکہ یہاں شروع سے ہی امیدواران امامت کے مابین تقابل کی بات کہی جا رہی ہے۔ لہذا اس فقرہ میں بھی سر اور عضو خاص یا بقول غازی پوری دیگر اعضاء میں امیدواران امامت کے مابین تقابل کی بات کہی گئی ہے۔ اگر اسی قسم کی بات کوئی اہلحدیث عالم لکھ دیتا تو اسے نحو میر و ہدایت النحو کا درس دینے بیٹھ جاتے، اور جہالت کا سرٹیفکیٹ عنایت کرتے۔ بہر حال یہ ان کے اپنے مذہب کی بات ہے چاہے جس طرح عبارتوں کا کان مروڑیں اور چاہے جو معنی متعین کریں ان کو مکمل اجازت ملی ہوئی ہے اہلحدیثوں کو چت کرنے کے لئے۔ اور ان کی عداوت میں اکابرین نے ان کو کھلی چھوٹ اور مکمل آزادی دے رکھی ہے ہر قسم کا حربہ اور ہر طرح کے وسائل استعمال کرنے کے لئے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کبھی بھی وہ یہ اچھوتا معنی نہ بیان کرتے، اور صحیح معنی بیان کرنے والے کی فقہ دانی کو ہدف ملامت نہیں بناتے۔ کیونکہ اگر علامہ حصکفی

---

(۱) زمزم غازی پور، ج ۱ ش ۶ (ص ۴۲)

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: سیف محمدی (ص ۸۵ طبع جدید مئو)

یا علامہ شامی نے اس معنی کی نفی کی ہے تو متعدد دوسرے فقہاء کرام نے وہی معنی متعین کیا ہے جس کی انہوں نے نفی کی ہے۔

چنانچہ علامہ جباوی متعلقہ فقرہ کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عضو کا چھوٹا ہونا امام صاحب کی عفت و پاکدامنی کی دلیل ہے''۔(۱)

اب موصوف غازی پوری ہی بتلا سکتے ہیں کیونکہ وہ اس طرح کے امور میں کافی مہارت رکھتے ہیں۔ اگر کسی نے کسی کو احتراماً (والدنا) کہہ دیا تو فوراً اس کی ماں اور جس کو والدنا کہا گیا دونوں کے درمیان رشتہ کی نوعیت معلوم کرنے لگتے ہیں۔ حدیث میں لفظ ''است'' آ گیا تو چمک چمک کر لفظ ''چوتڑ'' سے ترجمہ کرتے اور اہلحدیثوں سے چوتڑ کھلے امام کی نماز کے متعلق فتوی دریافت کرتے ہیں، احترام صحابہ کا دعوی بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔ بہر حال وہی بتلا سکتے ہیں ان کے بیان کردہ اوصاف کا حامل امام پاکدامن ہوگا یا نومشقیے مضمون نگار ڈاکٹر محمد یونس (جن کا بقول غازی پوری مطالعہ محدود، فکر سطحی، ذہن آلودہ قلب مریض اور قلم بے باک ہے (۲) کے بیان کردہ اوصاف کے حامل امام صاحب عفت و پاکدامنی سے باوصف ہو سکتے ہیں۔ اگر اس سے تشفی نہیں ہوتی تو آیئے حاشیہ الطحاوی پر ایک نظر ڈال لیجئے، آپ نے تو اس کا ورد کیا ہی ہوگا۔ بطور تذکیر عرض کیا جا رہا ہے۔ لکھتے ہیں:

" فسره بعض المشايخ بالأصغر ذكرا لأن كبره الفاحش يدل غالبا على دناءة الأصل " (۳)

یعنی بعض مشائخ نے اس کی تشریح سب سے چھوٹے ذکر (آلہ تناسل) والے سے کی ہے، کیونکہ اس کا بہت بڑا ہونا عموماً دناءت اصل (کمینگی) کی علامت ہے۔

---

(۱) رفیق الاسفار (ص۴۳، ۴۴) منقول از بدعۃ التعصب المذھبی (ص۱۹۳)

(۲) شاید بروقت موصوف غازی پوری کی یادداشت نے اتنا ہی ساتھ دیا ورنہ ان کی مہذب ڈکشنری میں سب وشتم اور دشنام طرازی کے اور بھی الفاظ پائے جاتے ہیں۔

(۳) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح (ص۱۷۵)

ظاہری بات ہے بعض مشائخ سے امام بخاری رحمہ اللہ یا دیگر محدثین جن کی مثال عطارین کی ہے اور جو سطحی فکر کے حامل ہوتے ہیں اور ان میں گہرائی وگیرائی نہیں ہوتی، نہیں مراد ہو سکتے کہ علامہ عامر عثانی جیسے اہل علم حضرات کو یہ کہنے کا موقع مل جائے کہ محدثین کی مثال عطارین کی ہے جو جڑی بوٹیوں کو جانتے ہیں ان کو حفاظت سے رکھتے ہیں لیکن ان کو امراض کی تشخیص کی صلاحیت اور ان کے علاج کا علم نہیں ہوتا، یا یہ کہ ان کے یہاں ژرف نگاہی اور فقہی بصیرت نہیں پائی جاتی، لہذا وہ اس قول کی گہرائی کو سمجھ نہیں پائے۔ بلکہ یہ مشائخ خود مسلک احناف سے تعلق رکھنے والے بقول علامہ عامر عثانی زبردست ژرف نگاہ، بلا کے ذہین، موقف کی نزاکتوں، استدلالات کی گہرائیوں اور فقاہت کی باریکیوں سے پوری طرح واقف حضرات ہیں۔ اللہ معلوم ان کے بیان کردہ معنی اور ان کی تشریح پر موصوف غازی پوری کیا لب کشائی فرماتے ہیں؟ یہی معنی بیان کرنے پر موصوف نے ڈاکٹر محمد یونس ارشد صاحب کو مطالعہ کی محدودیت، فکر کی سطحیت، ذہن کی آلودگی، قلب کی بیماری اور قلم کی بے باکی جیسے مہذب القاب وآداب سے نوازتے ہوئے اپنے مطالعہ کی وسعت، فکر کی بلندی، ذہن کی پاکیزگی، قلب کی صحت اور قلم کی شائستگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اگر ان کو فقہاء کرام کی ان تصریحات سے اطمینان نہیں ہوتا تو اسی معنی ومفہوم کی تائید کے لئے حاشیۃ الطحطاوی کی یہ عبارت بھی ملاحظہ فرمالیں:

"ومثل ذلك لا يعلم غالبا الا بالاطلاع أو الاخبار، وهو نادر"(۱)

''اور اس قسم کی باتیں عموماً اطلاع یا کسی کی خبر کے ذریعہ ہی جانی جا سکتی ہیں، اور یہ نادر الوقوع بات ہے''۔

کیا اس کے بعد بھی یہ کہنے کی ضرورت یا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ عضو سے مراد اردو کا عضو خاص نہیں بلکہ عربی کے عام اعضاء مراد ہیں، جو مطلع ہوئے بغیر یا کسی کے بتلائے

(۱) حاشیۃ الطحطاوی (ص ۵۷)

بغیر جانے نہیں جا سکتے ہیں۔

میرے خیال میں اس کے بعد موصوف غازی پوری کو اپنے بیان کردہ معنی پر اصرار نہیں ہوگا اور نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس کے بعد تو صرف ایک ہی طریقہ بتلانے کا باقی رہ جاتا ہے، جس کو وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔

اگر مذہبیت اسی کو کہتے ہیں تو اس قسم کی مذہبیت سے اللہ تعالی ہمیں اپنی پناہ میں رکھے، آمین۔

۲۔ فقہی موشگافی

مذہبیت کا ایک دوسرا نمونہ ملاحظہ فرمانے کے لئے قارئین اپنے ذہن و دماغ کو آمادہ اور تیار رکھیں کیونکہ آنے والی مثال کچھ اسی طرح کی ہے کہ اگر ہم نے پہلے سے ذہنی طور پر اپنے آپ کو تیار نہیں رکھا تو اس کے سننے کی تاب اپنے اندر نہ پائیں گے۔ ملاحظہ ہو:

شیخ ابراہیم باجوری شافعی مذہب کے ایک زبردست عالم ہیں، شرح ابن قاسم پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے "غسل واجب" کے باب میں رقم طراز ہیں:

"اگر کوئی شخص اپنے عضو تناسل کو دو حصوں میں الگ الگ تقسیم کر کے ایک حصہ کو ایک بیوی دوسرے حصہ کو دوسری بیوی کی فرج میں داخل کر دے تو اس شخص پر غسل واجب ہو جائے گا نہ کہ ان دونوں بیویوں پر"۔

اسی پر بس نہیں بلکہ تحقیق و اجتہاد کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:

"اگر ایک حصہ کو بیوی کے قبل میں دوسرے حصہ کو اس کے دبر میں داخل کرتا ہے تو دونوں پر غسل واجب ہو جائے گا"۔

قارئین اگر اس قسم کی لچر باتوں سے کسی طرح کا انقباض محسوس کرتے ہوں تو معاف رکھیں، ہم مجبور ہیں ان باتوں کے ذکر پر، تاکہ مذہبیت کے دعویداروں کے دعویٰ

مذہبیت کی حقیقت واشگاف ہو کر قارئین کے سامنے آجائے، اور یہ جان لیں کہ ہماری مخالفت اسی قسم کی مذہبیت کے ساتھ ہے۔ ابھی تو کچھ بھی ذکر نہیں ہوا، مزید سنئے اور سر دھنئے، فقیہ موصوف فرماتے ہیں:

''اگر کوئی شخص کسی عورت کی شرمگاہ میں داخل ہو گیا تو مرد وعورت دونوں پر غسل واجب ہو جائے گا، کیونکہ اس سے فرج میں دخولِ حشفہ (عضو تناسل کا اگلا حصہ) ثابت ہو گیا، اور ضمناً عورت کے فرج میں خود اس شخص کے داخل ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا''۔

ذرا رکیئے، اس کے بعد بھی ایک شکل باقی رہ جاتی ہے اسے بھی سماعت فرمالیجئے، اور مذہبیت کی داد دیجئے، فرماتے ہیں:

''اگر کوئی شخص اپنے ذکر کو اپنی دبر میں داخل کرے تو اس پر غسل واجب ہو جائے گا''۔(۱)

اس طرح کی اخلاق سوز، شرم وحیاء سے عاری باتوں کے بارے میں کیا یہ کہنا ممکن ہوگا کہ شریعت محمدیہ کے یہ احکام ہیں؟ اللہ معلوم ابوبکر غازیپوری اور ان کی ہمنوا جماعت کے لوگ جنہوں نے اپنی مذہبیت کا علم بلند کر رکھا ہے ان مسائل کے بارے میں کیا موقف اپناتے اور ان کو کیا نام دیتے ہیں۔ ان کے اپنے قاعدے کی رو سے ہم یہی سمجھتے ہیں کہ ان کو منزل من اللہ کا درجہ دیتے ہوں گے۔ اگر منزل من اللہ نہیں تو دین محمدی کے احکام کی حیثیت ضرور ہی حاصل ہوگی۔ کیونکہ اسی طرح کے مسائل پر جب اعتراض کیا جاتا ہے یا ان کی مخالفت کی جاتی ہے تو ان لوگوں کا پارہ بالکل آخری حد تک چڑھ جاتا ہے، اور اس کو ائمہ کرام کی گستاخی اور بے ادبی پر محمول کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر فقہاء متأخرین کی ذہنی اپج ہے۔ جب ان کے پاس کرنے کے لئے کچھ نہیں بچا تو انہوں نے اپنے آپ کو اسی قسم کی موشگافیوں میں مشغول رکھنے کی کوشش کی۔ ان کی نسبت ائمہ کرام رحمہم اللہ کی طرف کسی طرح سے بھی ہم جائز اور درست نہیں سمجھتے۔ فقہاء متأخرین (اللہ ان کو جزائے خیر عطا

---

(۱) حاشیۃ الباجوری علی ابن قاسم (۱/۷۲-۷۴)

کرے) جو کچھ بھی کیا، کیا ہم ان کی باتوں کے مکلف ہیں، اور کیا اس طرح کی مستحیل اور ناممکن باتوں کی تعلیم و تعلم سے ہم کچھ حاصل کر سکتے ہیں؟ جن کے ذکر ہی سے انسان کا سر مارے شرم کے جھک جائے۔ ہم اسے عبث اور بے کار سمجھتے ہیں، چہ جائیکہ ان کو دین کا جزء قرار دیں۔ ہو سکتا ہے ابو بکر غازی پوری جیسے لوگ ان کی گردان سے اپنے ذہن و دماغ کو جلا بخشتے ہوں۔ یہ ان کو اختیار ہے۔ لیکن یہ حق ان کو ہرگز ہرگز نہیں حاصل ہے کہ اگر کوئی ان باتوں کو تسلیم نہ کرتا ہو تو اسے بے دین، آزاد مشرب اور لا مذہب جیسے ناموں سے موسوم کریں۔

یہ بھی واضح کر دینا مناسب ہوگا کہ اس قسم کے مسائل کی نسبت ائمہ متبوعین کی جانب کسی طرح مناسب اور درست نہیں ہے۔ اگر فقہ کی کتابوں میں کوئی مسألہ ان کے حوالے سے مذکور بھی ہو پھر بھی ان کے مقام و مرتبہ اور ان کی جلالت علمی کے پیش نظر ہم ان کو ان باتوں سے بہت ہی بلند و بالا تصور کرتے ہیں۔ جب رسول اکرم ﷺ کی عظمت اور علو مرتبت کا پاس نہیں رکھا گیا اور آپ کی وعید شدید کے باوجود امت کے سادہ لوح یا غرض مند لوگوں نے بہت سی باتیں گھڑ کر آپ کی جانب منسوب کر دیں تو امت کی دیگر ہستیاں کیونکر محفوظ رہ سکتی ہیں۔ ایسی صورت میں ہمارا فریضہ بنتا ہے کہ نہ صرف شریعت اسلامیہ کو ایسی انہونی باتوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں بلکہ ائمہ کرام کی جانب ان کی نسبت سے بھی گریز کریں۔

اس قسم کی گھناؤنی اور انسانیت سوز باتیں ـــــــ خواہ ان پر مذہبیت کا کتنا ہی بڑا خول کیوں نہ فٹ کر دیا جائے ـــــــ کوئی صاحب عقل سلیم کیا، چرس اور بھانگ کا رسیا بھی نہیں سوچ سکتا۔ ان کے وقوع کی بات تو بہت دور کی ہے، اگر بفرض محال واقع بھی ہو گئیں تو کیا ایسے لوگوں کے لئے غسل جنابت کے واسطے پانی فراہم کیا جائے گا یا اس قماش کے لوگوں کو دنیا سے رخصت کرنے کی سبیل سوچی جائے گی؟

یہاں غازی پوری اور ان کے ہم نوا کہہ سکتے ہیں کہ سابقہ مسألہ ہمارے مذہب کا

نہیں ہے بلکہ دوسرے مذہب کا ہے۔ان کا یہ کہنا درست ہے لیکن مذہبیت (تقلید) میں آپ ان کے برادر کلاں کی حیثیت رکھتے ہیں،اور اپنی کثرت دکھلانے کے لئے ان کو اپنے ساتھ شامل بھی مانتے ہیں۔اور ہمارا مقصد مذہبیت کی حقیقت کو واضح کرنا ہے اس سے قطع نظر کہ وہ کس مذہب ومسلک سے متعلق ہے۔مسلک احناف کی کتابیں بھی اس قسم کی موشگافیوں سے خالی نہیں ہیں۔سابقہ سطور میں بعض مثالیں پیش کی جا چکی ہیں۔مزید ایک مثال ملاحظہ ہو:

۳-خانہ کعبہ اصحاب کرامت کی زیارت پر

علامہ ابن عابدین اپنے حاشیہ ''ردالمحتار علی الدر المختار شرح تنویر الأبصار'' میں لکھتے ہیں:

''بحر میں متعدد فتاوی سے منقول ہے کہ خانہ کعبہ جب اپنی جگہ سے اصحاب کرامت لوگوں کی زیارت کے لئے چلا جائے تو ایسی صورت میں خانہ کعبہ کی زمین کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھنا جائز ہے'' (۱)

اللہ معلوم اس قسم کی انہونی باتوں کے ذکر سے قلم کی سیاہی خشک کیوں نہیں ہوئی؟ کیا یہ بھی ممکن ہے کہ خانہ کعبہ اصحاب کرامت بزرگوں کی زیارت کے لئے اپنی جگہ سے حرکت کرے،اور اس کی عمارت مکمل طور پر اپنی جگہ سے غائب ہو جائے۔؟اگر اس طرح کی بات ممکن ہو سکتی تھی تو رسول اکرم ﷺ (جن سے سچی عقیدت ومحبت اور بقول ان کے سچا عشق انہی کو حاصل ہے) سے بڑھ کر صاحب کرامت بزرگ اور کون ہو سکتا ہے؟ حدیبیہ کے موقع پر جب کفار مکہ نے آپ کو عمرہ اور خانہ کعبہ کی زیارت سے روک دیا تھا اور اس کے لئے بظاہر تنازل اختیار کر کے ان سے آپ کو صلح ومصالحت کرنی پڑی اور آئندہ سال جا کر آپ کو خانہ کعبہ کی زیارت اور بطور قضاء عمرہ کی ادائیگی نصیب ہوئی،تو کیوں نہیں خانہ کعبہ چل کر حدیبیہ کے مقام پر آ گیا اور آپ ﷺ کو اپنی زیارت کروا دی؟ یہ لوگ بزرگوں

---

(۱) ۱/۲۰۰ المطبعۃ الامیریۃ (۱/۲۰۰ طبعۃ جدیدۃ)

کے ادب واحترام اوران کی توقیر وتعظیم میں اتنا زیادہ مبالغہ کر جاتے ہیں کہ مقام نبوت کا بھی انہیں ہوش نہیں رہ جاتا۔ چنانچہ ان کے کچھ بزرگ ایسے بھی ہیں جن کے قدم حضور ﷺ سے بھی آگے نکل جاتے ہیں یا جن کے قلم عرش کے پرے چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، یا اپنے مریدوں کی نجات کے لئے طول طویل مسافت طے کر کے چشم زدن میں وسط سمندر میں پہونچکر انہیں ہی نہیں، بلکہ پورے جہاز کو مسافرین سمیت بچا لیتے ہیں۔ لیکن رسول اکرم ﷺ کو یہ مقام نہیں حاصل ہو سکا کہ آپ حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کو کفار مکہ کی قید سے سے نجات دلا سکیں یہاں تک کہ انہیں ہفتہ عشرہ قید میں رکھنے کے بعد قتل کر دیا گیا یا اپنے جان نثار صحابہ میں قراء کرام کی اس پاکیزہ جماعت کو بچا سکیں جس کو نہایت ہی سفاکانہ طریقے سے حالت سجدہ میں شہید کر دیا گیا تھا، جس پر آپ اتنے زیادہ رنجیدہ ہوئے کہ ان کے معصوم خونوں سے اپنے ہاتھوں کو رنگنے والے قبائل پر مسلسل ایک ماہ تک لعنت بھیجتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ رب العزت کی جانب سے ممانعت آ گئی۔

ان حضرات کی اسی قسم کی انہونی باتوں پر نکیر ان کے لئے سوہان روح بن جاتی ہے۔ چنانچہ معمولی نقد وتبصرہ بھی ان کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتا ہے۔ خواہ ان باتوں میں کتاب وسنت سے شدید مخالفت کیوں نہ پائی جاتی ہو، کیونکہ ظاہر بیں اور واہمہ پرست لوگوں کو کتاب وسنت سے مخالفت بڑی جلدی نظر آ جاتی ہے لیکن ان باطن بیں، دوررس نگاہوں اور اعلی فقہی بصیرت وبصارت کے حاملین فقہاء جو حقیقت میں رمز شناس اور مرض شناس ہوتے ہیں اپنے گہرے امعان ونظر اور بہت زیادہ تحقیق وتدقیق کے بعد اس قسم کی انہونی اور عقل سلیم سے بالاتر باتوں کو بھی کتاب وسنت کے موافق اور عین صواب پاتے ہیں۔ لہذا اس قسم کی غیر معقول باتوں پر نکیر کرنے والوں کو دین کی صحیح معرفت اور کتاب وسنت کے صحیح تفقہ سے عاری اور نابلد تصور کرتے ہیں۔ خواہ وہ امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری کی ہی شخصیت کیوں نہ ہو۔ بلکہ فتنوں اور ضلالات وگمراہیوں کا باعث قرار دیتے ہیں۔ ہم مسکین لوگ اس قسم کی باتوں کو بوالعجبی کے سوا اور کیا نام دے سکتے ہیں، جن میں دین کے صاف ستھرے مسائل کو چوں چوں کا مربہ بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔

۴- مذہبیت (تقلید) کی کرشمہ سازی: کتاب الحیل

مذہبیت (تقلید) کی بنیاد پر لکھی گئی فقہ کی بیشتر کتابیں جن ابواب و کتب پر مشتمل ہوتی ہیں ان میں ایک اہم اور خاص باب یا کتاب ''باب الحیل'' یا ''کتاب الحیل'' سے بھی موسوم ہے۔لفظ ''الحیل'' حیلۃ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: ہوشیاری، دور بینی، تصرف کی قوت۔ یہ لفظ ''حال تحیل'' سے بنا ہے، جس کے ایک معنی ہیں ''بدلنا''۔ چونکہ اس کے ذریعہ شریعت کے بہت سے مسائل میں اصلی حکم کو ہوشیاری، دور بینی اور تصرف کی قوت بروئے کار لاکر تبدیل کر دیا جاتا ہے اسی وجہ سے اسے کتاب الحیل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔(۱)

لیکن علامہ ابن القیم اس کو لفظ ''تحوّل'' سے مشتق مان کر حَول کو اصل مادہ قرار دیتے ہیں، اور حیلہ کی لغوی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عمل اور تصرف کی ایسی قسم کو حیلہ کہتے ہیں جس کے ذریعہ اس کا مرتکب ایک سے دوسری حالت میں منتقل ہو جاتا ہے''۔ پھر مزید لکھتے ہیں: ''پھر اس کا استعمال عرف میں ایسے پوشیدہ طریقوں کے اختیار کرنے میں عام ہو گیا جن کے ذریعہ آدمی اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور اس کو کافی ذہانت اور ہوشیاری کے ذریعہ ہی جانا جا سکتا ہے۔'' (۲)

مزید ہوشیاری کا ثبوت دیتے ہوئے اس میں ''الشرعیۃ'' کی صفت کا اضافہ کر کے اسے مکمل شرعی حیثیت دیدی جاتی ہے اور منزل من اللہ کا نام دے دیا جاتا ہے حالانکہ اس کا مقصد شرعی احکام سے راہ فرار اختیار کرنا ہوتا ہے۔ اسلام کو یا اسلامی تعلیمات کو دین کے نام پر جتنا نقصان پہونچایا گیا ہے اور اس کے صاف وشفاف چہرہ کو داغدار بنانے کی کوشش کی گئی ہے شاید ہی کسی اور ذریعہ اور وسیلہ سے نقصان پہونچا گیا ہو اور اس کو داغدار بنانے

(۱) ملاحظہ ہو: المعجم الوسیط (۱/۲۰۸) مصباح اللغات (ص ۱۸۶)

(۲) اعلام الموقعین (۳/۱۰۰۶) (طبع مطابع الفاروق القاھرۃ)

کی کوشش کی گئی ہو۔ چنانچہ متصوفہ کی ایک جماعت اٹھی اور متعدد غیر اسلامی اصطلاحات (فنا فی اللہ، وصول إلی اللہ، جذب وغیرہ) ایجاد کر کے شرعی تکالیف کے سقوط کا دعویٰ کیا۔ جس نے مذکورہ مقامات تک رسائی حاصل کر لی اس سے سارے احکام اٹھ جاتے ہیں، شریعت کے کسی حکم کی پابندی اس کے لئے باقی نہیں رہ جاتی۔ نہ اس پر پنج وقتہ نماز فرض ہوتی ہے، نہ روزہ، زکوۃ اور حج فرض ہوتے ہیں اور نہ کوئی دیگر عبادت۔ ساری قیود سے آزاد ہو جاتا ہے۔ حتی کہ ایک مقام پر وہ کپڑے اور لباس سے بھی آزاد ہو کر نہ صرف حلال وحرام، محارم وغیر محارم کے درمیان تفریق کی صلاحیت کھو دیتا ہے بلکہ انسان وحیوان کی تمیز بھی اس کے یہاں باقی نہیں رہ جاتی، اور سر عام جانوروں کے ساتھ اپنی جنسی خواہش کو پورا کرنے میں ہتک محسوس نہیں کرتا۔ اور عجیب وغریب بات یہ ہے کہ جو شخص اپنی فطرت کو مسخ کرنے میں بے حیائی اور جرأت علی اللہ کا مظاہرہ کرنے میں جتنا زیادہ آگے بڑھا ہوا ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ اسے ولایت، بزرگی اور فنا فی اللہ میں مقدم اور بڑھا ہوا مانا جاتا ہے۔ اور یہ سارا عمل اس تصوف کے نام پر انجام دیا جاتا ہے جسے بڑے بڑے بزرگ اور اہل دانش وبینش تزکیہ نفس کا نام دیتے ہیں۔ تہذیب اخلاق اور درستگی کردار کا مؤثر ذریعہ اور وسیلہ قرار دیتے ہیں۔ تصوف اور اسکی کارستانیوں پر مستقل کتابیں تصنیف کی جا چکی ہیں۔ ان کتابوں میں مذکورہ حقیقت کے واضح نمونے ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ (۱)

غرض ایک طرف تصوف نے دینی قیود اور انسانی حد بندیوں سے کچھ لوگوں کو آزادی فراہم کی تو دوسری جانب کتاب الحیل کی ایجاد واختراع نے عام لوگوں کو شریعت کی پابندیوں سے راہ فرار اختیار کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ فراہم کیا۔ ذیل میں تاریخ فقہ کی وسیع معرفت رکھنے والی ایک بڑی شخصیت کا کتاب الحیل کے مسائل پر نقد وتبصرہ پیش کیا جا رہا ہے۔ واضح ہو کہ ان کا تعلق برصغیر کی (بقول کرم فرما حضرات) نومولود جماعت غیر

(۱) جن میں مصرع التصوف، ھذہ ھی الصوفیۃ، الفکر الصوفی (بزبان عربی) اہل تصوف کی کارستانیاں، اسلام اور تصوف (بزبان اردو) قابل ذکر ہیں۔

مقلدین سے نہیں ہے۔ جس کا بقول دعویداران مذہبیت مطالعہ محدود، فکر سطحی، قلب مریض، قلم بے باک، زبان گستاخ اور مزاج فتنہ پرور ہوتا ہے۔ اور جو اپنی کم مائیگی، اور فقہاء کرام کی باریکیوں اور ان کے استدلالات کی گہرائیوں سے بہرہ ور نہ ہونے کی بنا پر محض لغو بدظنی کی وجہ سے بلا وجہ ائمہ کرام سے دشمنی مول لے لیتی ہے، اور جو بقول شائستگی کے ٹھیکہ داروں کے بدعت کا گوز مارتی ہے۔ نہیں ان کا تعلق اس جماعت ناپسندیدہ سے نہیں، بلکہ مصر کی عالمی شہرت یافتہ اہل علم جماعت سے ان کا تعلق ہے۔ جنہوں نے مصر و سوڈان میں تدریس وقضاء کی طویل خدمت انجام دی ہے، تاریخ فقہ پر گہری نظر رکھتے ہیں، ان کی تالیف کردہ کتاب ''تاریخ التشریع الاسلامی'' کو ایک مصدر کی حیثیت حاصل ہے۔ اسی وجہ سے مختلف یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہے۔ چنانچہ اسی کتاب میں حیل کے مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تاریخ کی یہ ایک نہایت عجیب وغریب داستان ہے کہ ایک دیندار شخص مسائل گھڑ کر لوگوں کو شرعی احکام سے فرار اختیار کرنے کی راہ دکھلائے۔ وضعی قوانین پر چلنے والے ایک وکیل (قانون دان) سے اس کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اس لئے کہ وہ کسی مجرم کو آزادی دلانے کے لئے قانونی حیلوں کا سہارا لے سکتا ہے، یہ چیز اس کے اثر و نفوذ اور کمال ہوشیاری و دانشمندی پر محمول کی جائے گی، اور اگر اس باب میں کافی وسعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قانونی حیلوں کے ذریعہ لوگوں کے لئے دوسروں کے حقوق کی پامالی کو آسان بنانا شروع کردے تو یہی چیز اس کی بدعہدی اور عدم ذمہ داری کی دلیل شمار کی جائے گی حالانکہ وہ دین و شریعت سمجھ کر کسی چیز کے ابطال و اسقاط کے لئے حیلہ سازی نہیں کرتا ہے۔ تو بھلا بتلایئے ایک ایسے متدین شخص کے بارے میں ہمارا کیا تاثر ہوگا جو دینی احکام کے ساتھ یہی رویہ اپناتا ہے۔ ہاں ہمیں اس دور (۱) میں ایسا شخص دکھلائی دیتا ہے جس نے کتاب

(۱) مصنف کی تقسیم کے اعتبار سے تاریخ فقہ کا یہ چوتھا دور ہے جو دوسری صدی کے اوائل سے شروع ہو کر چوتھی صدی کے نصف تک ممتد ہے۔

الحیل کے نام سے ایک کتاب ہی تصنیف کی ہے۔ جس کا محدثین کی جانب سے سخت نوٹس لیا گیا۔ بلکہ انہوں نے اس کتاب کے مؤلف کو شیطان کہہ کر اس کو فاسق وفاجر قرار دیا ہے۔ مگر اس شخص کے بارے میں قطعی علم نہیں حاصل ہو سکا کہ وہ کون تھا؟ عراق کے بعض اصحاب کو متہم کیا جاتا ہے لیکن متعین طریقہ سے کسی کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ کتاب کے بعض مسائل سے مصنف کے یہاں قلت ایمان کا پتہ چلتا ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں اور کیا گمان کیا جا سکتا ہے جو ایک مسلمان شخص کے لئے فریضہ زکاۃ کی ادائیگی سے پہلو تہی کو آسان بناتے ہوئے کہتا ہے: جب تمہارے مال پر حولان حول کا وقت قریب ہو تو تم اسے اپنے لڑکے یا اپنی بیوی کو ایک لمحہ کے لئے ہبہ کر کے اس سے بطور ہبہ واپس لے لو، سال مکمل نہ ہونے کی وجہ سے تمہارے اوپر زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔ یہ حیل کے مسائل میں سب سے کمتر درجے کی مثال ہے، جب کہ کتاب الحیل میں حق شفعہ کے اسقاط کے لئے بہت سارے حیلے بیان کئے گئے ہیں۔ قسم اور اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے حیلوں کی تو بھرمار ہی ہے۔ بھلا سوچئے، ایک ایسا دین جو ایک مطلقہ عورت کو اس کے ایسے شوہر سے وراثت دلاتا ہے جو بیماری کی حالت میں وراثت سے محروم کرنے کی غرض سے طلاق دیتا ہے، اس کے مقصد کے برخلاف اسلام اس عورت کو وراثت کا مستحق قرار دیتا ہے، وہ حیلہ سازی اور فریب کاری سے کتنا بعید تر دین ہے۔ لیکن مفروضہ مسائل کی کثرت اور ان میں جدت نے ہی بعض کمزور ایمان لوگوں کو اس کی ترغیب دلائی۔ چنانچہ انہوں نے ائمہ سلف کے اقوال کا سہارا لے کر حیل کے مسائل وضع کئے، حالانکہ ان ائمہ کرام کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں گذری ہوگی کہ ان کے بیان کردہ مسائل کا حیل جیسے مسائل میں استحصال واستغلال کیا جائے گا۔(۱)

علماء متقدمین نے بھی حیل کے مسائل پر نہایت سخت الفاظ میں نکیر کی ہے، انہی میں علامہ ابن القیم رحمہ اللہ بھی ہیں جنہوں نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''اعلام الموقعین'' کا

---

(۱) تاریخ التشریع الاسلامی (ص۲۳۴،ط۲،الجامعۃ السلفیۃ بنارس)

ایک معتد بہ حصہ اسی مقصد کے لئے مخصوص کیا ہے جس میں موصوف نے حیل کی حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے نہایت قوی دلائل کی روشنی میں اس کی حرمت کو ثابت کیا ہے۔ سدِ ذریعہ کو دین اسلام کا ایک اہم اصول اور ضابطہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دین اسلام نے اپنی جملہ تعلیمات وقوانین کے چوتھائی حصہ کی بنیاد اسی اصول وضابطہ پر رکھی ہے، اس کے بعد حیل پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''حیل کو جائز قرار دینا اصول سد ذریعہ کے بالکل متضاد اور برعکس ہے کیونکہ شارع نے ہر ممکن طریقہ سے فتنہ وفساد کی راہیں مسدود کرنیکی کوشش کی ہے، جب کہ حیلہ اختیار کرنے والے اپنے حیلوں کے ذریعہ فتنہ وفساد کی راہیں کھولنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ لہذا ایسے لوگوں کے مقابلہ میں جو حرام میں واقع ہونے کے اندیشہ سے جائز امور سے بھی منع کرتے ہیں ان لوگوں کی کیا نسبت ہوسکتی ہے جو بعض حیلوں کے ذریعہ حرام تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں''۔

مزید لکھتے ہیں کہ: ''مذکورہ وجوہات اور اس نوعیت کی بیشمار وجوہات سے خود حیل کی، ان پر عمل کی، اور اللہ تعالی کے دین میں حیل کے ذریعہ فتوی دینے کی حرمت کا پتہ چلتا ہے۔ لعنت کی احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر احادیث انہی لوگوں کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جو حیلہ سازی کے ذریعہ اللہ تعالی کے فرائض کو ساقط کرنے اور محرمات کو حلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ ﷺ کا وہ فرمان مبارک جس میں آپ نے حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت بھیجی ہے، اسی طرح آپ کی وہ حدیث مبارک جس میں آپ نے یہود پر لعنت بھیجی ہے جنہوں نے چربی کی حرمت نازل ہونے پر اسے پگھلا کر فروخت کر کے اس کی قیمت کو استعمال کیا......''

متعدد مثالیں ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''اللہ تعالی نے حیلوں کے ذریعہ محرمات کو حلال قرار دینے والوں کو بندر اور سور کی شکل میں تبدیل کر دیا تھا، کیونکہ انہوں نے اللہ کی شریعت کو مسخ کر کے اس کی شکل بگاڑ دی تھی لہذا اللہ تعالی نے بھی ان کے چہروں کو مسخ

کر کے ان کی اصل شکل کو بدل دیا تھا"(۱)

مذکورہ بالا سطور سے حیل کی حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت سے قارئین کرام کو کسی قدر جانکاری حاصل ہوگئی ہوگی۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو جانا چاہئے کہ یہ اسی تقلید کی دین ہے جس پر مولانا محمد ابوبکر غازی پوری اور ان کے ہم نواؤں کو فخر و ناز ہے اور اسے مذہبیت کا نام دیتے ہیں۔ اور ان امور کو تسلیم نہ کرنے والوں کو مذہبیت سے خارج کر کے انہیں ضلالت و گمراہی اور فتنہ و فساد کا سبب بتلاتے ہیں اور گستاخ ائمہ کرام کا نام دیتے ہیں کیونکہ اس قسم کے مسائل کی نسبت سے وہ ائمہ کرام کو بری قرار دیتے ہیں۔ کسی طرح اس نوعیت کے گھٹیا اور بازاری اقوال کی نسبت ان ائمہ کرام کی جانب جائز اور درست نہیں سمجھتے۔ بفرض محال اگر ان کی نسبت ان ائمہ کرام کی جانب صحیح بھی ہو تو ان امور میں ان کی اتباع کو ضروری نہیں سمجھتے۔

اخیر میں حیل کی بعض مثالیں بھی قارئین کرام کے گوش گذار کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ زکوۃ کی عدم ادائیگی کا حیلہ سابقہ سطور میں پیش کیا گیا۔ یہ نہیں تصور کرنا چاہئے کہ یہ مسائل صرف کتابوں کی زینت ہیں۔ نہیں بلکہ مذہبیت کو زندہ رکھنے کے لئے ان پر ہر زمانہ میں عمل کرنے اور کرانے والے لوگ بھی پائے جاتے رہے ہیں۔ چنانچہ اکبر بادشاہ کے شیخ الاسلام کا زکوۃ کی نسبت یہ عمل تھا کہ سال کے اخیر میں تمام مال اپنی بیوی کو ہبہ کر دیتے اور وہ نیک بخت سال کے اندر پھر انہیں واپس کر دیتی تا کہ اس حیلہ شرعی سے زکوۃ سے بچ جائیں۔(۲)

آج بھی مذہبیت کے پختہ معاشرہ میں اس کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ اور شاید اسی حیلہ سے متأثر ہو کر بعض اہل مدارس جو زکوۃ کے اموال کو مدارس کی تعمیر میں جائز نہیں سمجھتے یہ حیلہ اختیار کرتے ہیں کہ کسی غریب نادار طالب علم کو چندہ کی رقم صدقہ کر دیتے ہیں اس

---

(۱) اعلام الموقعین (۹۳۹/۳ ط مطابع الفاروق القاہرہ).

(۲) رود کوثر شیخ اکرام ۱۱ ہور ص ۹۴-۹۵

شرط کے ساتھ کہ وہ ساری رقم یا کچھ فیصد لے کر مدرسہ کو ہبہ کر دے۔ کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ وہ غریب شخص ساری رقم لے کر نو دو گیارہ ہو جاتا ہے اور اہل مدارس اپنی ہتھیلیاں ملتے رہ جاتے ہیں۔

مذہبیت میں پختگی کے حامل معاشرہ میں حلالہ کو ایک بہت ہی بابرکت عمل کی حیثیت حاصل ہے، جبکہ حلالہ بجائے خود ایک حیلہ ہے، جس کے ذریعہ مطلقہ بائنہ کی حرمت کو حلت میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ لیکن اس میں بھی کبھی حلالہ کرنے والا جس کو حدیث میں ''تیس مستعار'' (کرایہ کا بکرا) کہا گیا ہے، دھوکہ دے جاتا ہے اور معاہدہ کے مطابق عورت کو طلاق نہیں دیتا ہے۔ تو اس قسم کی دھوکہ دہی سے بچنے کے لئے بھی حیلے اختیار کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین رقم طراز ہیں:

''ایسا لطیف حیلہ جس میں دوسرے شوہر کے طلاق سے عدم امتناع، اور لوگوں کے مابین حلالہ کی عدم شہرت کی ضمانت ہوتی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ عورت کی قریب البلوغ غلام سے دو گواہوں کی موجودگی میں شادی کر دی جائے۔ دخول کے وقت عورت کو اس غلام کا مالک بنا دیا جائے۔ لہذا نکاح باطل ہو جائے گا۔ پھر عورت اس غلام کو کسی دوسرے شہر میں بھیجدے گی، تاکہ اس کے معاملہ کو شہرت نہ حاصل ہو''۔

اسی پر اکتفا نہیں ہے بلکہ پہلے شوہر کی تڑپ اور بے چینی کا خاص خیال کرتے ہوئے حلالہ کے بعد عدت کے بغیر ہی بیوی کو شوہر کی خدمت میں بھیجنے کا ایک لمبا چوڑا نسخہ فراہم کیا ہے۔ چنانچہ ''حلالہ کرنیوالے کی عدت کو ساقط کرنے کا حیلہ'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''بعض شوافع نے عدت کو کالعدم قرار دینے کا یہ حیلہ بتلایا ہے کہ عورت کی شادی دس سال سے کم عمر بچے کے ساتھ کر دی جائے۔ عضو تناسل کی برانگیختی کی شرط کو ملحوظ رکھتے ہوئے بچہ اس عورت کے ساتھ شب زفاف منائے گا۔ اس نکاح کی صحت کا فتوی کوئی شافعی دے گا، پھر وہ بچہ عورت کو طلاق دے دے گا۔ طلاق کی صحت اور عورت پر عدم عدت

کا فتوی کوئی حنبلی نافذ کرے گا۔ اگر بچہ دس سال کا ہوگا تو حنابلہ کے یہاں عورت پر عدت لازم ہو جائے گی (اگر بچہ طلاق نہ دے) تو اس کا ولی مصلحت کی خاطر طلاق دے دیگا، اور اس طلاق کی صحت کا فتوی کوئی مالکی دیگا۔ اور بچہ کی مباشرت سے عورت پر عدت کے عدم وجوب کا بھی فتوی دیگا۔ پھر پہلا شوہر اس عورت سے شادی کریگا۔ اور اس شادی کی صحت کا کوئی شافعی فتوی دے گا۔ کیونکہ حاکم کے فیصلے سے تمام اختلافات ختم ہو جاتے ہیں جب کہ اس کے یہاں تمام شرائط کے ساتھ دعوی پیش کیا گیا ہو۔ اس طرح عورت (بغیر عدت کے) پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ فتوی پر کوئی اجرت نہ لی گئی ہو۔(۱)

قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں: کس حسن ترکیب کے ساتھ پہلے خاوند کی تڑپ اور بے چینی کا علاج فراہم کر دیا گیا کہ ان کو حلالہ کے بعد عدت کے لئے تین ماہ کا انتظار بھی نہیں کرنا پڑا اور بیوی انتظار کی گھڑی برداشت کیے بغیر ہاتھ آ گئی۔ ویسے اس ترکیب اور طریقہ کو وہی لوگ ''تلفیق'' کا نام دیتے ہیں اور متفقہ طور پر اسے حرام قرار دیتے ہیں۔ چونکہ یہاں حلالہ جیسے بابرکت عمل کو انجام دینا تھا اور ایک مسلمان بھائی کی مصیبت کو دور کرنا مقصود تھا اس لئے تلفیق کی حرمت کو بھی حلت میں تبدیل کر دیا گیا۔

حیل کی صرف یہی ایک مثال نہیں ہے، کتب فقہ میں سینکڑوں مثالیں ملیں گی جن میں مبینہ طور پر حلال کو حرام، حرام کو حلال بنا دیا گیا ہے۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے بہت ساری مثالیں جمع کر دی ہیں۔ ان میں حد درجہ عجیب وغریب نمونے ملاحظہ فرمائیں:

۱- اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ نکاح کو فسخ کرنا چاہتی ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ شوہر کے لڑکے کو اپنے ساتھ زنا کا موقع دیدے۔ (نعوذ باللہ) کیونکہ اس طرح سے وہ عورت لڑکے کی موطوءۃ ہو جائے گی جو باپ کے لئے حرام ہے۔(۲)

---

(۱) رد المحتار علی الدر المختار (۲/ ۴۰۷-۴۵۷ ط۳، المطبعۃ الامیریۃ) ملاحظہ ہو: بدعۃ التعصب المذہبی (ص ۱۸۳)

(۲) ملاحظہ ہو: اعلام الموقعین (۳/ ۱۰۰۷ ط الفاروق القاہرۃ)

۲ - اگر کوئی شادی شدہ زنا کر کے حد سے بچنا چاہتا ہے تو مرتد ہو جائے اور زنا کر کے دوبارہ مسلمان ہو جائے اس پر حد نہیں جاری کی جائے گی۔(۱)

۳ - زنا کی حد کو کالعدم قرار دینے کے لئے عورت کو اپنے گھر کی صفائی یا کپڑے کی صفائی کی غرض سے ملازمہ کی حیثیت سے رکھ لے۔ پھر زنا کرے۔ شبہ کی بنیاد پر اس سے زنا کی حد ساقط ہو جائے گی۔(۲)

یہ چند ہلکے پھلکے نمونے ہیں کتاب الحیل کے۔ انہی مثالوں کے ذریعہ مقلدین حضرات کی مذہبیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو بڑی جرأت اور شد و مد کے ساتھ ترک تقلید کو لادینیت، ضلالت و گمراہی اور فتنہ و فساد کا پل اور سبب قرار دیتے ہیں۔ کیا انہی امور کے ذریعہ اللہ تبارک و تعالی کا تقرب حاصل کیا جا سکتا ہے؟ کیا انہی امور کو شریعت الٰہیہ کا نام دیا جا سکتا ہے؟ اور کیا اس طرح کی موشگافی کرنے والوں کی تقلید کو مذہبیت کا نام دیا جا سکتا ہے؟ اگر انہی کو مذہبیت کا نام دیا جائے گا تو پھر لادینیت کس چڑیا کا نام ہوگا؟

مذہب کی کتابوں میں علماء سے منقول اس طرح کی باتوں کے تعلق سے موجودہ دور کے مقلدین جو اپنے آپ کو مذہبیت کا سب سے بڑا علم بردار ثابت کرتے ہیں اور دوسروں کو لامذہب، لادین اور آزاد خیال کا لقب دیتے ہیں کیا کہنا پسند فرمائیں گے۔ ظاہر سی بات ہے علماء مذہب کے اقوال سے انکار کی ادنی گنجائش بھی ان کے یہاں نہیں ہے، اس لئے ان کو مانے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، ورنہ گستاخ، بے ادب اور بدتمیز کہلائیں گے اور اس سے بے دینی بھی لازم آئے گی، اور لامذہب گردانے جائیں گے۔ اس لئے ان کو ماننا ہی ماننا ہے۔ اور اگر ہم سے کوئی پوچھے تو بلا کسی جھجھک کے ہم انہیں دیوار پر دے ماریں گے خواہ وہ نواب حیدرآباد سے منقول ہوں یا نواب بھوپال سے یا میاں سید نذیر حسین سے یا کسی اور اہلحدیث عالم سے۔ لیکن تحکم اور زبردستی کا یہ عالم ہے کہ اگر ہم اپنے علماء کے اقوال کو

---

(۱) اعلام الموقعین (۱۰۵۴/۳)

(۲) اعلام الموقعین (۱۰۵۳/۳)

اس بناء پر تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی کتاب وسنت سے تائید ہوتی ہے تو ہمیں ان کا مقلد کہا جاتا ہے۔اور اگر کسی قول کو معیار کتاب وسنت پر پورا نہ اترنے کی وجہ سے تسلیم نہیں کرتے تو زبردستی انہیں ہمارے سر منڈھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بلکہ ان کی کوئی ایسی کتاب جو مخالف کتاب وسنت امور پر مشتمل ہونے کی وجہ سے منظر عام پر لانے کے لئے دوبارہ طبع نہیں کرائی جاتی اس کے بارے میں یہ اتہام عاید کیا جاتا ہے کہ اہلحدیث یہودیوں کی طرح اپنے اکابرین کی ان کتابوں کو پردۂ خفا میں رکھنا چاہتے ہیں اور بازاروں سے کھسکا کر اپنے علماء کی حقیقت پر پردہ پوشی کرنا چاہتے ہیں۔حالانکہ ہمارا موقف اپنے علماء کے بارے میں بھی وہی ہے جو دوسرے علماء کے بارے میں ہے اور وہ بالکل واضح اور کسی الجھاؤ سے پاک ہے۔اس کی اساس اور بنیاد امام مالک امام دارالھجرۃ رحمہ اللہ کے قول "کل یؤخذ من قوله ويرد الا صاحب هذا القبر" پر قائم ہے،یعنی ہر شخص کے قول کو لیا جا سکتا ہے اور رد بھی کیا جا سکتا ہے،سوائے رسول اکرم ﷺ کے۔وہی ایک ایسی ذات ہے جس کے تمام اقوال وافعال ہمارے لئے واجب القبول ہیں۔اس واضح موقف کے باوجود ہمیں اپنے علماء کے اقوال کا جبراً وقہراً پابند بنانیکی زحمت کی جاتی ہے۔

اسی طرح ''مسائل غیر مقلدین''، ''غیر مقلدین کی ڈائری'' اور ''غیر مقلدین کے لئے لمحہ فکریہ'' کی تصنیف کرنیوالے اور من گھڑت ڈراموں کے ذریعہ اہلحدیثوں کو آئینہ دکھلانیوالے مذہبیت کے ٹھیکہ داروں سے عرض کرنا چاہیں گے کہ آپ نے امانت ودیانت کا، احترام صحابہ اور ائمہ سلف کی تعظیم وتوقیر کا لبادہ اوڑھ کر جس طرح صدق وصفا، امانت ودیانت، اور تعظیم صحابہ کا خون کیا ہے وہ تو اپنی جگہ ہے ہی، ذرا یہ بتلایئے! اقوال صحابہ کی عدم حجیت پر آپ اہلحدیثوں کو چھوٹا رافضی کہتے ہوئے ذرہ برابر جھجھک یا شرم نہیں محسوس کرتے، حیل کے ان مسائل پر جن میں مبینہ طور پر یہود کی نقالی کی گئی ہے آپ اپنے لئے کونسا لقب پسند فرمائیں گے۔آپ نے علماء اہلحدیث کے علمی ذخائر کو چھان مارا، کہیں آپ کو اپنے حیل کے مذکورہ مسائل کی نظیر یا ان سے قریب ترین کوئی مثال ان ذخائر میں

نظر آئی ؟ جبکہ آپ نے مکر وفریب اور خیانت کے تمام وسائل کو استعمال کرنے میں پس وپیش نہیں کیا۔ پہلے آپ اپنے آئینہ میں اپنی شکل ملاحظہ کیجئے اس کے بعد اہلحدیثوں کو آئینہ دکھلانیکی زحمت اٹھائیے۔ اگر آپ دینی احکام سے فرار اختیار کرنے کے لئے شرعی حیل کے نام سے ان تمام گروں کی تعلیم وتعلم کو جائز سمجھتے ہیں، بلکہ اپنی خداداد فقہی بصیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان میں مزید اضافہ بھی کرتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لئے جانبداری سے دست بردار ہو کر یہ بتلائیے کہ اس کے بعد پھر ابلیس کا کیا کام باقی رہ جاتا ہے؟

(۷)

تقلید کی تفرقہ بازی

حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جس مذہبیت (تقلید) کی آج مقلدین حضرات بڑی شیخی بگھارتے ہوئے نظر آرہے ہیں اور یہ جھوٹا دعوی کرتے ہوئے انہیں ذرہ برابر شرم دامن گیر نہیں ہوتی کہ تقلید ائمہ پر ہر دور میں ساری امت کا اجماع رہا ہے، اور خصوصاً اس دور میں اس کے بغیر اپنے دین کی حفاظت ہی ناممکن ہے(۱) جبکہ انہی کے بعض اکابرین سے سوال ہوا: ”مسلمان ہونے کے لئے مذہباً حنفی شافعی ہونا خدا اور رسول نے شرط قرار دیا ہے یا نہیں“؟ تو انہوں نے واضح طور پر جواب دیا کہ: ”حنفی ہونا مسلمانی میں شرط نہیں کیا گیا .... اماموں نے اپنے قول کی تقلید کی اجازت دی ہے بشرطیکہ وہ قرآن وحدیث کے خلاف نہ ہو“(۲)۔

پہلے آپ اپنے اس تضاد کو دور کیجئے، پھر تقلید کو ضروری قرار دیجئے۔ بہر حال جس تقلید کو یہ حضرات دین کی حفاظت کے لئے ضروری گردانتے ہیں، اس سے امت نے سوائے اختلاف وافتراق، انتشار وتحزب اور گروہ بندی وتفرقہ بازی، اور اس کی پاداش میں حاصل ہونے والے خونی تصادم کے اور کچھ نہیں حاصل کیا۔ اس سے دلوں میں نفرت وعداوت اور بغض وحسد پیدا ہوا، اور اس حد تک پیدا ہوا کہ خون خرابے کی نوبت آگئی، جس کے نتیجہ میں آباد وزرخیز بستیاں کھنڈرات میں تبدیل ہو کر رہ گئیں، شہر ویران ہو گئے۔ جبکہ دعوی یہ کیا جاتا ہے کہ تقلید کے ذریعہ امت کے شیرازہ کو جمع کیا جاسکتا ہے، ملت کی صفوں

---

(۱) ملاحظہ ہو: تجاویز تحفظ سنت کانفرنس منعقدہ ۲، ۳ رمئی ۲۰۰۱ء دہلی (ص ۷)

(۲) فتاویٰ عبدالحی (ص ۱۵۴) منقول از ”اکابر علمائے احناف [illegible] فتوے“ (ص ۳۳)

میں اتحاد و یگانگت کی فضا قائم کی جا سکتی ہے۔

ذیل کی سطور میں اختلاف و افتراق کے چند نمونے پیش کیے جا رہے ہیں جو محض مذہبی تعصب کی وجہ سے رونما ہوئے ہیں۔

(۱) مساجد اور منبر و محراب کی تقسیم

دین اسلام کے اہم ترین ستون ''نماز'' کو اتفاق و اتحاد کا عظیم ترین مظہر تصور کیا جاتا ہے۔ اس اجتماعی عبادت نے اپنے مختلف اجتماعی مظاہر کی وجہ سے بہت سے غیر مسلموں کو اسلام کی حقانیت اور اس کی صداقت کو تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا اور ایک امام کے پیچھے نماز کی باجماعت ادائیگی کو دیکھ کر اسے اسلام لانا پڑا۔ اتفاق و اتحاد اور اجتماعیت و یگانگت کے مظہر پر مشتمل یہ اہم فریضہ بھی تقلید کی نظر بد سے نہیں محفوظ رہ سکا۔ چنانچہ علماء مذاہب نے یہ فتاوے صادر کئے کہ ایک مذہب کا ماننے والا دوسرے مذہب کے ماننے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا، اگر پڑھے گا تو اس کی نماز باطل ہوگی۔ اور اگر فقیہ صاحب نے بہت زیادہ رواداری سے کام لیا تو اسے کراہت کے درجہ میں رکھا۔

علامہ ابن الہمام لکھتے ہیں:

''ابوالیسر نے کہا: کسی شافعی کے پیچھے کسی حنفی کا نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ مکحول نسفی نے اپنی کتاب ''الشعاع'' میں روایت کیا ہے کہ نماز مین رکوع کرتے وقت یا رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے کیونکہ یہ عمل کثیر میں داخل ہے۔ بعض دیگر فقہاء جیسے قاضی خان (وغیرہ) شافعی امام کی اقتداء کی صحت کے لئے شرط عائد کرتے ہیں کہ وہ متعصب نہ ہو، اپنے ایمان میں شک کرنے والا نہ ہو، اور اختلاف کے مقام میں احتیاط برتنے والا ہو'' (۱)

---

(۱) ملاحظہ ہو: فتح القدیر (۱۸۹/۱)۔ کتنی تعجب خیز، قابل افسوس اور متضاد بات ہے کہ ایک ایسا عمل جس کے بارے میں خود ان کے ماہرین فقہ جن کو اطباء قرار دیا جاتا ہے اس بات کے قائل ہیں کہ یہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ اسی عمل کو عمل کثیر [illegible]

یہاں مولانا رشید احمد گنگوہی کا ایک فتوی نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ معلوم ہونا چاہئے آپ ہی ہیں جن کی زبان مبارک سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ آپ سے سوال کیا گیا:

''اگر کوئی غیر مقلد ہمارے پاس جماعت میں کھڑا ہو اور رفع یدین اور آمین بالجہر کرتا ہو تو اس کے پاس کھڑے ہونے سے ہماری نماز میں کچھ خرابی نہ آئے گی، یا ہماری نماز میں بھی کچھ فساد واقع ہوگا؟''۔ جواب دیتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں: ''کچھ خرابی نہ آئے گی، ایسا تعصب اچھا نہیں، وہ بھی عامل بالحدیث ہے، اگر چہ نفسانیت سے کرتا ہے، مگر فعل تو فی حد ذاتہ درست ہے''(۱)

علامہ ابن الہمام جس عمل کے بارے میں اپنے فقہاء کرام سے نقل کرتے ہوئے مفسد صلاۃ ہونے کا فتوی صادر کرتے ہیں اسی عمل کو مولانا رشید احمد گنگوہی فی حد ذاتہ درست قرار دے رہے ہیں اور اسے عمل بالحدیث سے تعبیر کر رہے ہیں۔ شاید تقلید (مذہبیت) کا اتحاد و اتفاق اور کتاب وسنت کا نچوڑ اسی نوعیت کا ہوتا ہے۔ ساتھ ہی مولانا کا عمل بالحدیث کو نفسانیت سے تعبیر کرنا بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ جب ایک چیز حدیث سے ثابت ہے تو اس پر عمل کو نفسانیت سے تعبیر کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

نماز ہی کے تعلق سے ان کا ایک اور متضاد فتوی ملاحظہ فرمالیجئے۔ مولانا محمد کفایت اللہ مفتی عالم دیوبندیت کی ایک معروف ومشہور علمی شخصیت ہیں، محمد پنجابی نامی ایک شخص نے غیر مقلدین کے بارے میں متعدد سوالات آپ سے دریافت کیے تھے، جن میں دو سوال غیر مقلدین کی امامت سے بھی متعلق ہیں۔ پہلے سوال میں کہتا ہے:

''زید فرضی جماعت کے برابر منفرد نماز پڑھتا ہے، اس کے ساتھ نہیں ملتا، کیا اس کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ وجہ یہ ہے کہ امام غیر مقلد ہے۔''

= کافی مغز ماری اور عرق ریزی کے بعد امت کے سامنے پیش کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود نبی کریم ﷺ کی نماز بھی اسی عمل کثیر کی وجہ سے باطل قرار پائے گی، نعوذ باللہ من ذلک۔

(۱) فتاوی رشیدیہ (۱/۱۱۱)

دوسرا سوال یہ ہے کہ:

''کیا موجودہ وہابیوں یا غیر مقلدوں کے خلف نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ اثبات ونفی کی وجہ تحریر فرمائیں۔''

پہلے سوال کے جواب میں موصوف مفتی صاحب فرماتے ہیں:

''نماز تو ہو جاتی ہے مگروہ ترک جماعت کی وجہ سے گنہگار ہوتا ہے، امام کا غیر مقلد ہونا جماعت میں شریک نہ ہونے کے لئے عذر صحیح نہیں''۔

دوسرے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''غیر مقلدوں کے پیچھے حنفی کی نماز ہو جاتی ہے''۔(۱)

لیکن مولانا رشید احمد گنگوہی جن کی زبان فیض ترجمان پر سوائے حق بات کے اور کوئی چیز جاری ہی نہیں ہوتی غیر مقلدین کی امامت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان کی امامت مکروہ تحریمہ ہے اور دانستہ ان کو امام بنانا حرام ہے، اگر چہ نماز مقتدیوں کی بکراہت تحریمہ ادا ہو جاوے، اور نماز بھی جب ادا ہو کہ کوئی مفسد نماز نہ ہووے، ورنہ اس گروہ کو اس سے بھی باک نہیں ہے۔ قے ہونے اور خون نکلنے سے یہ لوگ وضو نہیں کرتے، اور ان کو ناقض وضو نہیں جانتے، بھلا اگر ایسے وضو سے امام ہوں گے تو حنفیہ کی نماز کب ان کے پیچھے درست ہو سکتی ہے''؟(۲)

غیر مقلدین کی امامت کو مکروہ تحریمہ قرار دینے پر موصوف نے جو وجہ جواز پیش کیا ہے وہ ان کا تقیہ کرنا، حنفیہ کو مشرک گردانا، تقلید شخصی کو شرک کہنا اور دروغ گوئی سے کام لینا ہے، اس سلسلے میں مشہور زمانہ کتاب ''جامع الشواہد'' جو اہلحدیثوں کے خلاف لکھی گئی ہے پر کافی اعتماد کیا ہے، چونکہ موصوف حق کے علاوہ کچھ لکھتے نہیں، اس لئے ان کے خلاف زبان کھولنے کی ہمت وجرأت نہیں، لیکن اتنا ضرور عرض کریں گے: کیا آپ کی مذہبیت اسی

---

(۱) کفایت المفتی (۱/۲۳۴) منقول از بھولے بسرے ... (ص ۲۸-۲۹)

(۲) تذکرۃ الرشید (۱/۱۷۸-۱۷۹)

اتحاد و یگانگت کی دعوت دیتی ہے اور تقلید کے ذریعہ ملت کی صفوں میں اسی قسم کا اتحاد آپ پیدا کرنا چاہتے ہیں؟ جس میں ہر قدم پر آپ کے اکابرین کے مابین اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔اور یہی آپ کے فقہاء کرام کا نچوڑ ہے جس کو انہوں نے کتاب وسنت سے کافی عرق ریزی، اور محنت ومشقت کے بعد حاصل کر کے امت کے سامنے پیش کیا ہے؟، اگر اسی قسم کا اختلاف اہلحدیث علماء کے مابین رونما ہو جاتا ہے تو مولانا محمد ابو بکر غازیپوری جیسی مذہبیت کی پختہ شخصیت محو حیرت ہو جاتی ہے اور علماء اہل حدیث جن کو غیر مقلدین کہتے وہ تھکتے نہیں کو مختلف صلواتیں سنانے لگتے ہیں۔ ذرا ان کو اپنے ان علماء حق کے بارے میں بھی لب کشائی کرنی چاہیے۔ بہر حال یہ ان کے عقلمندوں کی عقلمندی کی ایک معمولی جھلک پیش کی گئی جس پر ان کو بڑا فخر و ناز ہے۔

اگر ایک جانب علمائے احناف نے حنفی مقتدی کی شافعی امام کے پیچھے نماز کے بطلان یا کراہت کا فتوی دیا تو دوسری جانب علماء شوافع نے بھی شافعی مقتدی کی حنفی امام کے پیچھے نماز کے بطلان کا فتوی دیا۔ چنانچہ علامہ نووی جیسے حدیث سے شغل رکھنے والے عظیم عالم نے بھی فقہ سے متعلق اپنی معروف کتاب میں اس بحث کو چھیڑا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''ایک حنفی شخص نے وضو کیا، اور شافعی شخص نے اس کی اقتداء میں نماز ادا کی، چونکہ حنفی وضوء میں وجوب نیت کا قائل نہیں ہے جب کہ شافعی وجوب نیت کا قائل ہے، ایسی حالت میں تین وجہیں ہیں، پہلی وجہ جس کو ابو اسحاق اسفرائینی نے اختیار کیا ہے، اس کے مطابق شافعی کی اقتداء درست نہیں ہے، خواہ حنفی (امام) نے نیت ہی کیوں نہ کی ہو، اس لئے کہ عدم وجوب کا اعتقاد رکھنے کی وجہ سے اسے معدوم سمجھا جائیگا، لہذا اس کی طہارت درست ہی نہیں ہوئی۔'' (۱) مزید لکھتے ہیں: ''اگر کسی حنفی شخص نے عورت کو چھو دیا، یا (نماز

---

(۱) المجموع (۱/ ۲۵۸-۲۵۹)

میں) اطمینان وغیرہ نہیں کیا تو قفال کے نزدیک شافعی کے لئے اس کی اقتداء جائز ہے، لیکن جمہور اس کے برخلاف (عدم جواز کے قائل) ہیں۔ اور یہی صحیح ہے"(۲)

اختلاف وافتراق کا دائرہ مرور زمانہ کے ساتھ اتنی وسعت اختیار کرتا گیا کہ مسجد ومحراب بھی اس کی زد میں آ گئے۔ چنانچہ مساجد جن کو اللہ کا گھر (بیوت اللہ) کا نام دیا جاتا ہے ان میں بھی تقسیم ہو گئی اور ہر مذہب کے ماننے والوں نے الگ الگ اپنی مساجد بنانی شروع کر دیں۔ اگر کسی مسجد پر دو یا دو سے زائد مختلف جماعتوں کا دعوی رہا تو اسی ایک مسجد کے اندر دو یا دو سے زائد بلکہ چار الگ الگ ہر مذہب کے لئے محراب بنائی گئی۔ ایک وقت کی نماز الگ الگ اماموں کے پیچھے اپنے اپنے مذہب کے مطابق مختلف اوقات میں ادا کی جانے لگی۔ یہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے عظیم مرکز اور قبلہ اول "مسجد حرام" میں مقلدین مذاہب کے لئے چار الگ الگ مصلے قائم کر دیئے گئے۔ کسی بھی مذہب کا ماننے والا اپنے ہم مذہب امام کے پیچھے ہی نماز ادا کرتا۔ یہ اس جگہ کا حال ہو گیا تھا جہاں جا کر تمام مسلمانوں کو اپنے تمام امتیازات اور فرق کو بھلا دینے کا حکم دیا گیا تھا۔ امت مسلمہ کے لئے اس سے بڑھ کر حرماں نصیبی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ شہادتین کے بعد دین اسلام کا سب سے بڑا بنیادی رکن "نماز" اللہ کے سب سے عظیم گھر خانہ کعبہ میں بھی تقلیدی مذاہب کی تفرقہ بازیوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ چنانچہ ماضی قریب تک ایک اللہ، ایک رسول، ایک قرآن پر ایمان رکھنے والی ایک امت، ایک وقت کی نماز، ایک اللہ کے گھر میں، ایک قبلہ کی طرف چار الگ الگ محرابوں میں، چار امام کے پیچھے ادا کرنے میں شاداں وفرحاں تھی۔ اللہ تعالی کے فضل وکرم سے سعودی حکومت کا قیام عمل میں آیا، اور ملک عبدالعزیز رحمہ اللہ کی جدوجہد اور حکمت عملی سے ملت اسلامیہ کی پیشانی سے یہ بدنما داغ ختم ہوا۔ لیکن مذہبیت میں پختگی کے دعویدار حضرات آج بھی اس دور کو یاد کر کے سرد آہیں بھرتے ہوئے سعودی حکومت کو کوس رہے ہیں، اور اس زریں دور (؟) کے واپسی کی تمنائیں کر رہے ہیں۔ معلوم

(۱) المجموع (۱۸۴/۴-۱۸۵)

ہونا چاہئے کہ تقلید کے رواج کے ساتھ ہی اس کا ظہور نہیں ہو گیا تھا بلکہ بہت بعد کے ادوار میں جب تقلید کی جڑیں خوب مضبوط ہو گئیں تھیں، لوگوں کے اندر اپنے اپنے مذہب سے اتنی وابستگی پیدا ہو گئی تھی کہ اس کے علاوہ دیگر مذاہب کے اماموں کے پیچھے نماز کی ادائیگی حرام یا مکروہ سمجھی جانے لگی تھی۔ اور آگے چل کر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شاہ ناصر فرج بن برقوق نے حرم مکی میں چاروں مذاہب کے لئے الگ الگ محرابیں قائم کر دیں اور ہر مذہب کے لئے ایک امام متعین کر دیا۔(۱)

(۲) شادی بیاہ میں تفریق

اختلاف کا سلسلہ مسجد و محراب تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ شادی بیاہ تک پہونچ گیا، اور فتوی صادر کیا گیا کہ کوئی حنفی کسی شافعی عورت سے نکاح نہیں کر سکتا۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ ایمان کے مسائل میں ''ان شاء اللہ'' کہنے میں دونوں مذہب کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ ایک حنفی کہتا ہے: ''میں حقیقۃً مومن ہوں'' اور شافعی کہتا ہے: ''میں ان شاء اللہ مؤمن ہوں''(۲)

گویا ان شاء اللہ کہنے کی وجہ سے شافعی کے ایمان میں شک واقع ہو گیا، لہذا اس کا ایمان مشکوک مانا جائیگا۔ اسی بناء پر دونوں کے مابین شادی نہیں ہو سکتی۔ ایک حنفی مفتی جن کو ''مفتی الثقلین'' کا لقب حاصل ہے، ان کا فتوی ہے کہ ایک حنفی مرد شافعی عورت سے اس بناء پر شادی کر سکتا ہے کہ وہ اہل کتاب کے درجے میں ہے،(۳)۔ جس کا مفہوم یہ نکلا کہ

(۱) ملاحظہ ہو: البدر الطالع (۲/۲۶-۲۷) وایضاح المحجۃ للعمرۃ والحجۃ مولفہ نواب صدیق حسن (ص ۱۶) وسواء الطریق مولفہ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی (ص ۱۰)۔

(۲) یہ عقیدہ کا ایک معروف ومشہور مختلف فیہ مسالہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ایمان کے بارے میں ''ان شاء اللہ'' کہہ سکتا ہے یا نہیں۔ احناف کے یہاں اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں ان شاء اللہ مؤمن ہوں تو اس کا ایمان مشکوک مانا جائے گا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: شرح العقیدۃ الطحاویۃ (ص ۴۹۴ و مابعد تحقیق د/الترکی والارناؤوط)

(۳) البحر الرائق لابن نجیم، منقول از بدعۃ التعصب المذہبی (ص ۲۰۵) نیز ملاحظہ ہو: حاشیۃ ابن عابدین (۴/۱۵۸ طبعۃ جدیدۃ محققۃ)

ایک شافعی مرد کسی حنفی عورت سے شادی نہیں کر سکتا جس طرح اہل کتاب مسلم عورت سے شادی نہیں کر سکتے (۱)۔

یہ مسائلہ بھی صرف کتابوں کی زینت نہیں ہے، بلکہ ایسے معاشروں میں جہاں مذہبیت پختہ انداز میں پائی جاتی ہے کچھ اسی قسم کا ماحول پایا جاتا ہے، اور ارباب حل وعقد اختلاف مذہب کی وجہ سے ازدواجی رشتے میں مربوط بعض خاندانوں کو طلاق کے ذریعہ منتشر کروا کر ہی دم لیتے ہیں، یا طے شدہ رشتوں کو منسوخ کرا دیتے ہیں۔ اور اسے دین کی اہم خدمت سمجھتے ہوئے اللہ تبارک وتعالی سے اجر وثواب کی توقع رکھتے ہیں۔ اور یہی وہ مثالی اتفاق واتحاد ہے جسے یہ مقلدین حضرات تقلید کے ذریعہ امت میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔

(۳) دیگر مذاہب کی تنقیص وتوہین میں مبالغہ آمیزی

مقلدین ظاہری طور پر مذاہب اربعہ کی حقانیت اور ان کے برحق ہونیکا ڈنکا پیٹتے ہیں اس کے باوجود ان کے مابین اپنے مذہب کے لئے زبردست تعصب پایا جاتا ہے۔ ہر ایک اپنے مذہب کو افضل وبرتر ثابت کرنے کے لئے دیگر مذاہب کو مطعون کرنے اور اس کی توہین وتذلیل کرنے میں حد درجہ غلو اور مبالغہ سے کام لیتا ہے۔ اس سے بڑھ کر تذلیل وتحقیر کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک مذہب دوسرے مذہب کو اہل کتاب کے درجہ میں رکھتے ہوئے ان کی لڑکیوں سے شادی کی تو اجازت دیتے ہیں مگر اپنی لڑکیاں ان کو دینے کی اجازت نہیں دیتے۔ تحقیر وتذلیل کا ایک نمونہ مزید ملاحظہ فرمائیے:

(۱) ملاحظہ فرمائیے: تقلید کے ذریعہ قائم کئے گئے امت میں اتفاق واتحاد کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے؟ جس میں ایک مذہب کے ماننے والوں کو اہل کتاب کے درجہ میں رکھ کر ان کی لڑکیوں سے شادی کر سکتے ہیں لیکن ان کو اپنی لڑکی نہیں دے سکتے۔ اہلحدیثوں پر یہ الزام عاید کیا جاتا ہے کہ وہ انہیں مشرک کہتے ہیں اور اس پر خوب واویلا مچاتے ہیں، اور دہائی دیتے ہیں لیکن اپنے اس عمل اور رویہ پر ان کی نظر نہیں جاتی کہ وہ اپنے مخالفین کو کیا کہہ رہے ہیں اور کس درجہ میں رکھ رہے ہیں۔

''حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح .....'' حنفی مذہب کی ایک معروف ومشہور کتاب ہے، اس میں مندرجہ ذیل مسائلہ مذکور ہے:

کسی کنویں میں کوئی جانور گر کر مر گیا اور پھول گیا اس کنویں کے پانی کے استعمال پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا گیا ہے: ''اگر اس کنویں کے پانی سے آٹا گوندھ دیا گیا ہو تو اسے کتوں کو ڈال دیا جائیگا، یا چوپایوں کو کھلا دیا جائے گا، اور بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ کسی شافعی کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے گا'' (۱)

دیکھا آپ نے، کس طرح اس فقیہ اعظم نے کتوں اور شافعیوں کو ایک درجہ میں رکھ دیا ہے۔ دمشق کے حنفی قاضی محمد بن موسی البلاساغونی (ف ۵۰۶ھ) کے بارے میں نقل کیا جاتا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے:

''اگر میرا بس چلے تو میں شافعیوں سے جزیہ وصول کروں''۔ (۲)

تحقیر و تذلیل کا دائرہ صرف متبعین مذہب تک نہیں محدود رہا بلکہ امام مذہب امام محمد

---

(۱) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، شرح نور الایضاح (ص ۲۵)

(۲) میزان الاعتدال (۴/۵۱، ۵۲) لسان المیزان (۵/۴۰۲)

واضح ہونا چاہئے کہ ان علماء مقلدین نے اپنے مذہب، امام مذہب، علماء مذہب اور کتب مذہب کی افضلیت وبرتری ثابت کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی چنانچہ امام مذہب کو وہ مقام عطا کیا جو شاید سید الانبیاء کو بھی حاصل نہ ہو، امام کی مخالفت کرنیوالوں پر ذرات کے مثل لعنت سنائی گئی، کتابوں کا سلسلہ سند اللہ تعالی تک پہونچایا گیا، اور بعض کتابوں کی تصنیف حضور اکرم ﷺ کی صریح اجازت سے عمل میں لائی گئی، یہ تمام باتیں تفصیل کے ساتھ بیان کی جا چکی ہیں، اس کے بعد بھی تشفی نہیں ہوئی اور دل نہیں بھرا تو دوسرے مذاہب کی تحقیر و تذلیل اور تنقیص و توہین کو روا رکھا گیا۔ ان کو دین اسلام سے خارج کر کے اہل کتاب اور ذمیوں میں شمار کیا گیا، لیکن حسرت پوری نہیں ہوئی، لہذا ان کو جانوروں اور چوپایوں کے زمرہ میں رکھنے کی کوشش کی گئی۔ کیا اس کے بعد بھی چاروں مذہب کے برحق ہونے کا دعوی صحیح ہو سکتا ہے! اس سے بھی زیادہ تعجب خیز امر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کتاب وسنت کی روشنی میں انکی فقہ کے برخلاف کسی ایک عام مسائلہ پر گفتگو کرتا ہے تو ان کے یہاں بھونچال آ جاتا ہے۔ اسے اپنے مذہب میں نقب زنی پر محمول کرتے ہوئے اسلام کو ہی خطرے میں محسوس کرنے لگتے ہیں۔ گفتگو کرنیوالوں کو گستاخی، بدتمیزی، مطالعہ کی محدودیت، فکر کی سطحیت اور قلب کی بیماری جیسے اوصاف سے متصف کرنے لگتے ہیں، لیکن ان کے کسی عمل سے کوئی فرق نہیں پڑتا خواہ وہ کسی امام مذہب کی مبینہ تنقیص وتوہین ہی کیوں نہ ہو، بلکہ کتاب وسنت میں ہی خرد برد پر کیوں نہ مشتمل ہو۔

بن ادریس شافعی (ف ۲۰۴ھ) رحمہ اللہ تک اس کو وسعت دیدی گئی، اور انتہا درجہ کی جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور رسول اکرم ﷺ کی وعید شدید کے باوجود آپ کے نام پر حدیثیں وضع کی گئیں جن میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو سراج امت اور امام شافعی رحمہ اللہ کو (نعوذ باللہ) فتنہ پرور اور امت کے حق میں ابلیس سے زیادہ نقصان دہ اور مضرت رساں بتلایا گیا۔ قارئین کی اطلاع کے لئے ایک حدیث ذکر کی جاتی ہے جس کو علامہ ابن الجوزی نے تذکرہ الموضوعات میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنداً روایت کیا ہے:

" عن أنس رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: " يكون فی أمتی رجل يقال له محمد بن إدريس أضر علی أمتی من إبليس، ويكون فی أمتی رجل يقال له أبو حنيفة هو سراج أمتی، هو سراج أمتی "

یعنی میری امت میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جس کا نام محمد بن ادریس ہوگا وہ میری امت کے لئے ابلیس سے زیادہ مضر ہوگا، اور میری امت میں ایک شخص ایسا پیدا ہوگا جس کا نام ابُوحنیفہ ہوگا وہ میری امت کے لئے سراج (۱) (چراغ) ہوگا۔

بالکل اسی طرح کی ایک دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے اس میں " فتنته علی أمتی أضر من إبليس " کا لفظ وارد ہوا ہے،

---

(۱) اسی موضوع حدیث کے پیش نظر آپ کو سراج الامت کا لقب حاصل ہوگیا، لیکن تعجب خیز امر یہ ہے کہ سید واڑہ کی شورائی مجلس نے اس لقب کی وسعت اور ہمہ گیری میں نقب لگاتے ہوئے صرف ''سراج المحد ثین'' کے لقب پر اکتفا کرلیا ہے۔ چنانچہ قاسمی منزل سے شائع ہونیوالے دوماہی میگزین ''زمزم'' کی جلد نمبر ۳ کے سرورق یہ عبارت نظر آئی ''بیاد سراج المحد ثین امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ'' گویا زمزم کی اشاعت کے مکمل دو سال بعد امام اعظم رحمہ اللہ کی یاد آئی وہ بھی ''سراج الامت'' کے لقب سے ''سراج المحد ثین'' کے لقب میں تبدیل ہوکر، ظاہر بات ہے سراج الامت میں جو وسعت و ہمہ گیریت اور جامعیت پنہاں ہے وہ سراج المحد ثین میں ہرگز نہیں ہے، جب کہ محد ثین کی مثال ان حضرات کے یہاں محض ''عطارین'' کی ہے، اس غیر معمولی تبدیلی کا راز وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے فقہ حنفی کی تجدید واصلاح (نوین کرن) (جس کا مذکورہ شورائی مجلس نے بیڑہ اٹھا رکھا ہے) کے ضمن میں امام صاحب کے متعلق بھی مجلس تمکین [illegible]

یعنی اس کا فتنہ میری امت کے لئے ابلیس سے بھی زیادہ مضرت رساں ہوگا۔

پہلی حدیث کی سند میں مأمون اور جویباری نامی دو شخص پائے جاتے ہیں انہی دونوں کے بارے میں محدثین کا خیال ہے کہ انہوں نے ہی اس حدیث کو وضع کیا ہے، دوسری حدیث کی سند میں اُبوعبداللہ البورقی نامی شخص ہے، اس نے دوسری حدیث گھڑی ہے (۱) تمام علماء کا اس حدیث کے موضوع (من گھڑت) ہونے پر اتفاق ہے۔ اس کا اعتراف کرتے ہوئے بھی علامہ زاہد کوثری نے حدیث کو صحیح قرار دینے کی کوشش کی ہے، کیونکہ اس حدیث کے مختلف طرق اور متعدد سندیں ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی کوئی اصل اور حقیقت ضرور ہے۔ (۲)

موصوف کثرت طرق کا اعتبار کرتے ہوئے اس حقیقت کو نظرانداز کر گئے کہ حد درجہ ضعیف یا موضوع حدیث کو کثرت طرق یا کثرت سند سے تقویت حاصل ہونے کے بجائے حدیث کا ضعف شدید سے شدید تر ہوجاتا ہے، یا اس کا بطلان مزید واضح ہوجاتا ہے۔ (۳)

زاہد کوثری نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ امام شافعی کی تنقیص اور ان کے مرتبہ کو گھٹانے کے لئے آپ کے حسب ونسب، عربی دانی، فصاحت لسانی، ثقاہت اور فقہ کو بھی مطعون کرنے کی کوشش کی ہے۔ (۴)

علامہ عبدالرحمن بن یحییٰ معلمی رحمہ اللہ نے تنکیل (۵) میں اور مولانا محمد رئیس ندوی حفظہ اللہ نے لمحات میں شیخ کوثری کے بیشتر اتہامات کا سخت نوٹس لیتے ہوئے کافی وشافی جواب دے دیا ہے۔

---

(۱) تذکرۃ الموضوعات (۲/۴۸-۴۹)

(۲) تانیب الخطیب (ص ۴۵)

(۳) ملاحظہ ہو: نصب الرایۃ للزیلعی (۱/۲۵۹) مقدمہ تحفۃ الأحوذی (ص ۵۲)

(۴) تانیب الخطیب (ص ۲۵)

(۵) التنکیل (۲/۷، ۲۰، ۲۹، [illegible]، ۲۱۶، ۲۲۰)

دوسری جانب سے شافعیوں نے بھی احناف کے رویہ پر ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے ان کے خلاف توہین آمیز رویہ اپنایا۔ چنانچہ امام الحرمین أبوالمعالی الجوینی نے حنفی مذہب کی عیب جوئی اور تنقیص وتوہین میں ایک کتاب ہی بنام " مغیث الخلق فی ترجیح المذهب الحق " تصنیف کرڈالی۔

امام موصوف اسی کتاب میں فرماتے ہیں:

''اگر کسی شخص نے نبیذ کے گڈھے میں ایک ڈبکی لگائی، اور کتے کا غیرمدبوغ چمڑا پہن لیا، تکبیر تحریمہ کے کلمات کو ترکی یا ہندی زبان میں ترجمہ کرکے ادا کیا، اور نماز کی نیت سے کھڑا ہوا، قرأت میں (سورہ رحمان) کی آیت " مدهامتان " کے ترجمہ پر اکتفا کیا، پھر رکوع کو چھوڑ کر (سجدہ میں کوے کی طرح) دو چونچیں مارلیں، دونوں سجدوں کے مابین جلسہ نہیں کیا، اور تشہد بھی نہیں پڑھا، سلام کے بجائے آخر میں قصدا گوز ماردیا، تو اس کی نماز صحیح ہوجائے گی، اگر کہیں اس سے تھوڑی سی غفلت ہوگئی، اور بغیر قصد کے ازخود گوز نکل گیا تو درمیان نماز ہی دوبارہ اسے وضو کرنا پڑے گا''۔

حنفی مسلک کے مطابق نماز کی تصویرکشی کے بعد موصوف مزید فرماتے ہیں:

''ہر دیندار کو قطعی طور پر اس بات پر اعتقاد جازم رکھنا چاہئے کہ اس قسم کی نماز دیکر اللہ تعالی کسی بھی نبی کو مبعوث نہیں فرماسکتا، اور نہ رسول اکرم ﷺ کو اس نوعیت کی نماز کی دعوت دینے کے لئے دنیا میں بھیجا ہے۔ اور نماز ہی حقیقت میں اسلام کا اہم ستون اور دین کی اصل بنیاد ہے، لیکن امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) نے اسی مقدار کو اقل واجب قرار دیا ہے۔ اور یہی وہ نماز ہے جس کو لے کر رسول اکرم ﷺ دنیا میں تشریف لائے تھے، بقیہ امور آداب اور سنن میں داخل مانے جائیں گے''۔

مزید فرماتے ہیں:

''اگر یہی نماز جس کو (امام) ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) صحیح قرار دیتے ہیں کسی عامی شخص پر پیش کی جائے اس وضاحت کے ساتھ کہ نماز ہی دین کی اصل بنیاد ہے، تو اسے ہرگز ہرگز

قبول نہ کرے گا، لہذا نماز کے باب میں (امام) ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) کے مسلک کا واضح بطلان ان کے پورے مذہب کے بطلان کے لئے کافی ہے"(۱)

شافعی عالم قفال نے محمود بن سبکتگین کے دربار میں اسی طرح کی نماز پڑھ کر اسے مذہب حنفی سے برگشتہ کر کے شافعی مسلک اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔(۲)

(نوٹ)

ہمہ دانی کا دعویٰ کیے بغیر اپنے ناقص مطالعہ سے جو بات ذہن میں آئی ہے وہ یہ کہ اس قسم کے بیشتر مسائل میں ائمہ کرام نے اقل واجب، جواز وعدم جواز، اور نفاذ وعدم نفاذ کی اپنے قیاس واجتہاد سے جو شکلیں یا حدیں متعین کی تھیں اصحاب مذہب بعد میں چل کر انہیں شکلوں اور حدوں کو قطعی اور آخری شکل قرار دے کر ان پر اس طرح عمل پیرا ہو گئے کہ دوسرے رخ کی جانب توجہ کرنا بھی غیر ضروری سمجھا جانے لگا۔ مثال کے طور پر رکوع وسجود کے تعلق سے انہوں نے یہ کہا کہ مجرد انحناء یا زمین پر پیشانی رکھ دینے کا نام رکوع یا سجود ہے نماز میں اعتدال فرض نہیں ہے، لہذا مذہبیت کی پختگی کے مظاہرہ نیز مخالفین کے رد عمل میں اعتدال متروک ہو گیا، رکوع اور سجود میں اتنے ہی پر اکتفا کیا گیا جس سے لغوی اعتبار سے رکوع وسجود کا نام ہو جائے۔ یہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی کہ اعتدال واطمینان کے بارے میں ائمہ کرام نے کیا فرمایا ہے۔ اس سے زیادہ واضح مثال ایک مجلس کی تین طلاق کے نفاذ یا عدم نفاذ کے تعلق سے ائمہ کرام نے تینوں طلاقوں کو نافذ مانا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی وضاحت کر دی کہ طلاق دینے کا یہ صحیح طریقہ نہیں ہے بلکہ طلاق سنی، طلاق بدعی کی الگ الگ تعریفات فقہ کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ لیکن اہلحدیثوں کی ضد میں ان لوگوں نے طلاق بدعی کو اس طرح دانتوں سے پکڑ لیا ہے اور اس کی اتنی وکالت کی ہے کہ شاید ہی عوام میں سے کسی کو یہ معلوم ہو کہ ایک مجلس میں بیک زبان تینوں طلاق کے گولے داغنا طلاق کا

---

(۱) مغیث الخلق (ص ۵۹)

(۲) [illegible] (ص ۵۹)

مسنون طریقہ نہیں ہے۔ کیونکہ انہیں اہلحدیثوں کے رد میں اس کا موقعہ ہی نہیں ملا کہ عوام کو یہ بتلا سکیں کہ کہ طلاق کا یہ مناسب و مسنون طریقہ نہیں ہے۔ اگر کسی نے اس کے نامناسب ہونے کی جانب اشارہ بھی کیا تو اس کو مثالوں کے ذریعہ ایسی شکل دیدی کہ اس کی غیر مسنونیت کی جانب ذہن ہی منتقل نہ ہو۔ چنانچہ کہا گیا کہ اگرچہ ایک مجلس کی تین طلاق غیر مسنون ہے لیکن ان کو نافذ مانا جائے گا اور ان تینوں کے نفاذ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک شخص بذریعہ ٹرین بلا ٹکٹ کہیں کا سفر کرتا ہے جو نامناسب ہے۔ غیر مناسب ہونے کے باوجود وہ شخص اپنی منزل مقصود کو پہونچ جاتا ہے۔ فقیہ صاحب نے بظاہر اس خوشنما و خوش کن مثال کے ذریعہ تینوں طلاق کے نفاذ کو خداداد قیاسی واجتہادی صلاحیت کے ذریعہ حل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی اور حاضرین مجلس سے سبحان اللہ، سبحان اللہ کی فلک شگاف گونج کے ساتھ داد تحسین بھی حاصل کی ہوگی۔ لیکن فقیہ محترم کے اجتہاد نے انہیں خواہ وہ جتنی بھی خداداد اجتہادی صلاحیت کے مالک ہوں یہاں جُل دے دیا۔ کیونکہ وہ یہ بھول گئے کہ کہیں مجسٹریٹ چیکنگ ہوگئی تو منزل مقصود کے بجائے جیل کی سلاخوں کے پیچھے بطور سرکاری مہمان ان کو پہونچا دیا جائے گا اور ان کی خوب آؤ بھگت بھی کی جائے گی۔

(۴) مناظرہ بازی

احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے قرآن کریم نے جدل و مناظرہ کا اسلوب خود اپنایا ہے، اور رسول اکرم ﷺ کو معاندین کے ساتھ اس اسلوب کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن قرآن کریم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جدل و مناظرہ کی رسی کو بہت ڈھیل دے کر اسے طول دینا پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا:

" فإن جادلوك فقل الله أعلم بما تعملون، الله يحكم بينكم يوم القيامة فيما كنتم فيه تختلفون" (الحج:۶۸-۶۹)

ترجمہ: ''اگر یہ لوگ آپ سے الجھنے لگیں تو آپ کہہ دیں کہ تمہارے اعمال سے اللہ

بخوبی واقف ہے، بیشک تمہارے سب کے اختلاف کا فیصلہ قیامت والے دن اللہ تعالی آپ کرلے گا"۔

اسی طرح جدل ومناظرہ میں وہی طریقہ اور اسلوب اپنانے کا حکم دیا گیا ہے جو حصول مقصد یعنی احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے مفید اور مناسب ثابت ہو۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

"و جادلهم بالتي هي أحسن " (النحل:۱۲۵)

ترجمہ: "اور آپ لوگوں سے بہترین طریقہ سے بحث ومناظرہ کیجئے"

حضرت ابوأمامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"أنا زعيم ببيت في ربض الجنة لمن ترك المراء وإن كان محقا ......" الحدیث (۱)

(میں اس شخص کے لئے جنت کے صحن میں ایک گھر کا ضامن ہوں جس نے جدل ومناظرہ سے حق پر ہونے کے باوجود گریز کیا"۔

جدل ومناظرہ کے سلسلے میں اسلام کی واضح ہدایت کے باوجود علماء متأخرین کے یہاں اسلامی اصول وضوابط کی رعایت کے بغیر اس سے کافی شغف رہا۔ خاص طریقہ سے علماء متکلمین کے یہاں بحث ومناظرہ کی کافی گرم بازاری رہی، کیونکہ عموماً اہل کلام کا مقصود تلاش حق کے بجائے دوسروں کے مقابلہ میں غلبہ حاصل کرنا ہوتا تھا، جیسا کہ فتاوی تاتارخانیہ میں علم کلام سے متعلق رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔ اس کی تائید میں مولانا مناظر احسن گیلانی کا یہ کہنا ہے کہ کلامی مباحث جس زمانہ میں بھی کسی ملک میں چھڑے ہیں بجز فتنوں کی پیدائش اور نئے نئے خیالات، نئی نئی موشگافیوں کے اس کا حاصل کسی زمانہ میں

(۱) اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے کتاب الادب، باب فی حسن الخلق، میں روایت کیا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس پر حسن کا حکم لگاتے ہوئے صحیح أبی داؤد میں ذکر کیا ہے۔ (۹۱۱/۳ حدیث ۱۲،۱۵)

کچھ بھی نہیں نکلا ہے۔(۱)

باوجودیکہ جدل ومناظرہ کو ایک مستقل بالذات فن کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی اور اس کے اصول وضوابط وضع کیے گئے تھے، جن کی رعایت مناظروں میں ضروری خیال کی جاتی تھی، لیکن عملی طور پر اس کے برخلاف عموماً مناظروں میں مدمقابل پر کسی بھی طریقے سے غلبہ حاصل کرنا مقصود ہوتا تھا۔ علامہ خضری بک تاریخ فقہ کے چوتھے دور پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پہلے پہل علم کلام میں بحث ومناظرہ کی مجلسیں منعقد کی جاتی تھیں، جن کے نتیجے میں آپس میں زبردست تعصب اور غیر معمولی خصومات کی فضا قائم ہوگئی جس سے خونریزی اور تخریب کاری کو خوب ہوا ملی۔ بعد میں بعض حکام کی توجہ فقہی امور میں مناظرہ بازی اور مخصوص طور پر امام ابوحنیفہ وامام شافعی کے مذاہب میں راجح کی توضیح وبیان کی جانب مائل ہوئی تو لوگوں نے علم کلام اور دیگر علوم وفنون کو چھوڑ کر مخصوص طریقے سے دونوں اماموں کے مابین اختلافی مسائل کو موضوع بحث بنالیا۔ امام مالک، سفیان، احمد (رحمہم اللہ) اور دیگر ائمہ کرام کے اختلافی مسائل میں تساہل سے کام لیا''۔

فقہ کے باب میں جدل ومناظرہ کے تدریجی ارتقاء کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سابقہ ادوار میں بھی بحث ومناظرہ کا ذکر ملتا ہے، اس قسم کے بہت سے واقعات کا تذکرہ خود امام شافعی نے کیا ہے، جو آپ کے اور فقیہ عراق امام محمد بن حسن کے مابین پیش آئے تھے۔ لیکن بظاہر ان مناظروں کا مقصد صحیح حکم کے استنباط واستخراج تک رسائی ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ ظہور حق کے بعد آراء ونظریات کی تبدیلی میں ان کے یہاں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی تھی۔ کیونکہ وہ آزاد تھے، کسی مذہب اور رائے کے پابند نہیں تھے۔ لیکن زیر نظر عہد میں بحث ومناظرہ کی کثرت اور اس کے اسباب ونتائج میں کافی تبدیلی پیدا ہوگئی۔

(۱) ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت (۱/ ۱۹۸-۱۹۹) فتاوی تاتارخانیہ کی عبارت "...... أو یکون الناظر فیہ قلیل الفہم أو طالبا للغلبة لا للحق"۔

مجالس مناظرہ کی اتنی بہتات ہوگئی تھی کہ کوئی بھی بڑا شہر ان مجالس سے خالی نہیں ہوتا تھا بالخصوص عراق و خراسان کے شہر۔ نوبت یہاں تک پہونچ گئی تھی کہ وزراء و اعیان کی موجودگی میں اس قسم کی مجالس منعقد ہوتی تھیں جن میں بیشمار اہل علم و فضل حاضر ہوتے۔

تعزیت کی محفلوں میں بھی مناظرہ کی مجالس منعقد ہوتی تھیں۔ ابوالولید الباجی لکھتے ہیں:

''بغداد میں عام طور پر یہ رواج تھا کہ جب کسی کا کوئی عزیز انتقال کر جاتا تو وہ اپنے محلہ کی مسجد میں چند دن کے لئے بیٹھ جاتا، اس کے خویش و اقارب اور پڑوسی بھی اس کے ساتھ بیٹھتے، جب چند دن گذر جاتے تو اس کی تعزیت کی جاتی، صبر و تحمل کی تلقین کے ساتھ معمول کے کام کاج میں لگ جانے کی تلقین کی جاتی، جتنے دن وہ اپنے خویش و اقارب اور پڑوسیوں کے ساتھ اپنی مسجد میں تعزیت کے لئے بیٹھتے اتنے دن عموماً قرآن کی قرأت جاری رہتی یا فقہاء بحث و مناظرہ کی مجالس گرم رکھتے''۔

اس کے بعد موصوف علامہ محمد خضری بک نے مناظرہ کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''مناظرہ بازی کا اہم سبب امراء و سلاطین کی خواہش کی تکمیل تھا، کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے خود فریبی کا شکار ہو کر یہ سمجھ رکھا تھا کہ ان کا مقصد شریعت کے دقائق کا استخراج و استنباط، مذاہب کے علل و حکم کا اثبات اور اصول فتاوی کی تمہید ہے''۔

اس کے بعد مندرجہ ذیل امور کو مناظرہ کے نتائج کے طور پر شمار کیا ہے:

''بغض و حسد، کبر، لوگوں پر اپنی برتری جتانا، غیبت و چغل خوری، تجسس، لوگوں کے پوشیدہ عیوب کے درپے ہونا اور انہیں ظاہر کرنا۔ لوگوں کی غمی پر خوش ہونا اور خوشی پر غمگین ہونا، نفاق، قبولیت حق سے انکار، ریاء کاری، عوام کی مدارات اور ان کو اپنی جانب مائل کرنے کی پوری کوشش کرنا۔ یہ تمام امور بحث و مناظرہ کے ایسے سنگین نتائج ہیں جن سے کوئی مناظرہ باز محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اور جو فقہاء کرام کو ان کے اپنے اصل مقام و مرتبے سے بہت نیچے گرا دیتے ہیں۔ چونکہ فقہاء شریعت کے محافظ اور دین کے نگراں ہوتے ہیں

اس لئے انہیں ادب واخلاق کا پیکر مجسم ہونا چاہئے۔ لیکن یہ مناظرے جن سے اللہ تعالی کی رضا مطلوب نہیں ہوتی ہے بہت سے لوگوں کو اس مقام تک پہونچا دیتے ہیں جس کی وضاحت خود ایک ایسے شخص نے کی ہے جو اس کا شکار ہو چکا تھا اسے اللہ تعالی نے بچا لیا۔ ابن السبکی طبقات میں لکھتے ہیں: "ابو حیان توحیدی کہتے ہیں: میں نے شیخ ابو حامد کو طاہر عبادانی سے کہتے ہوئے سنا ہے: "جدل ومناظرہ کی مجلسوں میں جو کچھ تم مجھ سے سنتے ہو اسے نہ اخذ کیا کرو، کیونکہ مناظرہ میں مدمقابل کو جل دینے، مغالطہ میں مبتلا کرنے، اس کو دبانے اور اس پر غلبہ حاصل کرنے کی غرض سے بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں، اللہ تعالی کی خوشنودی اور رضا مقصود نہیں ہوتی، اگر اللہ تعالی کی رضا مقصود ہوتی تو خاموشی اور سکوت کی جانب ہمارے قدم زیادہ تیز اٹھتے،...."(۱)

بعض لکھنے والوں نے متأخرین فقہاء کے یہاں مناظرہ کی گرم بازاری کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھا ہے کہ دجلہ وفرات کے ساحلوں پر مناظرہ کے اسٹیج سجائے جاتے، جن میں زبان کے آزادانہ استعمال کے ساتھ ہاتھ پاؤں کا بھی برملا استعمال کیا جاتا، اور نوبت ایک دوسرے کی داڑھیوں کو نوچنے اور خونریز تصادم تک جا پہونچتی۔ اسی مناظرہ بازی کے مقصد نیک (؟) کی خاطر رمضان کے فرض روزے ترک کر نیکا فتوی صادر کیا جاتا، کہ مناظر صاحب کو روزے کی وجہ سے مشقت نہ اٹھانی پڑے۔

قارئین کرام نے ملاحظہ کیا کہ جس تقلید کو دین کی حفاظت وبقاء اور امت کی صفوں میں اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کے لئے ضروری قرار دیا جاتا ہے اور اس پر ہر دور کے علماء کا اجماع نقل کیا جاتا ہے' اس تقلید نے حفاظت وبقاء تو درکنار دین کا تیاپانچا کر کے رکھ دیا ہے۔ اتفاق واتحاد کجا امت کو مختلف ٹکڑیوں میں اس طرح تقسیم کر کے رکھ دیا کہ ہر گروہ دوسرے گروہ کے خلاف برسرپیکار نظر آتا ہے۔ ہر ایک کا دل دوسرے کے خلاف بغض وحسد اور نفرت وعداوت سے لبریز معلوم ہوتا ہے۔ اس کے واضح اثرات مذہب کی مختلف کتابوں

(۱) ملاحظہ ہو: تاریخ التشریع الاسلامی (ص ۲۸۳-۲۸۹)

میں محسوس کیے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ علامہ زیلعی اپنی کتاب نصب الرایہ میں کسی بھی مسألہ میں " أحاديث أصحابنا " کے زیر عنوان حنفی مذہب کی تائید کرنے والی احادیث کا ذکر کرتے ہیں، اس کے بعد " أحاديث الخصوم " کا عنوان قائم کر کے اپنے مد مقابل حریف خاص طور سے شافعی مذہب کی تایید کرنے والی احادیث ذکر کرتے ہیں اور ان کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ میرے خیال میں اس وضاحت کی ضرورت نہیں ہے کہ لفظ ''خصم'' اپنے جلو میں کس طرح کے معانی و مفاہیم رکھتا ہے، یہ بھی ایک المیہ ہے کہ کتاب و سنت کے نصوص بھی مذہب کی بناء پر تقسیم کا شکار ہو کر رہ گئے، ایک قسم کے نصوص وہ ہیں جو ہمارے ہیں اور ہمارے مسلک کی تایید کرتے ہیں، ایک قسم کے نصوص وہ ہیں جو ہمارے دشمنوں کے ہیں اور ان کے مسلک کی تایید کرتے ہیں، تلك إذاً قسمة ضيزى۔

(۵) مذہبی تعصب کا شاخسانہ

تقلیدی مذاہب کی وجہ سے پیدا ہونے والی مناظرہ بازی، آپسی عداوت و دشمنی اور نفرت و کراہیت تاریخ کے بعض ادوار میں اس حد تک پہونچ گئی تھیں کہ مقلدین مذاہب کے مابین زبردست خونی تصادم اور حد درجہ ہولناک فتنے رونما ہوئے، جو تاریخ کے صفحات پر آج بھی محفوظ ہیں۔ جن میں بیشمار جانیں ضائع ہوئیں، اموال تلف ہوئے، بستیاں اور شہر ویران ہو گئے، اور ان ہلاکت خیز فتنوں کے سبب کھنڈرات میں تبدیل ہو کر رہ گئے۔ چنانچہ اصفہان ایک زمانہ میں ایران کا ایک نہایت زرخیز سرسبز و شاداب شہر اور والیان اصفہان کی علم دوستی کی وجہ سے علم و فن کا عظیم مرکز تھا۔ یاقوت الحموی (ف ۶۲۶ھ) اس کی سابقہ عظمت و شوکت کا تذکرہ کرنے کے بعد نہایت ہی کرب و الم کے ساتھ شہر کی موجودہ حالت زار کا نقشہ کھینچتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''شوافع اور احناف کے مابین کثرت فتن، مسلکی تعصب اور مسلسل خونی تصادم

کے باعث اس شہر کے مختلف علاقوں میں ویرانی چھائی ہوئی ہے، (حالت یہ ہے کہ) جب بھی کوئی گروہ غالب آتا ہے دوسرے گروہ کے محلوں میں بغیر کسی رو رعایت کے لوٹ مار مچاتا آتش زنی اور تباہی پھیلاتا ہے، یہی حالت قصبوں اور دیہاتوں کی بھی ہے" (۱)

اسی طرح شہر "ری" کے تذکرے میں بھی ۶۱۷ھ میں وہاں اپنی آمد اور وہاں کی تباہی کا آنکھوں دیکھا حال ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اہالیان شہر تین فرقوں میں منقسم تھے، (۱) شوافع، وہ اقلیت میں تھے، (۲) احناف، ان کی کثرت تھی، (۳) اہل تشیع، ان کو اغلبیت حاصل تھی، ابتداءً سنیوں اور شیعوں کے مابین گروہی عصبیت پیدا ہوئی، احناف اور شوافع نے ملکر ان پر غلبہ حاصل کیا، اور ایک طویل عرصہ تک جنگ جاری رہی، یہاںتک کہ سنیوں نے شیعوں کا بالکل صفایا کر دیا۔ جب ان سے چھٹی ملی تو شوافع اور احناف کے مابین مسلکی تعصب نے جگہ لے لی، اور ان کے درمیان جنگی سلسلہ شروع ہو گیا۔ تمام جنگوں میں قلت تعداد کے باوجود شافعیوں کا پلہ بھاری رہتا۔ مضافاتی علاقوں کے باشندے جو حنفی المسلک تھے، مسلح ہو کر اپنے ہم مذہب لوگوں کی مدد کے لئے شہر پہونچتے، لیکن ان کا آنا بے سود ہوتا۔ اس کا سلسلہ برابر جاری رہا تا آنکہ سب فنا کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ اہل تشیع اور احناف میں وہی شخص زندہ بچ سکا جس نے اپنے مذہب کو مخفی رکھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے مکانات زمیں دوز اور اتنی تنگ و تاریک گلیوں کے بعد بنانا شروع کیا جہاں تک رسائی سخت دشوار گذار ہوتی تھی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو شاید ان میں سے کوئی شخص زندہ نہ بچتا"۔ (۲)

اسی قسم کے متعدد واقعات حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی ذکر کئے ہیں، چنانچہ عزیز مصر ملک افضل ابن صلاح الدین کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے ۵۹۵ھ میں یعنی جس سال ان کی وفات ہوئی تھی اپنے شہر سے حنابلہ کو نکال باہر کرنے کا عزم مصمم کر لیا تھا،

---

(۱) معجم البلدان (۱/۲۰۹)

(۲) معجم البلدان (۴/۳۵۵، ۳۵۶)

اوراپنے بھائیوں کو بھی اسی مقصد سے خط لکھنے والے تھے۔(۱)

فخر الدین رازی جب شاہ غزنہ کے پاس پہونچے تو شاہ غزنہ نے رازی کا خیر مقدم کیا اور نہایت عزت واکرام کے ساتھ ان کا استقبال کیا، ھرات میں ان کے لئے ایک مدرسہ بھی بنوادیا، چونکہ اہل خراسان ابن کرام (۲) کے معتقد تھے اس لئے شاہ غزنہ کے اس عمل پر خراسان میں ایک زبردست ہنگامہ برپا ہوگیا۔علامہ رازی کی مخالفت میں ایک بڑا فتنہ کھڑا کردیا۔ان سے مناظرہ بازی ہوئی، جوسب شتم اور گالی گلوج پر انجام پذیر ہوا۔ایک شخص نے جامع مسجد میں تقریر کی، اور رازی کے افکار ونظریات پر نکیر کرتے ہوئے عوام کو ان کے خلاف خوب ورغلایا، مجبوراشاہ غزنہ کوانہیں ملک چھوڑ دینے کا حکم دینا پڑا۔(۳)

دمشق میں بھی ایک دوسرے بڑے فتنہ کا تذکرہ کیا ہے جوعلامہ عبدالغنی مقدسی کے سبب بھڑک اٹھا تھا۔مسجد اموی میں حنابلہ کے لئے جوجگہ مخصوص کردی گئی تھی اس میں آپ درس دیا کرتے تھے۔ایک مرتبہ اثناء درس آپ نے اللہ تعالی کی صفات کا مسئلہ چھیڑ دیا۔جس پر دیگر مذاہب کے لوگ بھڑ گئے۔امیر صارم الدین برغش نے ایک مجلس مناظرہ کا اہتمام کیا جس میں فقہاء نے آپ سے مناظرہ کیا، جوکسی نتیجہ پر نہیں پہونچا۔امیر نے آپ کوشہر چھوڑ دینے کا حکم دیا۔اور قیدیوں کو آزاد کردیا جنہوں نے جاکر حنابلہ کے منبر کو توڑ ڈالا۔اس دن سورش اور ہنگامہ کی وجہ سے حنابلہ کے محراب میں ظہر کی نماز نہیں پڑھی جاسکی، اور وہاں محفوظ صندوقوں اور الماریوں کو لوگ نکال کر لے بھاگے، ایک عظیم تباہی مچی رہی‘‘(۴)

ایسانہیں ہے کہ اس قسم کی صورتحال بہت بعد میں چل کر پیدا ہوئی تھی۔تاریخ کی

---

(۱)البدایۃ (۱۸/۱۳)

(۲) فرقہ کرامیہ کا بانی محمد بن کرام بجستانی (م ۲۵۵ھ) مختلف مبتدعانہ عقائد کا حامل تھا، اللہ تعالی کے لئے جسم کا قائل تھا۔ملاحظہ ہو: سیر اعلام النبلاء(۵۲۳/۱۱)

(۳)البدایۃ (۱۹/۱۳)

(۴) أیضاً (۲۱/۱۳)

کتابوں میں چوتھی صدی ہجری کے اواخر سے ہی مسلکی تعصب کی بناء پر فضا مکدر دکھائی دیتی ہے۔ یہ وہی زمانہ ہے جس کے بارے میں شاہ ولی اللہ دہلوی کے بقول ائمہ اربعہ کی تقلید کا رواج ہوا تھا۔ عباسی خلیفہ قادر باللہ نے ۳۹۳ھ میں شافعی عالم ابوحامد اسفرائینی کے مشورے پر قاضی بغداد محمد ابن الاکفانی حنفی کو معزول کر کے ابوالعباس احمد بن محمد البازری شافعی کو منصب قضاء پر متعین کر دیا تھا۔

اسفرائینی نے محمود بن سبکتگین اور اہل خراسان کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے خط لکھا کہ ''خلیفہ نے منصب قضاء احناف سے لیکر شوافع کو دے دیا ہے'' جس سے اس مسئلہ کو کافی شہرت حاصل ہوگئی۔ اہالیان بغداد دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور ان کے مابین فتنے کی آگ بھڑک اٹھی۔ مجبوراً خلیفۂ وقت نے اعیان شہر کو اکٹھا کیا، اور ان کے سامنے ایک خط رکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اسفرائینی نے نصح و خیر خواہی کے نام پر امیر المؤمنین کے کان بہت سی باتوں سے بھر دیئے تھے۔ بعد میں خلیفہ پر واضح ہو گیا کہ یہ ساری باتیں خیر خواہی و امانتداری کی نہیں، بلکہ مطلب براری اور بد دیانتی کے تحت کہی گئی تھیں لہذا علامہ بازری کو معزول کر کے منصب قضاء احناف کو دیا جاتا ہے، اور انہیں جو مقام و عزت پہلے حاصل تھی دوبارہ بحال کی جاتی ہے۔(۱)

اس سے بھی پیشتر ۳۲۳ھ کے واقعات میں علامہ ابن الاثیرؒ رقم طراز ہیں:

''اس سال (بغداد میں) حنابلہ کو کافی غلبہ حاصل ہو گیا تھا، اور ان کی طاقت و قوت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ انہوں نے عمائدین اور عوام کے گھروں پر چھاپہ مارنا شروع کر دیا تھا۔ اگر وہ کہیں نبیذ پاتے تو اُسے بہا دیتے، گانے بجانے والی عورتیں ملتیں تو زدوکوب کرتے، آلات موسیقی کو توڑ ڈالتے۔ غرض کہ انہوں نے بغداد میں ایک سورش برپا کر رکھی تھی۔ پولیس آفیسر نے شہر بغداد کے دونوں کناروں پر منادی کرا کر حنابلہ پر دفعہ ۱۴۴ نافذ کر رکھا تھا کہ کہیں بھی دو حنبلی شخص اکٹھا نہیں ہو سکتے۔ نماز کی امامت جہری نمازوں میں ''بسم اللہ''

---

(۱) نظرۃ تاریخیۃ فی حدوث المذاہب از احمد تیمور (ص ۹، ۱۰) منقول از ''بدعۃ التعصب المذہبی'' (ص ۲۱۴)

جہراً (بلند آواز سے) پڑھنے والا ہی کرا سکتا ہے۔ لیکن اس کا خاطر خواہ فائدہ نہیں حاصل ہوا ان کا معاملہ عروج پر تھا، مسجدوں میں پناہ لینے والے نابیناؤں کے توسط سے دیگر مذاہب والوں کو اذیت پہونچاتے۔ خصوصاً کسی شافعی کو گذرتے دیکھتے تو اس پر نابینا لوگوں کو للکار دیتے اور وہ اسے اتنا زدوکوب کرتے کہ وہ قریب المرگ ہو جاتا۔ لہذا خلیفہ راضی کے دستخط سے ایک حکم نامہ صادر ہوا جو خصوصی طور پر حنابلہ پر پڑھا گیا جس میں حنابلہ کے عمل پر کافی نکیر اور ان کی توبیخ کی گئی تھی۔ (۱)

قارئین کرام نے بعجلت تمام پیش کردہ ان واقعات کی روشنی میں مذہبیت (تقلید) کی برکت اور تقلیدی مذاہب کی کارستانیاں ملاحظہ فرمالی ہونگی۔ ایسا نہیں ہے کہ آج اس کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ آج بھی موقعہ ملے تو ایک مذہب کے ماننے والے دوسرے مذہب کے لوگوں کو زندہ نہ رہنے دیں۔ بلکہ موجودہ حالات میں بھی ایسی مثالیں سننے کو ملتی ہیں کہ مسلکی تعصب کی بناء پر لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنے سے گریز نہیں کیا جاتا ہے، طلاقیں دیدی جاتی ہیں، سماجی بائیکاٹ کر کے لوگوں کی زندگیاں اجیرن بنادی جاتی ہیں، معاشرہ کے امن وامان کو درہم برہم کرنے میں تردد سے کام نہیں لیا جاتا، خونریز فتنوں کو ہوا دی جاتی ہے۔ سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ خود کچھ بھی کریں، کچھ بھی انجام دیں، امام شافعی جیسے ائمہ سلف کی مذمت میں حدیثیں وضع کریں، اور ان کو ابلیس سے بھی زیادہ ضرر رساں قرار دیں، ان کے ماننے والوں کو اہل کتاب کے زمرے میں شامل کریں، یا ان کے ساتھ کتوں اور چوپایوں جیسا سلوک کریں، امام بخاری کو طفل مکتب سے بھی زیادہ جاہل، تنگ نظر اور متعصب بتلائیں۔ اپنے مذہب ومسلک کو برحق ثابت کرنے کے لئے مستقل کتابیں لکھیں، اور اپنے ائمہ وعلماء کے اقوال کو صحیح ثابت کرنے کے لئے سینہ سپر رہیں (۲)

(۱) الکامل (۸/۱۰۶) ظہر الاسلام (۱/۷۹-۸۰)

(۲) یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ انہی لوگوں کے بزرگ مورخین کا کہنا ہے۔ اگر یقین نہ آئے تو نقش دوام مؤلفہ انظر شاہ مسعودی (ص ۱۷۶) ملاحظہ فرما کر اطمینان حاصل کرلیں۔ موصوف لکھتے ہیں "وہی احناف جو فقہ حنفی کے ثبوت واثبات میں ہر وقت سینہ سپر نظر آتے ہیں...."۔

دوسرے علماء کرام اور ائمہ مذاہب بلکہ صحابہ کرام وتابعین عظام کے احترام وتقدس کو بالائے طاق رکھ کر ان کی تنقیص وتوہین کا رویہ اختیار کریں، گالیاں دیں (۱)، کتر بیونت اور عبارتوں میں خیانت کا عمداً ارتکاب کر کے دیگر علماء کرام کو تہمتوں اور الزام تراشیوں کی سان پر چڑھانے کا کام انجام دیں، ہمہ دانی کے زعم میں مبتلا ہو کر عبارتوں کو غلط سمجھیں اور ان کا غلط مفہوم متعین کریں اور پھر علمائے اہل حدیث کو ان کی بنیاد پر جاہل قرار دیں، ان کی عبارتوں میں کیڑے نکالنے بیٹھیں، آیات واحادیث میں مبینہ طور پر کمی وبیشی کا عمل انجام دیں، اور اس کے دفاع میں بعض بظاہر سنجیدگی ومتانت سے متصف حضرات قلم سنبھال لیں۔ ان تمام حرکتوں سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے۔ یہی حضرات پارسائی، سنجیدگی، صحابہ کرام وائمہ عظام کی توقیر واحترام، امت کی صفوں میں وحدت، شیریں زبانی، کردار کی بلندی، اور اس جیسے دیگر تمام اوصاف حسنہ کے تنہا اجارہ دار ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر اہلحدیثوں کی جانب سے کسی ایک جزئی مسألے پر کوئی ایک معمولی مضمون آ گیا تو ان کی صفوں میں بھونچال آ جاتا ہے، ان کی دوربیں نگاہیں اسی میں سارے فتنوں کو محسوس کر لیتی ہیں، امت کی صفوں میں انتشار نظر آنے لگتا ہے۔ حرم میں چار مصلے قائم کر کے امت میں اتحاد کے یہی دعویدار ہر چہار جانب سے مراسلوں، مستقل مضامین، کتابوں اور سمیناروں کے ذریعہ سد باب کی جان توڑ کوشش کرتے ہیں۔ اپنے ماضی اور حال پر غبار ڈال کر دوسروں پر کیچڑ اچھالتے ہیں، اور اسے تقرب الی اللہ کا باعث سمجھا جاتا ہے۔ مصر کی بین الاقوامی شہرت کی حامل شخصیت علامہ رشید رضا رحمہ اللہ نے بھی مقلدین مذاہب کی صورتحال کا اجمالی نقشہ کھینچتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ہر ایک نے اپنے مذہب کی تقلید کو حتمی قرار دینے، اور مقلدین مذہب کو ضرورت کے پیش نظر بھی دوسرے مذہب کی تقلید کی اجازت نہ دینے میں شدت سے کام لیا ہے۔ اور

---

(۱) اگر گالیوں کے نمونے ملاحظہ کرنے ہوں تو ''انتقاد صحیح بجواب ذیل رکعات تراویح'' کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ مؤلف نے کتاب کے شروع میں ان کے اکابرین کی گالیوں کے اچھوتے نمونے خود ان کی کتابوں سے جمع کر دیئے ہیں۔ (ص ۲۵ وما بعد)

اس سلسلے میں ان کی مناظرہ بازی اور ایک دوسرے کی طعن وتشنیع اور تنقیص کے واقعات سے تاریخ اور سیر وتراجم وغیرہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں......"

موجودہ دور میں فقہی اختلاف اور ان کے نتیجے میں واقع ہونے والے فتنہ وفساد کی شدت میں کمی کا تذکرہ کرنے کے باوجود لکھتے ہیں:

"لیکن برابر اس قبیل کے ناپسندیدہ واقعات کی خبریں سننے میں آرہی ہیں۔ انہیں واقعات میں سے ایک حنفی المسلک افغانی کا یہ واقعہ بھی ہے جس نے صف کے اندر اپنے بغل میں ایک شخص کو سورہ فاتحہ کی قرأت کرتے ہوئے سنا تو اس کے سینہ پر ایک زبردست گھونسہ رسید کر دیا جس سے وہ اپنی پشت کے بل گر پڑا اور قریب تھا کہ اس کی موت واقع ہو جاتی۔ اسی طرح ایک دوسرا واقعہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بعض مقلدین مذہب نے تشہد میں شہادت کی انگلی کو حرکت دینے پر ایک نمازی کی انگلی ہی کو توڑ دیا۔ پچھلی صدی کے اواخر کی بات ہے کہ شام کے شہر طرابلس میں بعض متعصبین مذہب کی ایذا رسانی سے تنگ آکر کچھ شافعی علماء ملک کے مفتی اعظم جو صدارت علماء کے منصب پر بھی فائز تھے، کے پاس گئے اور مطالبہ کیا کہ ہمارے اور احناف کے مابین مساجد تقسیم کر دی جائیں، کیونکہ فلاں حنفی عالم ہمیں ذمیوں کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں، کیونکہ انہوں نے آج کل حنفی مرد کی شافعی عورت سے شادی کے مسائل میں احناف کے اختلاف، بعض کے عدم جواز اور بعض دوسرے لوگوں کے جواز کے فتوی کو شہرت دے رکھی ہے، جو عدم جواز کے قائل تھے ان کی دلیل یہ تھی کہ شافعی عورت اپنے ایمان میں شک کرتی ہے، یعنی شافعیہ واشاعرہ وغیرہ کے نزدیک یہ کہنا درست ہے کہ میں ان شاء اللہ مؤمن ہوں۔ اور بعض دوسرے حنفی فقہاء شافعی عورت کو ذمی عورت پر قیاس کرتے ہوئے اس سے شادی کو جائز اور درست قرار دیتے ہیں"۔

اس کے بعد علامہ موصوف نہایت ہی پرسوز اور درد بھرے لہجے میں سوال کرتے ہیں:

"سلف صالح کی رواداری، شریعت میں اللہ تعالی کی پیدا کردہ آسانی اور رفع حرج کی خاص رعایت اور اجتہادی آراء کے ذریعہ مسلمانوں کے مابین تفریق سے ان کے اجتناب

کے مقابلے میں متاخرین کے تعصب اوران کی تنگ نظری، ایذاء رسانی اوراجتہادی آراء کے ذریعہ مسلمانوں کے مابین تفریق کتنی تعجب خیز ہے؟"(۱)

ملاحظہ فرمائیں! یہ کسی ایسے شخص کا نقد وتبصرہ نہیں ہے جو برصغیر کی نومولود فتنہ پرور جماعت جسے یہ لوگ غیر مقلدین کا نام دیتے ہیں، سے منسوب ہے، بلکہ یہ ایک ایسے شخص کا نقد وتبصرہ ہے جو پچھلی صدی میں اسلامی اتحاد کا علم برداراوراس کا سب سے بڑا داعی اور مناد سمجھا جاتا ہے۔ اگر یہ حضرات اپنے اس دعوی میں حق بجانب ہوتے کہ تقلید امت اسلامیہ کے شیرازہ کوانتشار سے بچانے اوراس کی صفوں میں اتفاق واتحاد پیدا کرنے کا سب سے بڑا وسیلہ اور ذریعہ ہے تو کبھی بھی تقلید کے برے عواقب اورانجام بد کے خلاف رشید رضا جیسا عالم حرف شکایت زبان پر نہیں لاتا۔ ان حضرات کواپنے اس دعوی پرنظر ثانی کرنا ہوگا کہ "لامذہبیت ضلالت وگمراہی کا پل اوروسیلہ ہے، اورتقلید سے امت میں اتفاق واتحاد کی فضاء قائم ہوتی ہے"۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر ضلالت وگمراہی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس کے ذریعہ احکام الٰہی سے فراراختیار کرنے کی راہیں ملتی ہیں، مطلب براری کے لئے اسلام سے ارتداد کی بھی اجازت نصیب ہوتی ہے۔ اوراس سے بڑھ کرانتشار اورتفرقہ بازی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ تقلید کی وجہ سے ایک مذہب کے لوگ دوسرے مذہب کے لوگوں کواہل کتاب، ذمی بلکہ چوپایوں کے درجے میں رکھتے ہیں۔

اسی طرح برصغیر کی جماعت اہل حدیث (جس کو یہ حضرات "غیر مقلدین" جیسا لقب عنایت کرکے اپنے قلب وجگر کو راحت پہونچاتے ہیں) کے بارے میں ان کا پروپیگنڈہ بھی غلط ہوجاتا ہے کہ یہ جماعت تقلید کا انکار کرکے ائمہ کرام کی گستاخی، ملت میں تفرقہ بازی، انتشار اورفتنوں کا سبب بنتی ہے۔ لیکن یہ بھی ایک طے شدہ بات ہے کہ یہ حضرات ہرچیز میں تبدیلی برداشت کرسکتے ہیں لیکن اپنے افکار ونظریات سے کبھی بھی تقلید مذہب کے نام پر سرموانحراف نہیں کرسکتے خواہ ان میں امام مذہب ہی کی سراسر مخالفت کیوں نہ پائی جاتی ہو۔

---

(۱) مقدمہ المغنی [illegible] (ج ۱ ص ۱۸)

(۸)

دعوئ احترام صحابہ اور اس کی حقیقت

کتاب وسنت میں صحابہ کرام کا مقام ومرتبہ:

کتاب وسنت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جو مقام ومرتبہ بتلایا گیا ہے، اور خود انہوں نے اسلام کی نشر واشاعت میں جو عظیم ۔۔ عظیم قربانیاں پیش کی ہیں وہ کسی بھی صاحب ایمان یا صاحب بصیرت سے مخفی نہیں ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ تعالی کا یہی ارشاد کافی ہے" و السابقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان رضى الله عنهم و رضوا عنه وأعدلهم جنات تجرى من تحتها الأنهر خالدين فيها أبدا ذلك الفوز العظيم" (سورۃ التوبہ: آیت:۱۰۰)

اور مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے، اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کرر کھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے"۔

اسی طرح اللہ تعالی کا ارشاد ہے:" محمد رسول الله و الذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعا سجدا" (سورۃ الفتح: آیت ۲۹)

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں۔ تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں"۔

غرضیکہ متعدد آیات میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فضیلت، ان کے علو مرتبت اور عظمت شان کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اور ان کے فضائل ومناقب میں

بے شمار احادیث وارد ہوئی ہیں۔ انہی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ''لا تسبوا أحداً من أصحابي فلو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهبا ما أدرك مد أحدهم ولا نصيفه''۔ (۱)

''میرے کسی صحابی کو گالی مت دو، اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردے پھر بھی وہ میرے اصحاب کے خرچ کئے ہوئے ایک مُد بلکہ نصف مد کو بھی نہیں پہنچ سکتا''۔

اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی ہے جس میں آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''إن خيركم قرني، ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ''......قال عمران : فلا أدري أقال رسول الله بعد قرنه مرتين أو ثلاثة...... الحديث (۲)

''بیشک سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، اس کے بعد میرے بعد کے لوگوں کا زمانہ ہے، اس کے بعد ان کے بعد کے لوگوں کا زمانہ ہے، اس کے بعد ان کے بعد کے لوگوں کا زمانہ ہے۔'' صحابی رسول حضرت عمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے یاد نہیں رہا کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے زمانے کے بعد دو مرتبہ زمانہ کو افضل قرار دیا یا تین مرتبہ۔

اس کے علاوہ دیگر متعدد صحیح احادیث میں صحابہ کرام کے مقام و مرتبہ اور ان کی عظمت کو واضح کیا گیا ہے، ان سے محبت اور ان کی تعظیم و تکریم کو ضروری قرار دیا گیا ہے بلکہ ایمان کی علامت بتلایا گیا ہے۔

صحابہ کرام اور علماء سلف:

یہی وجہ ہے کہ ائمہ سلف نے عقائد کے بیان میں صحابہ کرام سے محبت اور ان کی

---

(۱) ملاحظہ ہو: صحیح البخاری، کتاب فضائل الصحابہ (۷/۲۱ حدیث نمبر ۳۶۷۳) وصحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابہ (۴/ ۱۹۶۷-۱۹۶۸ بنمبر ۲۵۴۱) مذکورہ الفاظ امام مسلم کے ہیں۔

(۲) ملاحظہ ہو: صحیح البخاری (۵/ ۲۵۸، ۷/ ۳، ۱۱/ ۲۴۴ حدیث نمبر ۲۶۵۱، ۳۶۵۰، ۶۴۲۸) وصحیح مسلم: فضائل الصحابہ (۴/ ۱۹۶۲ حدیث نمبر [illegible])

تعظیم وتوقیر کو بھی اسلامی عقیدہ کے ایک اہم ترین جزء کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے علامہ لا لکائی لکھتے ہیں:

''و نترحم علی جمیع أصحاب النبی ﷺ، ولا نسب أحدا منهم لقوله عز و جل: (والذین جاء وا من بعد هم یقولون ربنا اغفرلنا ولإخواننا الذین سبقونا بالإیمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا إنك رؤوف رحیم). (الحشر: ۱۰) (۱)

''ہم تمام صحابہ کرام کے حق میں اللہ تبارک وتعالی سے ان پر نزول رحمت کی دعا کرتے ہیں، ان میں سے کسی کو بھی برے الفاظ سے یاد کرنے کو جائز نہیں سمجھتے، کیونکہ ان کے بارے میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: (اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے، اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب! بیشک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے)۔

امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

''وإذا رأیت الرجل ینتقص أحدا من اصحاب رسول الله ﷺ فاعلم أنه زندیق و ذلك أن الرسول حق والقرآن حق و ما جاء به حق وإنما أدی إلینا ذلك كله الصحابة و هؤلاء یریدون أن یجرحوا شهودنا لیبطلوا الكتاب والسنة والجرح بهم أولی وهم زنادقة''. (۲)

''جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ کسی صحابی کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے، اور یہ اس لئے ہے کہ رسول برحق ہیں، قرآن برحق ہے، اور قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ برحق ہے، اور ان تمام باتوں کو ہم تک پہنچانے والے صحابہ ہی ہیں۔ لہذا صحابہ کی عیب جوئی اور تنقیص کرنے والے یہ لوگ ہمارے گواہوں (ہم تک دین پہنچانے والوں) کو

(۱) شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ (۱/۶۰)

(۲) الاصابۃ (۱/۱۰)

مجروح کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ کتاب وسنت کو باطل قرار دے سکیں، حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ مجروح قرار دیئے جانے کے زیادہ مستحق ہیں، بلکہ یہ زندیق ہیں''۔

علامہ طحاوی رحمہ اللہ اپنے عقیدہ کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ونحب أصحاب رسول الله ﷺ، ولا نفرط فی حب أحدمنهم، ولا نتبرأ من أحدمنهم،و نبغض من يبغضهم و بغير الخير يذكرهم ولا نذكرهم إلا بخير، وحبهم دين وإيمان وإحسان، وبغضهم كفرو نفاق وطغيان" (۱)

یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہم محبت کرتے ہیں، لیکن کسی کی محبت میں مبالغہ سے کام نہیں لیتے، اور نہ ان میں سے کسی سے برأت ظاہر کرتے ہیں، ان سے بغض وحسد رکھنے والوں اور ان کی بدگوئی کرنے والوں کو مبغوض سمجھتے ہیں، ہم ان کا صرف ذکر خیر ہی کرتے ہیں، ان کی محبت دین وایمان اور احسان ہے، اور ان سے بغض کفر ونفاق اور طغیان وسرکشی ہے''۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اعلم أن سب الصحابة رضی الله عنهم حرام من فواحش المحرمات سواء من لا بس الفتن منهم و غيره لأنهم مجتهدون فی تلك الحروب متأولون".(۲)

''جان لو! صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو برے الفاظ سے یاد کرنا حرام بلکہ بڑے حرام کاموں میں سے ہے، خواہ وہ آپسی جنگ کے فتنہ میں مبتلا ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔ کیونکہ ان جنگوں کے بارے میں انہوں نے اجتہاد اور تاویل سے کام لے کر ان میں شمولیت اختیار کی تھی یا ان سے کنارہ کش رہے تھے''۔

اس طرح تمام ائمہ سلف نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعلق سے کتاب وسنت کی

---

(۱) العقیدۃ الطحاویۃ (ص ۵۶ طبع الفرقان ریاض)

(۲) [illegible]

روشنی میں ان سے ولاء ومحبت، ان کی توقیر وتعظیم اور ان کے اجلال واکرام کے وجوب کی صراحت کرتے ہوئے کسی قسم کی ان کی تنقیص، عیب جوئی اور ان پر زبان درازی کو حرام بتلایا ہے۔

صحابہ کرام اور علماء اہل حدیث:

ائمہ سلف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علماء اہل حدیث نے بھی اسی روش کو اختیار کیا ہے، چنانچہ انہوں نے بھی عقائد کی اپنی کتابوں میں بلکہ موقع اور مناسبت سے دیگر تصنیفات میں بھی صحابہ کرام سے بغیر کسی استثناء کے ولاء ومحبت، ان کی تعظیم وتکریم اور توقیر واجلال کو واجب اور ضروری قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ شوکانیؒ جنہیں برصغیر کی جماعت اہل حدیث یا بقول غازی پوری اور ان کی جماعت ''غیر مقلدین'' کا بانی مبانی سمجھا جاتا ہے لکھتے ہیں کہ:

"ولا شك أن مقام الصحبة مقام عظيم و لكن ذلك فى الفضيلة وارتفاع الدرجة و عظمة الشان و هذا مسلم لا شك فيه ولهذا مدّ أحدهم لا يبلغه من غيرهم الصدقة بأمثال الجبال............". (۲)

''بلا شک وشبہ صحبت رسول کا مقام ومرتبہ نہایت ہی عظیم ہے، لیکن اس رفعت و بلندی کا تعلق فضیلت و بزرگی، درجات کی بلندی اور ان کی عظمت شان سے ہے، یہ ایک ایسا امر مسلم ہے جس میں ادنیٰ شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے، اور یہی وجہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کئے ہوئے) ان کے ایک مد کو دوسروں کے پہاڑوں کے مانند صدقے نہیں پہنچ سکتے......''

اسی طرح برصغیر کی جماعت اہل حدیث کے سرخیل نواب صدیق حسن خاں نے عقائد سے متعلق اپنی کتاب "قطف الثمر فى بيان عقيدة أهل الأثر" میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین واہل بیت رضی اللہ عنہم سے ولاء ومحبت کے وجوب پر ایک طویل فصل قائم کی ہے، اس فصل کی ابتداء مندرجہ ذیل الفاظ سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ومن أصول اهل السنة والجماعة سلامة قلوبهم لأصحاب رسول الله ﷺ......"

''اہل سنت کے بنیادی عقائد میں یہ بھی شامل ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں وہ اپنے دل کو صاف رکھیں''۔

اس کے بعد کتاب وسنت کے اندر وارداُن کے فضائل ومناقب، اجماع امت سے ثابت ان کے مراتب ودرجات اور خلفاء اربعہ کی ترتیب کا اجمالی طور پر ذکر کیا ہے۔ ساتھ ہی اہل بیت اور ازواج مطہرات سے محبت کا خصوصی طور پر ذکر کرتے ہوئے شیعہ و روافض، نیز خوارج ونواصب کی روش سے اپنی براءت کا اظہار کیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آپسی اختلافات سے سکوت اختیار کرنے کولازم قرار دیتے ہوئے اخیر میں لکھتے ہیں:

"ومن نظر سيرة القوم بعلم و بصيرة وما منّ الله به عليهم من الفضائل والكرامات و رفيع الدرجات فى الدنيا والآخرة علم يقينا و عيانا بلاريب و مرية أنهم خير الخلق بعد الانبياء لم يكن ولا يكون مثلهم أبدا وأنهم الصفوة من هذه الأمة التى هى خير الأمم و أكرمها على الله". (۱)

''جس شخص نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ سیرت کا اوراللہ تعالی نے ان کوجن فضائل ومناقب اور کرامات سے نوازا تھا، دنیاوآخرت میں جوبلند درجات ان کوعطا کیے تھے اُن کا علم وبصیرت کے ساتھ مطالعہ کرے گا اسے بلاشک وشبہ مکمل قطعیت اور یقین کے ساتھ یہ بات معلوم ہوجائے گی کہ صحابہ کرام کی جماعت انبیاء کرام کے بعد سب سے بہتر جماعت تھی، ایسی بہتر جماعت نہ پہلے کبھی تھی اور نہ بعد میں کبھی ہوگی۔ امت محمدیہ جس کوخیرامت کا لقب حاصل ہے اور جواللہ تعالی کے نزدیک سب سے معزز ومکرم امت ہے اس امت کے یہ منتخب اور چنیدہ لوگ ہیں''۔

---

(۱) لطف الأثر فی بیان عقیدۃ اهل الاثر ص ... تحقیق وتقدیم ڈاکٹر عاصم قریوتی

دوسرے عالم نواب وحید الزماں حیدر آبادی رحمہ اللہ جن کے بعض اقتباسات کو نقل کر کے نہ صرف ان کو مطعون کرنے کی کوشش کی جاتی ہے بلکہ برصغیر کی جماعت اہل حدیث کو مکمل طور پر گستاخ صحابہ قرار دیا جاتا ہے، اور انہیں چھوٹے رافضی کا لقب عطا کر کے دل کے پھپھولے پھوڑے جاتے ہیں، یہی نواب صاحب صحابہ کرام کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ جس نے آنحضرت ﷺ کو ایک بار بھی دیکھا ہو وہ صحابی ہے، بشرطیکہ مسلمان ہو۔ پس آنحضرت ﷺ کو ایک بار دیکھنا ایسا شرف ہے کہ ساری عمر عبادت اور مجاہدہ اس کے برابر نہیں ہوسکتا۔ بعضوں نے کہا اولیاء اللہ جن صحابہ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے ان سے مراد وہ صحابہ ہیں جو آپ کی صحبت میں رہے اور آپ سے استفادہ کیا آپ کے ساتھ جہاد کیا، مگر یہ قول مرجوح ہے۔(۱) ہمارے پیر مرشد حضرت محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں:

کوئی ولی ادنی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور ایک بزرگ سے نقل کیا ہے: انہوں نے کہا: وہ غبار جو معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا عمر بن عبدالعزیز خلیفہ سے جو بڑے عادل اور متبع سنت تھے اتنے درجہ افضل ہے''۔(۲)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ایک قدرے طویل حدیث روایت کی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مابین کہا سنی ہوگئی تھی۔ اس موقعہ سے رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی

---

(۱) نواب حیدر آبادی رحمہ اللہ کے اس مقولہ کا تلویح (ص: ۴۶۵) کی اس عبارت سے موازنہ کیا جائے جس میں کہا گیا ہے "...... الجزم بالعدالة مختص بمن اشتهر بذلك والباقون كسائر الناس فيهم عدول وغير عدول" ''عدالت وثقاہت کا قطعی حکم انہی لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو آپ ﷺ کی طویل رفاقت میں شہرت رکھتے ہیں اور باقی صحابہ عام لوگوں کی طرح ہیں ان میں عادل بھی ہیں اور غیر عادل بھی'' اور انصاف کا خون نہ کرتے ہوئے بتلایا جائے کہ کس کی عبارت سے تنقیص صحابہ کی بو آتی ہے؟ کیا اس طرح کی بات کرنے والا ناموس صحابہ کا جھنڈا بلند کرنے کا دعوی کرسکتا ہے؟

(۲) ملاحظہ ہو: تیسیر الباری فی ترجمہ صحیح البخاری۔ (کتاب المناقب پ ۱۴ ص ۶۹)

اللہ عنہ کے متعلق ایک نہایت عظیم بات کہی تھی۔اس پر نواب حیدر آبادی ؒ نے اپنے جن تاثرات کا اظہار کیا ہے وہ قابل دید ہے، قارئین کرام نواب صاحب کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں اور غور کریں کہ کیا کوئی شیعی اس قسم کی بات کہہ سکتا ہے۔ پہلے حدیث کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔اس کے بعد نواب وحید الزماں رحمہ اللہ کے تاثرات۔

''حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھا تھا، اتنے میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے، اپنے کپڑے کا کونہ اٹھائے، اپنے گھٹنے کھولے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تمہارے صاحب (یعنی ابو بکر رضی اللہ عنہ) کسی سے لڑ کر آئے ہیں۔انہوں نے سلام کیا (آنحضرت ﷺ کو، اور بیٹھے) پھر کہنے لگے مجھ میں اور خطاب کے بیٹے (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ) میں کچھ تکرار ہوگئی تھی، میں نے جلدی میں ان کو سخت وسست کہہ دیا، پھر میں شرمندہ ہوا اور ان سے معافی چاہی، لیکن انہوں نے انکار کیا۔اب میں آپ (کے) پاس آیا ہوں (آپ ان کو سمجھائیے)۔یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ابو بکر! اللہ تم کو بخشے، تین بار یہی فرمایا، پھر ایسا ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شرمندہ ہوئے، اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر پر آئے، اور پوچھا ابو بکر ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں ہیں، آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آنحضرت ﷺ کے پاس آئے، آپ کو سلام کیا، آپ کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ڈرے، کہیں آنحضرت ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر خفا نہ ہوں) وہ دوزانو (مؤدب) ہو بیٹھے، اور عرض کیا یا رسول اللہ! خطا میری تھی، خطا میری تھی، (میں نے ہی عمر کو سخت وسست کہا تھا)۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا: (لوگو! یہ سمجھ لو) اللہ نے مجھ کو تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا، لیکن تم نے مجھ کو جھوٹا کہا اور ابو بکر نے مجھ کو سچا کہا، اور اپنے مال اور جان سے میری خدمت کی، تم میرے دوست کو ستانا چھوڑتے ہو یا نہیں؟ آپ کے یہ فرمانے کے بعد پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کسی نے نہیں ستایا''۔(۱)

مذکورہ حدیث کے آخری جملہ پر نواب صاحب فرماتے ہیں:

''کسی کو مجال نہیں کہ جب آنحضرت ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت ایسا فرمائیں پھر کوئی آنکھ اٹھا کر ان کی طرف دیکھتا۔ حافظ نے کہا: اس حدیث سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت تمام صحابہ پر نکلی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان کا خطاب ''صدیق'' آسمان پر سے اترا، اس حدیث سے شیعہ کو سبق لینا چاہئے کہ جب آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے اتنا غصہ ہوئے، حالانکہ پہلے زیادتی ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نے کی تھی مگر جب انہوں نے معافی چاہی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فوراً معاف کر دینا تھا۔ تو یہ کس منہ سے آنحضرت ﷺ کے مصاحب اور رفیق خاص کو برا کہتے ہیں اور قیامت کے دن معلوم نہیں آنحضرت ﷺ ان لوگوں پر کتنا غصہ ہوں گے، کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کا کچھ نہیں بگاڑا۔ اور یہ ناحق ان سے دشمنی کرتے ہیں''۔(۱)

---

(۱) تیسیر الباری (پ ۱۴، ص ۷۶)

اعتراف حقیقت کے طور پر یہ تسلیم ہے کہ نواب وحید الزماں رحمہ اللہ کے قلم سے بعض اوقات بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں ایسی باتیں صادر ہوگئی ہیں جو نامناسب ہیں، نہیں صادر ہونی چاہئے تھیں۔ مثال کے طور پر اسی تیسیر الباری (پ ۱۴، ص ۱۲۱) میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھ گئے کہ ''مترجم کہتا ہے صحابیت کا ادب ہم کو اس سے مانع ہے کہ ہم معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کچھ کہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ ان کے دل میں آنحضرت ﷺ کے اہل بیت کی الفت و محبت نہ تھی، جب امام حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو کیا کہنے لگے: ''ایک انگارا تھا جس کو اللہ نے بجھا دیا'' اس کے بعد ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے یزید سے متعلق بعض نامناسب باتیں تحریر کی ہیں۔ جو سراسر غلط ہیں۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ اسی کے چند سطر بعد پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت اور شریعت کے مسائل سے ان کی واقفیت کا اعتراف بھی کیا ہے، اس قسم کی تحریروں کا سبب یہ بتلایا جاتا ہے کہ موصوف کی زندگی کے مختلف مراحل ہیں۔ ابتدائی مرحلہ میں غالی قسم کے شیعی تھے۔ شیعیت سے توبہ کر لیا تھا۔ لیکن کچھ بقایاجات رہ گئے تھے۔ ان تحریروں کو بنیاد بنا کر ان کے دین وایمان پر شک کرنا، پوری جماعت اہل حدیث کو شیعہ کا ہم نوا یا چھوٹے رافضی کا خطاب دینا اگر جائز ہو سکتا ہے تو پھر ناموس صحابہ کا علم بلند کرنے والے غازی پوری بھی اپنے آپ کو تشیع سے بری قرار نہیں دے سکتے جیسا کہ آگے چل کر اس کی وضاحت کی جائے گی، ان شاء اللہ۔ بروقت اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اتنی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ جماعت اہل حدیث کے افراد اپنے علماء کرام کی ان تحریروں یا اقوال کے پابند نہیں ہیں جن میں ان علماء کرام سے کسی وجہ سے صحیح موقف کی ترجمانی نہیں ہو سکی ہے یہ مولوی ابوبکر غازی پوری اور ان کی ہم نوا جماعت کا ہی شیوہ و شعار ہے کہ اپنے علماء کرام کی پابندی کو اس حد تک ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر وہ=

جماعت اہل حدیث کے ایک بڑے عالم میاں سید نذیر حسین رحمہ اللہ جن کے بارے میں بعض دریدہ دہن لکھتے ہیں: مولوی نذیر حسین کے شیعہ ہونے میں شبہ نہیں ہے۔(۱) صحابہ کرامؓ کے بارے میں آپ کے موقف کو فتاویٰ نذیریہ میں قائم کردہ باب ''مناقب الصحابۃ وغیرھم'' میں واضح طور پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، جس میں مختلف سوالوں کے جوابات میں آپ نے صحابہ کرام کی عظمت شان، ان کے علو مرتبت اور فضائل و مناقب کو کتاب وسنت کی روشنی میں واضح کیا ہے، بعض اہل علم کے غیر مناسب فتویٰ کا جواب بھی دیا ہے۔

حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں پوچھے گئے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مولوی ابوبکر غازی پوری کے ہم وطن اور تقریباً ہم مشرب مولوی محمد فصیح (۲) غازی پوری نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں غیر مناسب باتیں لکھ دی تھیں۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں جہاں امیر معاویہ کا تذکرہ ہو وہاں لفظ ''حضرت'' یا دعائیہ الفاظ کہنا درست نہیں، کیونکہ انہوں نے آخری خلیفہ راشد کے خلاف بغاوت کی ہے، لہذا ان کو غلط کار اور باغی سمجھنا چاہئے۔اور اس سے آگے بڑھ کر ان کو برا بھلا کہنا درست نہیں ہے۔

=قرآن کریم کی آیات میں بھی اضافہ کر دیں تو اس کو بھی غلط نہیں کہہ سکتے، بلکہ اسے شاذ قرأت یا منسوخ آیات میں ثابت مانتے ہوئے اپنے علماء کرام کو غلط قرار دینے کی جرأت نہیں کر سکتے۔لہذا ان لوگوں کو اپنی اس تقلیدی عینک کو اتار کر ہی دوسروں پر نظر ڈالنی چاہیے۔

(۱) المآثر مئو شمارہ ۴ جلد ۶ ص ۵۴

(۲) مولانا محمد فصیح غازی پوری کی ... ہیں کیونکہ ... ہم وطن ہیں ہمیں بظاہر یہ وہی معلوم ہوتے ہیں جن کا تذکرہ ... ہے۔ان کا مکمل نام فصیح بن غلام رضا غازی پوری ہے اصلاً الہ آباد کے رہنے والے تھے، ان کے صلاح وتقویٰ کی تعریف کی گئی ہے، عمر کا کچھ حصہ پہلوانی میں گزرا، پھر علامہ سید احمد شہید رحمہ اللہ سے بیعت کا شرف حاصل ہوا جس کی وجہ سے آخرت کی جانب زیادہ توجہ ہو گئی۔۱۲۸۵ھ میں وفات ہوئی۔ان کے بارے میں مذکور ہے کہ اپنی جماعت اور اپنے اساتذہ کے برخلاف میلاد اور اس میں قیام کے قائل نہیں تھے۔ہو سکتا ہے ابوبکر غازی پوری کو ان کے ہم وطن اور تقریباً ان کے ہم مشرب مولوی فصیح غازیپوری کے اس فتویٰ میں شیعیت کی جھلک نہ دکھائی دیتی ہو۔

مولوی محمد فصیح غازی پوری کے اس فتویٰ کا علامہ سید نذیر حسین رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ کے تقریباً ۹ صفحات میں مفصل تعاقب کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''اہل عقل و دیانت پر مخفی نہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو گالیاں نہ دو، رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں ان کا ایک ساعت بیٹھنا تمہارے چالیس سال کے اعمال سے بہتر ہے۔ وکیع کی روایت میں ''عمر بھر کے اعمال سے بہتر ہے'' کے الفاظ ہیں۔ آپ فتح مکہ کے دن ایمان لائے، آپ سے ایک سو ترسٹھ احادیث مروی ہیں جو صحاح ستہ میں اور دوسری کتابوں میں مروی ہیں۔ ان سے بڑے بڑے صحابہ نے روایت کی، مثلاً عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، ابوالدرداء، جریرؓ بن عبداللہ بجلی، نعمان بن بشیر وغیرہ۔ اور تابعین میں سے سعید بن مسیب، حمید بن عبدالرحمٰن وغیرہ روایت کرتے ہیں چنانچہ اس کی تصریح کتب اسماء الرجال و سیرت میں موجود ہے۔ اور ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ اے اللہ! اسے ہادی و مہدی بنا دے''۔

اسی طرح صحیح بخاری و دیگر کتب حدیث کے حوالوں سے آپ کے بارے میں وارد متعدد احادیث کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''صحیح بخاری میں جو کہ حدیث کی کتابوں میں سے صحیح ترین کتاب ہے، آپ کا صحابی ہونا اور بزبان ابن عباس رضی اللہ عنہما عادل اور فقیہ ہونا ثابت ہو گیا تو آپ ترضی اور ترحم کے مستحق ہوں گے، کیونکہ اہل سنت کے نزدیک صحابہ کے لئے ''رضی اللہ عنہ'' کہنا بالاتفاق مستحب ہے۔ اور صحابی ہونے کی حیثیت سے ان کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں بھی ''حضرت'' اور ''رضی اللہ عنہ'' کے الفاظ کہنا مستحب ہے، ممنوع نہیں ہے۔ کیونکہ آپس کی لڑائی سے صحابہ صحابیت کی بزرگی سے محروم نہیں ہو جاتے۔ ہاں رافضی کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ البتہ امیر معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما میں درجے کا بہت فرق ہونا بھی بعید نہیں ہے، کیونکہ حضرت علی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، کثیر الصحبہ ہیں،

آنحضرت ﷺ کے داماد ہیں ......"۔

پھر متعدد اہل علم سے نقل کرتے ہوئے عام صحابہ کرام کے مقام و مرتبہ اور ان کے بارے میں اہل سنت کے مبنی بر عدل و انصاف موقف کی تفصیل سے وضاحت فرمائی ہے، ان کے آپسی جھگڑوں کے بارے میں ایک راسخ العقیدہ مسلمان کو کیا موقف اپنانا چاہیئے ائمہ سلف کے اقوال کی روشنی میں اس کی بھی وضاحت فرمائی ہے، اخیر میں مزید لکھتے ہیں:

"اب اگر کوئی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا کہے تو وہ اس وعید کے لئے تیار رہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ کو گالی نہ دو، جو ان کو گالی دے گا، اس پر اللہ کی لعنت برسے گی" اور ایسا آدمی جو ان کو گالی دے وہ حقیقت میں شیعہ ہے، اگرچہ بظاہر اپنے آپ کو اہل سنت کہلائے، اور حضرت عائشہ صدیقہ کی بدگوئی کرے حقیقت میں وہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتا ہے۔ پس ایسے عقیدے سے توبہ کرنا لازمی ہے۔ اور صحابہ کرام کا عقیدہ یہ تھا کہ ان چاروں خلفاء کی خلافت جس ترتیب سے ہوئی ہے اسی ترتیب سے ان کا مرتبہ اور مقام تھا"۔(۱)

یہ اس شخص کا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں موقف ہے، جس کو شیعیت سے متہم کرنے کی ناروا کوشش کی جارہی ہے۔ اس طرح کے حد درجہ واضح اور دو ٹوک الفاظ میں اپنے موقف کی وضاحت مولوی ابوبکر غازی پوری اور ان کے ہم نواؤں کے بہت سے اکابرین و اصاغرین نے بھی نہیں کی ہوگی جنھوں نے احترام صحابہ کا علم بلند کر رکھا ہے۔ کیا کوئی شیعی اس طرح صحابہ کرام کے بارے میں اور خاص طور سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اپنے موقف کا اظہار ان الفاظ میں کر سکتا ہے؟ لیکن برا ہو تعصب اور بغض و حسد کا جس نے تقلید کے ان جیالوں کو اس قدر نڈر بنا دیا کہ اللہ رب العزت کی گرفت سے بالکل بے پروا ہو کر اہل علم کے خلاف اتنی بڑی تہمت اور اس قدر بھیانک الزام عائد کر کے اپنے سینوں میں لگی بغض و حسد کی آگ بجھانے کی سعی نامسعود

(۱) فتاوی نذیریہ (۳/۴۴۵-۴۵۶) واضح ہو کہ استفتاء اور فتوی دونوں فارسی زبان میں ہیں، اور تعاقب بھی فارسی زبان میں ہے لیکن حاشیہ میں ان کے اردو ترجمے مذکور ہیں یہ عبارت انہی اردو ترجموں سے ماخوذ ہے

کرتے ہیں۔ یہ صرف میاں سید نذیر حسین رحمہ اللہ ہی کا موقف نہیں تھا، بلکہ ان کے شاگردان رشید کا بھی صحابہ کرام کے بارے میں یہی موقف تھا۔جنہوں نے اپنی مختلف تالیفات میں ان نفوس قدسیہ سے اپنے اسی طرح کے قلبی لگاؤ اور والہانہ عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

میاں صاحب کے ایک خاص شاگرد حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی رحمہ اللہ جن کے تعلق سے بھی مولوی ابوبکر غازی پوری کے دل میں بغض و حسد کی ایک موٹی تہ جمی ہوئی ہے، گاہے بگاہے ان پر کیچڑ اچھال کر، اور مختلف قسم کی جھوٹی سچی تہمتیں عائد کر کے اپنے دل کا پھپھولا پھوڑنے کی سعی بلیغ کرتے رہتے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے تعلق سے اپنے قلبی لگاؤ کا اظہار مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

"وهذا كله مع ما كان فيهم فى أنفسهم من الشفقة والتورع و الخشوع والتواضع والايثار والجهاد فى الله حق جهاده و فضيلة الصحبة و لو لحظة لا يوازيها عمل و لا ينال درجتها بشىء و الفضائل لاتؤخذ بقياس، ذلك فضل الله يؤتيه مع يشاء" (تحفۃ الاحوذی (۳۶۰/۴)

صحابہ کرام کو گالی دینے یا ان کو برا بھلا کہنے کی سخت ممانعت سے متعلق حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث " لا تسبوا أصحابى " کی شرح کرتے ہوئے اور نہایت شدید وقت میں رسول اکرم ﷺ کے دامے درمے نصرت و تائید میں ان کی پیش قدمی اور سبقت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان تمام اوصاف کے ساتھ ان کے اندر فی نفسہ خوف الٰہی، ورع و تقویٰ، خشوع و خضوع، تواضع و انکساری، ایثار و قربانی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں کما حقہ جہاد کے اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے، اور رسول اکرم ﷺ کی صحبت و رفاقت خواہ ایک لمحہ کے لیے ہی کیوں نہ ہو ایسی سعادت ہے جس کے مقام و مرتبہ کو کوئی عمل نہیں پہنچ سکتا ہے اور نہ کسی چیز کے ذریعہ اسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ فضائل و مناقب بذریعہ قیاس ثابت کیے

جا سکتے ہیں بلکہ یہ اللہ رب العزت کا فضل و کرم ہے وہی جس کو چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے نوازتا ہے"۔

صحابہ کرام کی سیرت پر علماء اہل حدیث کی تصنیفی خدمات:

اسی طریقہ سے جملہ علماء اہل حدیث نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اپنے قلبی لگاؤ اور دلی محبت کا اظہار کیا ہے، اور ان کی تعظیم و تکریم کو جزو ایمان قرار دیا ہے، نہ صرف اظہار کیا ہے بلکہ ائمہ سلف کی پیروی کرتے ہوئے صحابہ کرام کی انفرادی و اجتماعی سیرت مطہرہ پر بے شمار کتابیں تصنیف کی ہیں، اور آج تک اس کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ اگر کوئی "جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات" مولفہ مولانا محمد مستقیم سلفی حفظہ اللہ استاذ جامعہ سلفیہ بنارس کو اٹھا کر سیر و سوانح کے باب پر ایک سرسری نگاہ ڈالے گا تو اسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اجتماعی و انفرادی سیرت، ان کے مقام و مرتبہ اور فضائل و مناقب سمیت ان کی عزت و ناموس پر کیچڑ اچھالنے والوں کے مسکت و دندان شکن جوابات پر مشتمل علماء اہل حدیث کی تصنیف کردہ پچاسوں کتابیں ملیں گی۔ "فضائل صحابہ" کے نام سے امام اہل السنۃ احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تالیف کردہ کتاب کی تحقیق اور اس کو منظر عام پر لانے کا سہرا جامعہ سلفیہ بنارس کے فاضل جناب ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس حفظہ اللہ کے سر جاتا ہے۔ چنانچہ کتاب عرصہ پہلے موصوف کی علمی تحقیق سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ چکی ہے اور اہل علم سے داد تحقیق حاصل کر رہی ہے۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی بزبان فارسی تالیف کردہ "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" کو عربی زبان میں منتقل کرنے کا شرف بھی سلفی عالم استاذ گرامی جناب ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری حفظہ اللہ وکیل الجامعۃ السلفیۃ بنارس کو حاصل ہے، جس میں شیخین حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت و عظمت اور دیگر صحابہ کرام پر ان کے تفوق کو واضح کرتے ہوئے ان کی خلافت کو کتاب و سنت اور اجماع امت کی روشنی میں برحق ثابت کیا گیا ہے۔ اور اس میں اہل تشیع کا رد کیا گیا ہے۔

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سیرت پر مستقل ایک ضخیم کتاب کی تالیف کی سعادت جامعہ سلفیہ بنارس کے فاضل استاذ استاذ گرامی جناب مولانا محمد رئیس ندوی حفظہ اللہ وشفاہ شفاء عاجلا و کاملا کو حاصل ہے۔ اپنے ناقص علم کے مطابق ابھی تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے متعلق مستقل کتاب کی تصنیف عمل میں نہیں آئی تھی، کتاب کی طباعت کی سعادت جامعہ سلفیہ بنارس کو حاصل ہے۔

بعض بے بنیاد اور غیر ثابت روایات کو بنیاد بنا کر بعض صحابہ کرام کے تقدس اور ان کی عزت کو پامال کیا گیا ہے۔ انہیں صحابہ میں سے ایک صحابی ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ ہیں۔ زکوۃ کی عدم ادائیگی کے انجام بد میں ان کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے۔ ایک عربی اہل علم جناب محمود الحمش نے احترام صحابہ کا حق ادا کرتے ہوئے ''ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ. الصحابی المفتری علیہ'' کے نام سے ایک مستقل کتاب عربی زبان میں تصنیف کی ہے۔ جن روایتوں کے پیش نظر آپ کو مطعون کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ان کا علمی، تحقیقی اور فنی جائزہ لیتے ہوئے ان کو ناقابل احتجاج قرار دیا ہے۔ اس کتاب کو اردو زبان میں منتقل کرنے کا شرف جامعہ سلفیہ بنارس کے ایک فارغ التحصیل جناب حافظ عقیل احمد حفظہ اللہ کو حاصل ہے۔ اور اس کتاب کی اشاعت کی سعادت بھی جامعہ سلفیہ بنارس ہی کو حاصل ہے۔ کتاب کا نام مترجم نے ''ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ ایک مظلوم صحابی'' رکھا ہے۔ یہی نہیں بلکہ دشمنان صحابہ کی تردید میں بھی علماء اہل حدیث نے کلیدی رول ادا کیا ہے۔ اگر کسی کو اس سلسلے میں علماء اہل حدیث کی کاوشوں کی ایک جھلک دیکھنی مقصود ہو تو مولانا محمد مستقیم سلفی حفظہ اللہ کے مضمون بعنوان ''گمراہ منحرف فرقوں کی تردید میں جماعت اہل حدیث کی خدمات اور مساعی'' (۱) کو دیکھ سکتا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں یہ مد نظر رہے کہ موصوف نے اپنے مضمون میں صرف انہی علماء اہل حدیث کے جہود اور ان کی تالیفات کا ذکر کیا ہے، جن کا تعلق متحدہ ہندوستان اور موجودہ بھارت سے ہے، تقسیم کے بعد پاکستان کے اہل علم

(۱) ملاحظہ ہو: محدث بنارس فروری ۹۸ء، (ص ۲۷) اہل تشیع کی تردید میں علماء اہل حدیث ہند کی تالیف کردہ ۲۵ کتابیں ذکر کی ہیں اور لکھا ہے کہ اس سلسلے میں ۴۰ سے زیادہ کتابوں کا پتہ چلتا ہے۔

کی کاوشوں اور تالیفات کی تفصیلی معلومات فراہم نہ ہونے کی بنا پر تذکرہ نہیں کر سکے ہیں۔ بہرحال پاکستانی اہل علم میں علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ دشمنان صحابہ کی تردید و ابطال میں سرفہرست تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ موصوف نے اسی راہ میں جام شہادت بھی نوش فرمایا تو شاید غلط نہ ہو۔ اس قسم کی تفصیل سے کسی طرح کا احسان جتلانا مقصود نہیں ہے کہ علماء اہل حدیث نے اپنے اس عمل کے ذریعہ کسی کے اوپر احسان کیا ہے، بلکہ احترام صحابہ اور ان کے تقدس کے پیش نظر اپنے اوپر عاید بعض ذمہ داریوں کی ادائیگی کی ادنی کوشش کی ہے، تاہم اتنا عرض کرنے کی ضرور جسارت کریں گے کہ جس جماعت کا یہ پس منظر ہو جس کے افراد کے یہ کارنامے ہوں اور جنہوں نے اپنی کتابوں میں صحابہ کرام کے تعلق سے اپنے عمدہ اور والہانہ جذبات و خیالات کا اظہار کیا ہو، اس جماعت کو اور اس جماعت کے اہل علم کو حد درجہ جرأت اور دیدہ دلیری کے ساتھ افتراپردازی اور تہمت تراشی کا سہارا لے کر روافض و اہل تشیع کا ہم نوا قرار دینے کی کوشش کی جارہی ہے، بلکہ "چھوٹے روافض" کا لقب عطا کر کے اپنے قلب و جگر کو سکون پہنچانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کیا اسی طرح رفض و تشیع کی ہم نوائی ہوتی ہے؟ کیا ایسے ہی لوگوں کو چھوٹے روافض کہا جاتا ہے جنہوں نے دشمنان صحابہ کی ہر طرح کی دریدہ دہنی کا مقابلہ کیا، اور ان کی تبرا بازی کا منہ توڑ جواب دیا، ناموس صحابہ کی خاطر جان کی بازی لگا دی، عظمت صحابہ اور تقدس صحابہ پر مبنی کتابیں تصنیف کر کے ان کے ڈھیر لگا دیئے۔؟ یا تو ان حضرات کو رفض و تشیع کی ہم نوائی کا معنی نہیں معلوم ہے یا اپنے اکابرین کی تاریخ سے ناواقف ہیں۔ اگر انہیں اپنے اکابرین کی تاریخ سے واقفیت ہوتی تو ہرگز ہرگز جماعت اہل حدیث کو چھوٹے روافض کا خطاب نہ دیتے۔ یا پھر انہیں اپنے اکابرین کی تاریخ بھی معلوم ہے لیکن اس کی پردہ داری کے لئے یہ سارے ڈرامے رچے جارہے ہیں۔ جو بھی صورت حال ہو آئندہ صفحات میں مولوی ابوبکر غازی پوری اور ان کے ہم نواؤں کے متقدمین و متاخرین کی تقدیس صحابہ کی ایک جھلک خود انہی کی تحریروں کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالی تاکہ احترام صحابہ کے دعویٰ کی حقیقت آشکارا ہو کر لوگوں کے سامنے آ جائے۔ لیکن اس سے قبل ان

تہمتوں کا جائزہ لینا مناسب معلوم ہوتا ہے جنہیں ایوان تقلید کے محققین ایک ناقابل انکار حقیقت بنا کر پیش کرتے ہیں اور ان کی بنیاد پر جماعت اہل حدیث (جس کو وہ غیر مقلدیت اور لامذہبیت سے تعبیر کرتے ہیں) کو نہ صرف گستاخ صحابہ، اہل تشیع اور روافض کا ہمنوا بلکہ چھوٹے روافض قرار دیتے ہیں۔ جس پر کوئی بھی صاحب عدل وانصاف یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا: سبحانك هذا بهتان عظيم۔

کیا علماء اہل حدیث گستاخ صحابہ ہیں؟

اس سلسلے میں دو بلکہ تین طرح کی باتیں بطور دلیل پیش کی جاتی ہیں:

(۱) بعض علماء اہل حدیث کی ایسی تحریروں کو بنیاد بنایا جاتا ہے جن میں بظاہر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ناروا باتیں کہی گئی ہیں۔ اس تعلق سے نواب وحید الزماں حیدر آبادی کا نام خاص طور سے لیا جاتا ہے، حالانکہ خود انہی سے منقول تحریروں کے ایسے نمونے بھی سابقہ صفحات میں پیش کیے گئے ہیں جو صحابہ کرام کی تعظیم وتقدیس اور ان کے احترام وتوقیر کی زندہ وجاوید مثال کی حیثیت رکھتے ہیں، البتہ ان کی تحریریں جن میں بعض صحابہ کرام کے حق میں نامناسب باتیں پائی جاتی ہیں دو حالتوں سے خالی نہیں ہیں۔ یا تو وہ تحریریں اس زمانہ کی ہیں جب کہ وہ متشدد اور غالی قسم کے شیعی تھے، یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ موصوف کی زندگی کے تین مراحل تھے۔ ایک مرحلہ میں غالی قسم کے شیعی تھے، دوسرے مرحلہ میں حنفی مقلد تھے، تیسرے مرحلہ میں شیعیت اور تقلید ترک کر کے اہل حدیثیت اختیار کر لی تھی پھر بھی ان کے یہاں تشیع کے کچھ اثرات باقی رہ گئے تھے، یا تو وہ تحریریں اسی آخر مرحلے کی ہیں جن میں ان کے یہاں تشیع کی معمولی سی جھلک پائی جاتی ہے، جیسا کہ تیسیر الباری کے بعض حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ان کی ایک تحریر پیش کی گئی۔ لیکن اس قسم کی تحریروں سے ان کو غالی شیعی قرار دینا اور ان کی پاداش میں پوری جماعت اہل حدیث کو چھوٹے روافض کا خطاب دینا حد درجہ ظلم وزیادتی ہے۔ اگر اس

طرح کی تحریروں کی بنیاد پر کسی کو تشیع و رفض سے متصف کیا جا سکتا ہے، تو آپ کو اپنے بہت سے ان پٹی داروں کو بھی تشیع و رفض سے متصف کرنا چاہیئے جنھوں نے اموی خاندان کے تمام افراد کو بشمول صحابہ ایسے سنگین اتہامات سے متہم کیا ہے کہ شاید روافض اور شیعہ نے بھی ایسی سنگین باتیں ان کے حق میں نہ کہی ہوں۔ کہیں آگے چل کر ان کا اقتباس پیش کریں گے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنے کی جسارت کریں گے کہ آپ نے نواب وحید الزماںؒ کی تحریروں سے نہ صرف ان کو بلکہ پوری جماعت کو رافضی قرار دے دیا۔ ذرا اپنے ان پٹی داروں کے بارے میں بھی کچھ لب کشائی فرمایئے، تاکہ واضح ہو سکے کہ آپ احترام صحابہ کے اپنے دعوی میں سچے اور جماعت اہل حدیث پر تشیع کے اپنے حکم میں عادل اور انصاف پسند ہیں۔ اگر اس قسم کی تحریروں کو تلاش کر کے ان کی روشنی میں تشیع کا حکم عاید کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا تو بہت سے رواۃ حدیث اور ائمہ سلف کے یہاں بھی اس قسم کی تحریریں مل سکتی ہیں، جس کو کتب جرح و تعدیل کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں۔

(۲) جماعت اہل حدیث کے بعض اکابرین کی جانب رفض و تشیع پر مبنی جھوٹی و من گھڑت باتیں منسوب کر کے ان کو غالی شیعی ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور نتیجتاً پوری جماعت اہل حدیث کو رافضی قرار دے دیا جاتا ہے۔ اس وسیلے سے جس شخصیت کو سب سے زیادہ مطعون کرنے کی کوشش کی گئی وہ علامہ عبدالحق محدث بنارسیؒ کی شخصیت ہے۔ چنانچہ آپ کی جانب دوسروں کے حوالے سے ایسی ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں جن کی حقیقت اتہام بازی سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے۔ بعض غیر جانبدار محققین نے ان کو افترا پردازی پر محمول کیا ہے۔ ایک صاحب لکھتے ہیں:

"......قاری عبدالرحمٰن پانی پتی کے بیان کے مطابق (محدث عبدالحق بنارسی) عقیدۃً شیعہ تھے، اور تقیہ کر کے سنی بن گئے تھے، (لاحول ولاقوۃ الا باللہ) اس کے بعد سید احمد شہید کی جماعت میں شامل ہو گئے، سید صاحب کو جب آپ کے عقائد کا

علم ہوا تو ان کو پوری جماعت سے نکال دیا، اخراج کے بعد انہوں نے اپنے کو حضرت سید صاحب کا خلیفہ مشہور کر کے ترک تقلید کے پردے میں لوگوں کو لا مذہب اور گمراہ کیا......"۔

اس طرح قاری عبدالرحمٰن پانی پتی کے شاگرد خاص حضرت شاہ اسحاق کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"مولوی عبدالحق صاحب بنارسی نے ہزار ہا آدمی کو عمل بالحدیث کے پردے میں قید مذہب سے نکالا، اور مولوی صاحب نے ہمارے سامنے کہا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑ کر مرتد ہوئی، اگر بے توبہ مری تو کافر مری، (العیاذ باللہ) اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو پانچ پانچ حدیثیں یاد تھیں، ہم کو سب حدیثیں یاد ہیں۔ صحابہ سے ہمارا علم بڑا ہے، صحابہ کو علم کم تھا، بعد تھوڑے عرصے کے مولوی عبدالحق صاحب گلشن علی صاحب کے پاس جو دیوان راجہ بنارس کے شیعہ مذہب تھے، گئے اور یہ کہا کہ "میں شیعہ ہوں اور اب ظاہر شیعہ ہوتا ہوں، اور میں نے عمل بالحدیث کے پردہ میں وہ کام کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا سے نہ بنا تھا، ہزار ہا اہل حدیث کو قید مذہب سے نکال دیا، اب ان کا شیعہ ہونا بہت آسان ہے، چنانچہ مولوی گلشن علی صاحب نے تیس روپیہ ماہواری کی نوکری کروادی"۔(۱)

غرضیکہ اسی قسم کی فضولیات سے محدث عبدالحق بنارسی کے دامن صفا کو داغدار بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس طرح کی حکایات از خود من گھڑت ہونے، نمک مرچ لگا کر ان میں مبالغہ آمیزی پیدا کرنے نیز معاصرانہ چپقلش کی دخل اندازی کا اعلان کرتی ہیں۔

اس واقعہ میں عبداللہ بن سبا یہودی کا ذکر جس اسلوب اور جس سیاق میں کیا گیا ہے اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اہل تشیع کے یہاں یہ شخصیت بہت مرغوب فیہ اور معزز

(۱) ملاحظہ ہو: ڈاکٹر توحید مرزا پوری کا مضمون بعنوان: "غیر مقلدیت کا بانی اور ترک تقلید کے مہلک نتائج" منشور در ماہنامہ محدث۔ ش ۴ جلد ۶ (ص: ۱۳۵۱)

مانی جاتی ہے۔ کیونکہ رفض و تشیع کو رواج دینے میں اس کا اہم رول اور زبردست کردار رہا ہے۔ جب کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ بعض شیعی محققین اس حقیقت کو ماننے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں کہ اس نام کی کوئی شخصیت پائی جاتی تھی، جس نے شیعی مذہب کو رواج دینے میں کوئی کردار ادا کیا ہو۔ اور جو اس کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں انہوں نے اسے مجروح و مطعون قرار دیتے ہوئے اس کا تذکرہ کیا ہے چہ جائے کہ شیعی مذہب کو رواج دینے میں اس کے کسی رول کا اعتراف کیا ہو۔ (۱)

حقیقی معنوں میں شیعی مذہب کا حامل اس قسم کی بات اپنے منہ سے ہرگز ہرگز نہیں نکال سکتا۔ یہیں سے اس واقعہ کا من گھڑت ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سے صحابہ کرام کے کم علم ہونے یا کم حدیثیں یاد ہونے کی جو بات کہی گئی ہے بعید نہیں کہ اس میں نمک مرچ لگا کر مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہو اور بات کا رخ گھما کر کچھ کا کچھ بنا دیا گیا ہو۔ اس طرح کی حرکات کا مظاہرہ آج کل بھی کیا جاتا ہے۔ بات کچھ کہی جاتی ہے لیکن اس کا رخ موڑ کر کچھ کا کچھ بنا دیا جاتا ہے۔ لہذا مستبعد نہیں کہ صحابہ کے بارے میں محدث بنارسی نے یہ کہا ہو کہ اس وقت احادیث کے جمع نہ ہونے کی وجہ سے ہر صحابی کو تمام احادیث کا علم نہیں تھا۔ (۲) اسی بات میں نمک مرچ لگا کر یہ کہہ دیا گیا کہ مولانا محدث بنارسی کا یہ کہنا ہے کہ صحابہ کرام کو چند حدیثیں ہی یاد تھیں۔

ان کے تعلق سے بنارس و مضافات بنارس میں غیر مقلدیت کی ترویج و اشاعت کی جو بات کہی گئی ہے اور ہزار ہا کی تعداد میں لوگوں کو قید مذہب سے آزاد کرانے کا جو دعویٰ کیا گیا ہے اگر مبنی بر حقیقت ہوتا تو آج بنارس و مضافات بنارس کی وہ شکل نہیں ہوتی جس کا مشاہدہ کیا جا رہا ہے۔ بنارس کی آدھی نہیں تو کم از کم ایک تہائی مسلم آبادی ان کی تبلیغ سے متاثر

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب "عبداللہ بن سبا عقائد و نظریات کے آئینہ میں"

(۲) اس سلسلے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کی مثال کافی ہے۔ جن کے بارے میں رکوع میں تطبیق کے تعلق سے فتاوی دار العلوم مکمل و مدلل (۲/۱۶۹......۱۷۰) میں مرقوم ہے: "یہ قصہ تطبیق فی الرکوع کا صحیح ہے، اس کی تاویل علماء نے یہ فرمائی ہے کہ ممکن ہے کہ اس کا نسخ ان کو معلوم نہ ہوا ہو یا ان کا مذہب تخییر کا ہو۔

ہو کر ان کے قول کے مطابق لا مذہب (غیر مقلد) ضرور ہوتی۔لہذا یہ دعویٰ بھی اس واقعہ کی تکذیب کے لئے کافی ہے۔ ہوسکتا ہے راقم کی معروضات مولوی محمد ابوبکر غازی پوری اور ان کی ہم نوا جماعت کے حلق سے نیچے نہ اتر سکے، کیونکہ تجربات یہی بتلاتے ہیں کہ اس طرح کے حقائق کا ان کے حلق کے نیچے اترنا بہت دشوار ہے لہذا ایک غیر جانبدار مورخ جنہیں برصغیر کی اسلامی تحریک کا ماہر سمجھا جاتا ہے اور وہ ہیں مولانا مسعود عالم ندویؒ ان کا اقتباس بھی پیش کر دینا مناسب ہوگا۔ موصوف نے مولانا عبدالحق محدث بنارسیؒ کے اوپر عاید کئے گئے الزامات کا منصفانہ جائزہ لیا ہے، اسی منصفانہ جائزہ کی روشنی میں مولانا عبدالحق بنارسی کے خلاف عاید کی گئی بازاری تہمتوں اور ان کے حق میں استعمال کی گئی سوقیانہ زبان کا تعاقب اپنے ایک مضمون میں راقم کر چکا ہے۔(۱)

اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تفصیل میں نہ جا کر آپ کے اوپر شیعیت و زیدیت کے لگائے گئے الزام کے دفاع سے متعلق مولانا مسعود عالم ندوی رحمہ اللہ کے چند جملے نقل کر دیئے جائیں۔ ''مولانا عبدالحق محدث بنارسی کی کردار کشی'' کے عنوان کے تحت آپ لکھتے ہیں:

''اہلحدیث عالموں کے جس رہنما کو مولانا (یعنی عبیداللہ سندھی) (۲) زیدی شیعہ

---

(۱) ملاحظہ ہو محدث بنارس اگست ۱۹۹۸ء (ص:۱۱) یہ حضرات اپنی راگنی کے علاوہ کسی کی بات کو سننا گوارہ نہیں کرتے خواہ وہ کتنے ہی باوثوق ذریعہ سے اور کتنے ہی مدلل انداز میں کی جائے۔

(۲) مولانا عبیداللہ سندھی کی شخصیت بقول مولانا مسعود عالم ندوی رحمہ اللہ ایک عجیب وغریب شخصیت ہے، اور ان کے افکار ان کی شخصیت سے بھی زیادہ عجیب وغریب ہیں، ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے اسلام قبول کیا دیوبند میں تعلیم پائی، سیاسیات میں داخل ہوئے اور اس طرح کہ ہندوستان چھوڑنا پڑا۔ جلاوطنی کی زندگی کابل، ماسکو، انقرہ اور یورپ کے مختلف ممالک میں گزاری، آخر میں حجاز آ گئے تھے۔ ملاحظہ ہو: ''مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے افکار وخیالات پر ایک نظر'' (ص ۱۳۳......دارالدعوۃ السلفیہ لاہور) یہ ہیں دارالعلوم دیوبند کے لائق وفائق سپوت، جس کو اسٹالن اور اس کے نظریہ کیمونزم سے غیر معمولی شغف اور محبت تھی، اسلام کے مقابلہ میں قومیت کے علم بردار تھے، جلال الدین اکبر ان کا چہیتا تھا، سید احمد شہید کی تحریک سے وابستہ جملہ عاملین بالکتاب والسنہ کی نیش زنی اور طعن وتشنیع کی غرض سے ''شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ہے، جس میں تاریخ نویسی کے بجائے بقول مولانا حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ تاریخ سازی سے زیادہ کام لیا ہے، مولانا مسعود عالم ندوی رحمہ اللہ نے اپنی مذکورہ تالیف میں اسی کتاب کا علمی وتحقیقی اسلوب میں جائزہ لیا ہے، نجد وحجاز کے سلفی علماء ومحققین سمیت برصغیر کے علماء اہلحدیث کا علمی انداز سے دفاع کیا ہے۔ فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

کہتے ہیں وہ شیخ عبدالحق بن فضل اللہ بنارسی مہاجر مکی (ف ذوالحجہ ۱۲۸۹ھ) ایک متبع سنت سلفی عالم ہیں، ان پر زیدیت اور شیعیت کا الزام عاید کرنا بڑا ظلم ہے''۔

آپ کے خلاف دوسرے بڑے الزام کہ ''سید احمد شہید نے انہیں جماعت سے نکلوادیا تھا'' کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہمیں نہیں معلوم کہ امیر شہید نے انہیں کب جماعت سے نکلوادیا تھا کیا اس کا کوئی مستند ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے''؟

پہلے الزام کے تعلق سے مزید لکھتے ہیں:

''اب رہا شیخ عبدالحق بن فضل اللہ پر زیدیت اور شیعیت کا الزام، اسکی حیثیت ایک بہتان سے زیادہ نہیں ہے۔ دیکھیئے کہیں ''مرغ قبلہ نما'' تو آپ کی ناوک افگنی کا نشانہ نہیں بن رہا ہے''۔(۱)

بعدہ مولانا ندوی رحمہ اللہ نے محدث بنارسی'' سے متعلق تین سرخیاں: ''مولانا عبدالحق بنارسی کی شخصیت''، ''مولانا عبدالحق کی مظلومیت'' اور ''مولانا عبدالحق کی اپنی تصریحات'' قائم کی ہیں، پہلی سرخی کے تحت سیرت سید احمد شہید اور تراجم علماء اہلحدیث کے اقتباسات پیش کر کے مولانا محدث بنارسی کی شخصیت کو واضح کیا ہے، دوسری سرخی کے تحت تفریح طبع کے لئے غیروں کی بنائی ہوئی کہانی پیش کی ہے، اور اس سلسلے میں دو مورخین کے اقتباس ذکر کئے ہیں، تیسری سرخی میں مولانا محدث بنارسی کی زبان میں ان کے حالات وخیالات کا ذکر کیا ہے، جس کو انہوں نے مولانا بنارسی کے ایک اجازت نامہ سے اخذ کیا ہے، اس طرح اپنوں کی کردارکشی غیروں کی بنائی ہوئی کہانی اور اخیر میں ان کی کہانی خود ان کی زبانی بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس اجازت نامے کے بعد بھی ان پر ''زیدیت'' اور ''شیعیت'' کا الزام رکھا جائے گا؟ اگر اس سلسلے میں کوئی غلط فہمی تھی تو اب دور ہو جانا چاہیے نجد ویمن کے مجتہد الفکر

(۱) ملاحظہ ہو: مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے افکار وخیالات پر ایک نظر (ص:۷۶)

سلفی عالموں کے سامنے زانوے تلمذتہ کرنا کوئی جرم نہیں، اور عبدالحق بنارسی تو علمائے یمن سے پہلے اساطین خانوادۂ ولی اللہ کے شاگرد اور کفش بردار ہیں۔ البتہ ان کی نظر ہندوستان تک محدود نہیں اور اس پر وہ مولانا سندھی کی اصطلاح میں انٹرنیشنل ہیں، اور ہمارے مولانا کے یہاں اس سے بڑا کوئی جرم نہیں ہے"۔(۱)

مولانا محدث بنارسی پر بیک وقت زیدیت اور شیعیت کا الزام عاید کرنا خود اس کی تکذیب کے لئے کافی ہے، کیونکہ زیدیت اور شیعیت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

مولانا عبدالحق محدث بنارسی کے بعد جماعت اہل حدیث کے اکابرین میں سے جن کو شیعیت سے متہم کیا گیا وہ شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی ہیں، آپ کو شیعیت سے متہم کرنے کے لئے جن امور کو بنیاد بنایا گیا ہے وہ حد درجہ مضحکہ خیز ہونے کے ساتھ ایک اتہام سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ ان میں سرفہرست افعال صحابہ کی حجیت سے آپ کا انکار، نیز فقہاء کرام بالخصوص حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کی فقہ سے آپ کی کدورت اور مطاعن ابی حنیفہ کی تلاش وجستجو میں شیعہ مجتہد تک آپ کا جانا ہے۔ چنانچہ وہی صاحب جنہوں نے مولانا محدث بنارسی رحمہ اللہ کو مطعون کرنے کی کوشش کی ہے مولانا سید نذیر حسین رحمہ اللہ کو بھی اپنے تیر تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میاں صاحب جب تارک تقلید ہوئے تو آپ نے افعال صحابہ کی حجیت سے بھی انکار کیا، فرماتے ہیں:"افعال الصحابة (رضي الله عنهم) لا تنتهض للاحتجاج بها "یعنی صحابہ کے افعال سے حجت شرعیہ قائم نہیں ہوسکتی"(۲)

---

(۱) مولانا عبید اللہ سندھی اور ان کے افکار وخیالات پر ایک نظر (ص: ۷۷-۸۱) یہاں مولانا سندھی صاحب کے نظریہ قومیت کا ذکر مولانا مسعود عالم ندوی رحمہ اللہ نے حاشیہ میں کیا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں "مولانا کی توجیہ کے مطابق ہمیں نجدی ویمنی تحریکوں سے متاثر ہندوستانیوں کی انٹرنیشنلزم ہی پسند ہے، اور واقعی ہم اسلام کے سوا "سب چیزوں" کو نہیں مانتے، اور ہمارے یہاں ہندوستانیت عربیت وغیرہ کوئی چیز نہیں ہے اب آپ چاہے اسٹالن کی طرح جلاوطن کردیں یا پھانسی پر لٹکائیں، ہم تو اسلام اور اتحاد اسلام کی رٹ لگاتے ہی رہیں گے"۔

(۲) مذکورہ اقتباس کے لئے مظالم روپڑی صفحہ ۵۸ بحوالہ فتاوی نذیریہ جلد اول صفحہ ۱۹۶ کا بواسطہ "تعارف علماء اہل حدیث (ص: ۳۱) حوالہ دیا گیا ہے۔

کیا اس مفروضہ پر کوئی دلیل پیش کی جا سکتی ہے کہ آپ نے ترک تقلید کے بعد ہی افعال صحابہ کی حجیت کا انکار کیا۔

نیز آپ کو فقہاء کرام بالخصوص حضرت امام اعظم اور ان کی فقہ سے کد ہو گئی۔ مطاعن ابو حنیفہ کی جستجو آپ کو شیعہ مجتہد تک لے گئی، چنانچہ لکھتے ہیں:

''مولوی نذیر حسین صاحب نے سید محمد مجتہد شیعہ سے بذریعہ خطوط مطاعن ابو حنیفہ کے طلب کئے، اور ہمت آپ کی بالکل طرف مطاعن ائمہ فقہاء اور تجہیلات صحابہ کے مصروف ہے، اور مدار قول ابو حنیفہ کا جو قرآن یا حدیث صحیح ہے اس سے بالکل چشم پوشی ہے، سب عبادات اور دینیات کو چھوڑ کر فقط مطاعن صحابہ اور فقہاء کو عبادت اور جہاد قرار دے کر مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کو عبادت عظمیٰ قرار دیا، اور اپنی نافہمی سے احادیث کو یا اپنی جہالت سے موضوعات کو حدیث قرار دے کر مخالفت ابو حنیفہ کی طرف نسبت کی ہے، لہذا مولوی سید نذیر حسین کے شیعہ ہونے میں شبہ نہیں ہے''۔(۱)

اس کے بعد مضمون نگار نے بعض شاگردوں کے ان کا نام لئے بغیر مبنی بر تشدد اقوال کی ذمہ داری بھی میاں صاحب ہی پر عاید کی ہے۔

جرأت و بے باکی ملاحظہ ہو، افعال صحابہ کو حجت شرعیہ نہ ماننے کی صورت میں موصوف میاں صاحب کو رفض و تشیع سے متہم کیا گیا ہے، محض اتنی سی بات پر اگر رفض و تشیع سے متہم کرنا درست ہو سکتا ہے تو بہت سے علماء احناف کو بھی شیعی و رافضی ماننا پڑے گا، کیونکہ انہوں نے بھی مبینہ طور پر افعال صحابہ کو حجت نہیں مانا ہے، بلکہ علماء احناف کی صراحت کے مطابق امام شافعی کو بھی رافضی قرار دینا پڑیگا، کیونکہ انہوں نے بھی افعال صحابہ کو حجت نہیں تسلیم کیا ہے (۲) ہو سکتا ہے آپ امام شافعی رحمہ اللہ کو رافضی مان لیں

---

(۱) ملاحظہ ہو: ''غیر مقلدیت کا بانی اور ترک تقلید کے مہلک نتائج''۔

(۲) اس مسئلے پر آگے کہیں چل کر مفصل و مستقل کلام کیا جائے گا، بر وقت اتنا ہی عرض کر دینا کافی سمجھتے ہیں کہ شرح مسلم الثبوت مولفہ بحر العلوم (ص ۴۷۱...... مطبوع نول کشور لکھنو) میں امام شافعی رحمہ اللہ (قول جدید میں) سمیت ائمہ احناف میں سے علامہ ابو الحسن کرخی اور ایک جماعت کو ان لوگوں میں شمار کیا گیا ہے جو افعال صحابہ کو حجت نہیں مانتے ہیں۔ اسی طرح دیو بندیت کے ایک فاضل مولانا عامر عثمانی لکھتے ہیں: ''صحابہ بھی من حیث الفرد واجب الاطاعت نہیں ہیں......'' ماہنامہ تجلی دیو بند ڈاک نمبر دسمبر ۱۹۷۲ء منقول از مجالس (ص:۹)

کیونکہ آپ ہی کی جماعت سے وابستہ بعض بزرگوں نے ان کے حق میں ایک حدیث وضع کر کے ان کے فتنہ کو ابلیس کے فتنہ سے زیادہ مضرت رساں قرار دیا ہے۔ یوں تو ائمہ اربعہ کی حقانیت کا دعوی کرتے ہوئے ان میں سے کسی ایک کی تقلید کو واجب وضروری گردانا جاتا ہے، لیکن موقعہ آتا ہے تو وہی امام شافعی اور دیگر ائمہ کرام دشمن بھی ہو جاتے ہیں۔ لہذا کوئی بعید بات نہیں ہے کہ امام شافعی کو بھی شیعی قرار دے دیا جائے۔ لیکن اپنے علماء مذہب کو شیعہ قرار دے کر احترام صحابہ کے اپنے دعوے کی حقانیت کو ثابت کرنے کی جرأت اگر آپ کے اندر ہے تو ذرا اسی فراخ دلی کے ساتھ ان علماء کو بھی شیعہ کہہ دیجئے جو افعال صحابہ کو حجت نہیں تسلیم کرتے۔

میاں صاحب رحمہ اللہ کو شیعی قرار دینے کے لئے دوسری دلیل جو پیش کی گئی ہے وہ اتنی مضحکہ خیز ہے کہ انسان اس پر ہنسے بغیر نہیں رہ سکتا، ایسا ہی کوئی شخص اس قسم کے دلائل سے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کی جرأت کر سکتا ہے جو معقولیت وغیر معقولیت کی صلاحیت کھو بیٹھا ہو۔ کیا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یا دیگر فقہاء کرام جن کی تنقیص وعیب جوئی کا الزام میاں صاحب پر عاید کیا جاتا ہے صحابہ میں شمار کئے جانے لگے ہیں کہ ان کی تنقیص کو بھی رفض وتشیع کہا جانے لگا؟ ابھی تو ان کے تابعی یا تبع تابعی ہونے میں ہی اختلاف تھا۔

حالانکہ یہ دعوی بھی اپنی جگہ بالکل غیر معقول اور غیر واقعی ہے کہ آپ کو امام صاحب یا دیگر فقہاء کرام رحمہم اللہ سے کسی قسم کی کدورت تھی۔ فتاویٰ کی شکل میں ان کی تحریریں موجود ہیں ان کی کدورت کا ایک نمونہ بھی نہیں پیش کیا جا سکتا ہے بلکہ اس کے برخلاف موصوف نے اپنے فتاویٰ میں ائمہ احناف سمیت تمام فقہاء امت کا نہایت ادب واحترام کے ساتھ نام لیا ہے۔ نہ صرف ادب واحترام کے ساتھ نام ہی لیا ہے بلکہ بعض فتاوی میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر اعتماد بھی کیا ہے۔(۱)

---

(۱) اس کی بعض مثالیں بعنوان ''محدث عبدالحق بنارسی ومیاں نذیر حسین محدث دہلوی، دو انصاف پسند اہل علم کی نظر میں'' پیش کی جا چکی ہیں۔ ملاحظہ ہو: محدث بنارس اگست ۹۸ء (ص:۲۲)

مناسبت کے پیش نظر ہم یہاں مولوی ابو بکر غازی پوری کی ایک ... غازی اور اس کی آڑ میں میاں صاحب تحفہ پر

اور اگر ان کی مراد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی عدم تقلید ہے، یا بعض مسائل میں ان کی رائے سے عدم اتفاق ہے اور اسی کو وہ امام صاحب سے نفرت و کدورت سے تعبیر کرتے

=ان کی تبرا بازی کی طرف قارئین کرام کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں، فتاوی نذیریہ (۲/۴۹۰) میں ایک استفتاء موجود ہے جس میں ایک ایسی عورت کی جانب سے سوال کیا گیا ہے جس کا شوہر پچاس سالہ بہن سمیت اپنی چند بیٹیوں کو جو بلوغت کی حد کو پار کر چکی ہیں بلا نکاح بیٹھا رکھا ہے، ان کی شادی نہیں کرتا، عورت کا کہنا ہے کہ کیا میں شوہر کی اجازت کے بغیر اپنی لڑکیوں کی شادی کر سکتی ہوں، اس کا جواب ابراہیم فقیر محمد حسین نامی کسی اہل علم نے تحریر کیا ہے، جس میں درمختار اور عالمگیری وغیرہ کے حوالے سے جواز کا فتوی دیا ہے اس صورت میں والدہ اپنی بچیوں کی شادی ان کی اجازت سے کہیں کر سکتی ہے، باپ کے منع کرنے سے اس کی ولایت ساقط اور پامال ہوگئی، فتوی کے اخیر میں صرف مجیب کا نام درج ہے نہ میاں صاحب کے تصدیقی کلمات ہیں اور نہ آپ کے دستخط کی نقل موجود ہے۔ جیسا کہ عموماً شاگردوں کے لکھے ہوئے جوابات کے اخیر میں "الجواب صحیح" یا اسی معنی کی عبارت لکھی ہوتی ہے۔ اور آپ کے دستخط کی نقل ثبت ہوتی ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف فتوی کے معاً بعد مولانا مبارکپوری صاحب تحفہ رحمہ اللہ کا تردیدی نوٹ ہے۔ جو ہمارے مولانا غازی پوری کے لئے سوہان روح ثابت ہوا، اس نوٹ پر ان کی مسلکی حمیت اور حنفی غیرت کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا، دل کے پھپھولے پھوڑنے کی ضرورت محسوس کرنے لگے اور اس کے لئے موقعہ کی تلاش میں لگ گئے۔ چونکہ صاحب تحفہ کا تعاقب نہایت مدلل اور واضح تھا۔ ہاتھ کا کرتب دکھائے بغیر اگر بدزبانی کرتے تو شاید ان کے ہم نوا حضرات بھی بدظن ہو جاتے، لہذا بزرگوں سے سیکھی ہوئی امانتداری (؟) کے گر کو بروئے کار لاتے ہوئے کئی ایک ہاتھ کی صفائی دکھلائی۔

اولاً: ابراہیم فقیر محمد حسین کا تحریر کردہ فتوی میاں صاحب کا فتوی بنا کر پیش کیا جب کہ وہ فتوی نہ تو میاں صاحب کا تحریر کردہ ہے اور نہ اس پر آپ کی تصدیقی مہر ثبت ہے بلکہ صاحب تحفہ کے تعاقب پر میاں صاحب کی تصدیقی مہر ثبت ہے، معلوم ہونا چاہئے کہ فتاوی نذیریہ میں مذکورہ فتاوی کی شکلیں مختلف ہیں، کچھ فتاوے ایسے ہیں جو حقیقت میں میاں صاحب کے تحریر کردہ ہیں۔ اور کچھ ایسے ہیں جنہیں شاگردوں نے تحریر کیا ہے ان پر میاں صاحب کے تائیدی نوٹ اور دستخط ہیں۔ اس طرح وہ فتاوی بھی آپ ہی کے مانے جائیں گے، اور کچھ فتاوی مخالفین کے ہیں جن کو ذکر کر کے ان کا تعاقب کیا گیا ہے۔ اس کی واضح مثال میاں صاحب کا وہ فتوی ہے جسے مولوی محمد فصیح غازی پوری کے فتوی کو ذکر کے اس کے تعاقب میں تحریر کیا گیا ہے۔ کیا ابوبکر غازیپوری صاحب کی شریعت میں محمد فصیح غازی پوری کا ذکر کردہ فتوی میاں صاحب کا فتوی مانا جائے گا؟

ثانیاً: غازی پوری نے صاحب تحفہ کا مکمل کلام نہ نقل کر کے صرف نصف کلام ہی نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے، نصف باقی میں آپ نے بطور دلیل بلوغ المرام کے حوالے سے حدیث رسول: "لا تزوج المرأة المرأة" "کوئی عورت کسی عورت کی شادی نہیں کر سکتی" پیش کیا ہے، اور سبل السلام سے حدیث کی شرح اور اس کے مستفاد کو نقل کیا ہے، ان ساری چیزوں کو حذف کرنے کے ساتھ جو آدھا کلام نقل کیا ہے اس میں بھی ہاتھ کی صفائی دکھلائی ہے۔ اس طرح ماحول کو سازگار بنا کر صاحب تحفہ پر شاگرد اور استاذ کا حوالہ دے کر خوب خوب برسے ہیں اور اس کے لئے عنوان قائم کیا ہے "ذرا غیر مقلد...

ہیں تو اس میں میاں نذیر حسین رحمہ اللہ تنہا نہیں ہیں، بلکہ علماء احناف میں ایک نہیں سیکڑوں محققین مل سکتے ہیں جنہوں نے امام صاحب کی رائے اور ان کے اجتہاد سے اختلاف کیا ہے، بلکہ خود امام صاحب کے شاگردان خاص نے ایک قول کے مطابق ایک ثلث دوسرے قول کے مطابق دو ثلث اقوال میں اختلاف کیا ہے، اگر ان کا اختلاف کسی قسم کی کدورت کا سبب نہیں بن سکتا تو صرف میاں صاحب رحمہ اللہ یا دیگر علماء اہل حدیث کا اختلاف کیوں کر باعث کدورت ہو سکتا ہے؟

اور بفرض محال اگر میاں سید نذیر حسین رحمہ اللہ کو امام صاحب یا دیگر فقہاء امت سے نفرت تھی تو کیا اس کی وجہ سے آپ کو شیعی اور رافضی کہا جا سکتا ہے؟ بناء باطل علی باطل کی اس سے بڑھ کر اور کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔ مطاعن ابی حنیفہ کے سلسلے میں شیعی مجتہد سے خط و کتابت کی جو بات کہی گئی ہے وہ ایک مخالف معاصر شخص کی روایت ہے جو مختلف شکوک و شبہات کے دائرے میں آ سکتی ہے۔ آیئے ہم آپ کو دیو بندی ''سیدنا'' کے اہل تشیع کے ساتھ قلبی روابط اور ایک بڑے شیعی مجتہد کے در پر ان کی حاضری کا واقعہ خود انہی کے ایک خاص شاگرد کی زبانی سناتے ہیں۔ سوانح قاسمی کے مولف لکھتے ہیں:

''شیعوں میں مشہور مجتہد مولوی حامد حسین صاحب لکھنوی تھے، اپنی شان اور اپنے مقام کا خیال کئے بغیر سیدنا الامام الکبیر ان کے پاس پہنچ گئے جس حال میں پہنچے تھے اس کا ذکر اپنے ایک خط موسومہ مولوی حکیم ضیاء الدین رام پوری میں بایں الفاظ فرمایا ہے:

''بے عمامہ و رومال چنانکہ عادت من ست برمکانے کہ مولوی حامد حسین صاحب لکھنوی...... فروکش بودند رفتم''(۱)

یہی نہیں بلکہ انہوں نے ماتم کی مجلسوں میں شریک ہو کر ان میں تقسیم کیا جانے والا حلوہ بھی قبول کیا ہے، جس سے ان کے سوانح نگار نے شیعوں کے ساتھ ان کے قلبی تعلق پر استدلال کیا ہے۔ ان کے دل میں اہل تشیع کیساتھ جو نرم گوشہ پایا جاتا تھا اس کی

(۱) سوانح قاسمی (۲/۶۵)

زبردست وکالت بھی کی ہے۔ آپ روافض اور اہل تشیع کے دین کو برزخی دین کا نام دیتے تھے۔ یہ ساری تفصیلات سوانح قاسمی میں ان کے شاگرد رشید نے قلم بند کی ہیں۔ (۱)

چونکہ معاملہ اپنے سیدنا الامام الکبیر کا تھا لہذا ان تمام امور سے ان کی سنیت میں کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے۔ وہ پکے سنی ہی رہیں گے۔ وہ تو علماء اہل حدیث ہی ہیں کہ ان کی جانب جھوٹے ہی کسی شیعی مجتہد سے خط و کتابت کی بات منسوب کر دی گئی تو وہ شیعی رافضی قرار پا گئے، یا محض اس بناء پر ان کو شیعی زیدی کا لقب عطا کر دیا گیا کہ انہوں نے افعال صحابہ کی حجیت کا انکار کیا۔ جب کہ بعض ائمہ کرام جن کی تقلید کو واجب قرار دیا جاتا ہے انہوں نے بھی افعال صحابہ کی حجیت کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ کوئی مثال دیئے بغیر یا کوئی نمونہ پیش کئے بغیر علامہ سید نذیر حسین رحمہ اللہ کو کس جرأت اور تھوک بھاؤ سے متہم کرنے کی جسارت کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ تمام عبادات اور دینی مسائل کو چھوڑ کر محض فقہاء اور صحابہ کرام کے مطاعن کو عبادت سمجھ کر مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کو وہ عبادت عظمیٰ تصور کرتے تھے۔ حقیقت میں اس طرح نفرت و عداوت اور بغض و حسد سے لبریز دلوں کے پھپھولے پھوڑنے کی کوشش کی گئی ہے، اگر بیان حق اور تبلیغ دین سے کوئی یہ تصور کرے کہ یہ مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی کوشش ہے تو اسے اپنے ایمان کی خبر لینی چاہیئے۔ کچھ اسی طرح کا الزام رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی پر بھی عائد کیا گیا تھا جب آپ نے دین اسلام کی دعوت دینا شروع کیا تھا۔ ثبوت فراہم کئے بغیر یہ الزام عاید کرنا کہ میاں صاحب رحمہ اللہ موضوعات (من گھڑت حدیث) کو حدیث قرار دے کر یا اپنی جہالت و نافہمی کی بناء پر امام ابو حنیفہ کی جانب مخالفت کی نسبت کرتے ہیں کسی بھی طرح قرین عقل و منطق نہیں ہے۔ دلائل سے عاری اس طرح کے جابرانہ احکام کو وہی شخص تسلیم کر سکتا ہے جس کے سینہ میں بغض و حسد کی آگ شعلہ زن ہوگی۔ کوئی بھی انصاف پسند اس نوعیت

---

(۱) تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: راقم کا مضمون ''مولوی ابوبکر غازی پوری کی دیوبندیت اور اس کے شاخسانے'' جریدہ ترجمان دہلی شمارہ ۱۲، ۱۹، ۲۶ / فروری ۱۹۹۹ء قسط ۲ (ص: ۱۶، ۱۸)

کے غیر عادلانہ حکم کو اپنے سخت ترین دشمن کے خلاف بھی قبول کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔
مذکورہ اقتباس کا آخری جملہ قابل دید ہے، دلائل سے عاری مختلف فرد جرم زبردستی عاید کرنے کے بعد بھی صاحب اقتباس کو جب یہ احساس ہوا کہ ہماری ان تمام سطحی اور غیر معیاری باتوں سے میاں صاحب کا شیعی ہونا نہیں ثابت ہوتا تو لٹھ بازوں کی طرح چلتے چلاتے حد درجہ تحکمانہ انداز اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لہذا مولوی نذیر حسین کے شیعہ ہونے میں شبہ نہیں ہے"۔

ہم نہایت ادب کے ساتھ عرض کرنا چاہیں گے ہوسکتا ہے کہ انہیں اللہ تعالی کی جانب سے جو خصوصی اختیارات ملے ہوئے ہیں اور جن کا بعض موقعہ اور مناسبت سے مظاہرہ بھی کرتے ہیں ان کو بروئے کار لا کر میاں صاحب کے دل میں جھانک کر ان کی شیعیت کا ان لوگوں نے پتہ لگالیا ہو، ورنہ ہم میاں صاحب کی تحریرات کو دیکھ کر یقین کی حد تک یہی سمجھتے ہیں کہ موصوف کے یہاں شیعیت کا ادنیٰ شائبہ تک نہیں پایا جاتا تھا۔ ان واضح تحریرات کے ہوتے ہوئے آپ کو وہی شخص شیعی قرار دے سکتا ہے جس کے دل میں آپ کے خلاف گرد کی موٹی تہ جمی ہوئی ہے اور جس کی شریعت میں حقائق سے منہ موڑ کر صرف افترا پردازی اور بہتان تراشی کے ذریعہ کسی کو متہم کرنا نہ صرف جائز بلکہ باعث اجر وثواب سمجھا جاتا ہے۔

واضح ہونا چاہیے کہ آپ کو صرف رفض وتشیع سے ہی نہیں متہم کیا گیا بلکہ اس کے علاوہ دیگر بازاری گھٹیا قسم کے الزامات سے بھی آپ کو نوازنے میں کرم فرما حضرات نے کافی فراخ دلی کا ثبوت دیا ہے، جن کا بعض غیر جانبدار اہل علم کی تحریرات کی روشنی میں ایک مستقل مضمون میں جائزہ لیا جاچکا ہے۔

جماعت اہل حدیث کے انہی تین اکابرین کو رفض وتشیع سے متہم کرنے کا مقصد عوام کی نظر میں پوری جماعت کو بدنام کرنا ہے، کیونکہ ان لوگوں کی نظر میں برصغیر میں غیر مقلدیت (اہل حدیث) کے یہی لوگ بانی مبانی ہیں۔ چنانچہ ان حضرات کو رفض وتشیع سے متہم کر کے بآسانی پوری جماعت کو عوام کی نظر میں مطعون کیا جاسکتا ہے۔ اور تاریخ کے

صفحات شاہد ہیں کہ جب بھی کسی بڑے عالم نے اصلاح وتعمیر کا بیڑہ اٹھایا اس کے گرد جھوٹے الزامات اور گھناؤنی تہمتوں کا ایسا زبردست جالہ تان دیا گیا کہ عوام کی نظروں میں وہ مبغوض و متہم ہو گیا، اور اس طرح لوگ اس کی باتوں کو سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ اس کی واضح مثال شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ ہیں۔ انہوں نے جس وقت اپنی دعوتی و اصلاحی سرگرمیوں کا سلسلہ شروع کیا ان کے خلاف غلط اور بے بنیاد گھاؤنے الزامات اور تہمتوں کا طومار باندھ دیا گیا۔ جب کہ حقیقت میں ان الزامات اور تہمتوں سے آپ کا دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ آج تک باوجودیکہ آپ کی دعوت واضح ہو چکی ہے لوگ انہی الزامات کو دہراتے چلے آرہے ہیں۔ کچھ یہی سلوک علماء اہل حدیث کے ساتھ بھی روا رکھا گیا ہے۔ حقائق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی لوگ ایسے گھسے پٹے الزامات کو دہراتے چلے آرہے ہیں جو کسی زمانے میں ان پر غلط طریقے سے عاید کیے گئے تھے۔ حالانکہ ان کے جوابات نہ صرف اہل حدیث قلم سے دئیے گئے بلکہ غیر جانبدار اہل علم بھی ان کی تردید و تعاقب میں پیش پیش رہے ہیں، لیکن ان کا ادنیٰ نوٹس لیے بغیر بعینہ انہی الزامات کو دہرا کر دل کی بھڑاس نکالی جا رہی ہے۔ اور بغیر کسی توقف کے اس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ حالانکہ جماعت اہل حدیث کا کبھی بھی یہ شیوہ نہیں رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی بھی ایک شخص میں محصور کر کے وجوبی طور پر اس کے جملہ آراء و اجتہادات کی پابندی کو ضروری سمجھتی ہو۔ اس کی نظر میں رسول اکرم ﷺ کے بعد کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جس کی علی الاطلاق اتباع کی جاسکے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو مخالفین بھی اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں لیکن مقصد برآری کے لئے بڑے سے بڑے حقائق کو بھی لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر جھٹلا سکتے ہیں۔ اگر اس سلسلے میں افتراء پردازی، بہتان تراشی اور تہمت بازی کی ضرورت پڑے تو اسے بھی بآسانی انجام دے سکتے ہیں جیسا کہ زیر بحث موضوع میں اس کی مثالیں دیکھنے میں آئیں۔

مذکورہ شخصیات جماعت اہل حدیث کے اکابرین میں ضرور شمار کی جاتی ہیں

جنہوں نے عمل بالحدیث کی تحریک کو پروان چڑھانے میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں لیکن ان کو غیر مقلدیت (اہل حدیث) کا بانی مبانی قرار دینا خام خیالی ہے۔ کیونکہ یہ دعوت کوئی نئی دعوت نہیں ہے جس کی بعد میں بناڈالی گئی ہے، بلکہ یہ دعوت اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ اسلام ہے، البتہ وقت وضرورت کے لحاظ سے اس دعوت کا احیاء اور اس کی تجدید ضرور عمل میں آتی رہی ہے۔

(۳) تیسری چیز جس کو دلیل بنا کر جماعت اہل حدیث کو گستاخ صحابہ قرار دیا جاتا ہے، وہ ہے قول صحابہ کی عدم حجیت کا مسئلہ، حالانکہ یہ مسئلہ ائمہ سلف کے زمانے سے ہی مختلف فیہ چلا آرہا ہے اگر علماء اہل حدیث میں سے کسی نے اس قسم کی بات لکھی ہے تو وہ اس باب میں تنہا نہیں ہے۔ بلکہ اس سے پہلے بھی بہت سے علماء کرام نے اسی قسم کی بات کہی ہے۔ لیکن ہمارے کرم فرما حضرات کی اہلحدیثوں کے ساتھ یہ خصوصی عنایت اور کرم گستری ہے کہ وہ انہی کو اپنے زہر آلود خنجر نما قلم کا نشانہ بناتے ہیں اور اپنے قلبی لگاؤ کی غرض سے صرف علماء اہل حدیث کو دشمن صحابہ جیسے القاب سے نوازتے ہیں جب کہ خود ان کی اصول فقہ کی کتابوں میں فقہاء امت کا اختلاف اس سلسلے میں مذکور ہے۔

اقوال صحابہ کی حجیت اور علماء احناف

چنانچہ ایک معروف کتاب ''شرح مسلم الثبوت'' (۱) میں منقول ہے کہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کے صاحبین سے کوئی روایت منقول نہیں ہے بلکہ ان کا عمل تقلید صحابہ کے بارے میں مختلف رہا ہے، کبھی وہ صحابہ کرام کی تقلید کرتے تھے اور کبھی نہیں بھی کرتے تھے اس کے بعد اس کی چند مثالیں ذکر کی ہیں۔

آخر میں شیخ عبدالحق دہلوی کی کتاب ''فتح المنان فی تائید مذہب النعمان'' سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) شرح مسلم الثبوت (ص ۳۰ مطبع نولکشور لکھنو)

''ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ ''جو حدیث رسول ﷺ سے منقول ہے وہ سر آنکھوں پر اور جو صحابہ کرام سے منقول ہے تو اسے میں ترک نہیں کروں گا''۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی جانب سے ایک واضح صراحت ہے کہ آپ تقلید صحابہ کے قائل تھے لیکن بعض مسائل میں آپ کا عمل صحابی رسول کے قول کے برخلاف تھا''

تو ذرا موصوف غازی پوری (دامت برکاتہم) یہ بتلائیں کہ امام صاحب اور صاحبین نے جن مسائل میں عمل صحابہ کی مخالفت کی ہے ان میں وہ صحابہ کرام کے شیدائی تھے یا گستاخ؟ ذرا انصاف سے کام لیجئے گا، ویسے آپ جیسے لوگوں سے انصاف کی توقع فضول ہے۔

''شرح مسلم الثبوت'' میں ایک دوسری جگہ اسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ان لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو صحابی رسول کے قول کو واجب التقلید نہیں مانتے۔ ان میں امام شافعی کا (قول جدید میں) اور ابوالحسن کرخی کا بھی ذکر کیا گیا ہے(۱) کہ ان حضرات نے صحابہ رسول کے واجب التقلید ہونے کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے اپنے قول پر استدلال کرتے ہوئے کہا ہے:

"قوله و قول مجتهد آخر سواء"

''یعنی صحابی رسول کا قول اور کسی دوسرے مجتہد کا قول دونوں یکساں ہیں''

ایک دوسرے قول کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''ایک قول یہ بھی ہے کہ صرف پہلے دونوں امیر المومنین حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اقوال ہی سنت سے ملحق قرار دیئے جائیں گے نہ کہ دیگر صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم) کے اقوال، یعنی صرف پہلے دونوں امیر المومنین کے اقوال واجب التقلید ہیں''۔

پھر وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) میرے خیال میں ابوالحسن کرخی کے بارے میں یہ بتلانے کی ضرورت نہیں ہے وہ کون تھے؟

("اقوال صحابہ کی حجیت وعدم حجیت کے بارے میں) یہ نزاع صرف ان اقوال صحابہ کے بارے میں ہونا چاہیئے جنہوں نے اپنی زندگیاں صحبت رسول میں گذار دیں اور رسول اکرم ﷺ کے پاکیزہ اخلاق کو اپنایا۔ مثال کے طور پر خلفائے اربعہ، ازواج مطہرات، عبادلہ اربعہ (عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمرو) انس، حذیفہ (رضوان اللہ علیہم) اور جوان کے طبقہ میں ہیں نہ وہ صحابہ جو فتح مکہ کے موقعہ پر ایمان لائے تھے اس لئے کہ ان سب سے بیشتر لوگوں کو احکام شریعت کی معرفت بطور تقلید حاصل ہوئی تھی، واللہ اعلم، نیز یہ نزاع عموم بلوی والے امور کے علاوہ میں ہونا چاہیئے، اگر عموم بلویٰ والے امور میں کسی صحابی رسول کا قول عموم بلوی کے خلاف ہوگا تو اسے متفقہ طور پر قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے ایسی صورت میں حدیث رسول کو نہیں قبول کیا جاتا تو صحابی رسول کے قول کو کیونکر قبول کیا جائے گا۔(۱)

قارئین کرام کو اسی ایک اقتباس کے ذریعہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ان لوگوں کے دانت دکھانے کے اور، اور کھانے کے اور ہیں، یہ حضرات دعوی کرتے ہیں صحابی رسول کے قول کی مطلق تقلید کا، اور جھنڈا بلند کرتے ہیں احترام صحابہ اور تقدس صحابہ کا، لیکن ان کی کتابوں میں کچھ اور ہی ملے گا آپ کو۔

اول: یہی کہ امام شافعی رحمہ اللہ سمیت خود علماء احناف میں سے بہت سے حضرات قول صحابہ کو حجت نہیں مانتے، لہذا سب کو چھوڑ کر صرف اہل حدیثوں کو ہی مطعون کرنا اور ان کو چھوٹا رافضی قرار دینا اہل حدیثوں سے تعلق خاطر کی دلیل ہے جس پر اہل حدیثوں کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ سب کو نظر انداز کر کے صرف انہی کو درخور اعتناء سمجھا جاتا ہے۔ یہ ان حضرات کی انتہاء درجہ کی ذرہ نوازی اور کرم فرمائی ہے۔

دوم: یہ کہ یہ حضرات مطلق صحابہ کے اقوال کی حجیت کا اعلان کر کے بالکل جھوٹے طریقے سے احترام صحابہ اور محبت صحابہ کا علم بلند کئے ہوئے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ

---

(۱) شرح مسلم الثبوت (ص:۳۷۱)

ان کی کتابوں میں صرف ان ہی حضرات کے اقوال کو حجیت کا مقام حاصل ہے جن کو طول صحبت کا شرف حاصل ہے۔ان کی نظر میں فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام لانے والے صحابہ کرام کو تقلیدی طور پر علم حاصل تھا یعنی صحابہ کرام مقلد تھے۔گویا انہوں نے اپنے ساتھ صحابہ کرام کو بھی مقلد بنالیا۔

سوم: عموم بلوی کو صحابہ کرام کے اقوال پر بلکہ احادیث رسول پر بھی فوقیت حاصل ہے۔اس کے مقابلہ میں نہ تو حدیث کو ترجیح دی جائے گی اور نہ صحابی رسول کے قول کو۔ واضح ہونا چاہیئے کہ اس قسم کی تفصیل صرف شرح مسلم الثبوت میں ہی نہیں مذکور ہے، بلکہ اصول فقہ کی تقریباً سبھی کتابوں میں اس قسم کی تفصیل آپ کو نظر آئے گی۔تمام کتابوں کی تفصیل یہاں ذکر کرنا ممکن نہیں ہے اسلئے صرف ایک کتاب جس کو صرف سیدواڑہ کی شورائی مجلس کے ممبران بلند اطوار ہی سمجھ سکتے ہیں ''التوضیح والتلویح'' سے مسئلہ کا خلاصہ پیش کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے:

مذکورہ کتاب میں تقلید صحابی کے تعلق سے تین حالتیں ذکر کی گئی ہیں۔ایک حالت میں وجوبی طور پر تقلید صحابی کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔یہ اس صورت میں جب کہ قول صحابی کو صحابہ کرام کے مابین شہرت حاصل ہوئی ہو اور تمام صحابہ کرام نے اس کو تسلیم کرتے ہوئے سکوت اختیار کیا ہو۔

دوسری حالت میں اجمالی طور پر تقلید صحابی واجب نہیں ہے۔ یہ اس صورت میں جب کہ صحابہ کرام کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہو۔

تیسری حالت وہ ہے جس میں صحابہ کرام کے اختلاف واتفاق کا علم نہ ہو۔ایسی صورت میں علماء کرام کے مابین اختلاف ہے۔

پھر اختلاف کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امام شافعی کے نزدیک تقلید صحابی واجب نہیں ہے کیونکہ جب صحابی نے حدیث کو مرفوعاً روایت نہیں کیا ہے تو اسے سماع پر نہیں محمول کیا جائے گا، اور اجتہاد میں وہ اور تمام

مجتہدین برابر ہیں۔ ابو سعید بردعی کے نزدیک واجب ہے۔ وہ حدیث "اصحابی کالنجوم ...." (۱) سے استدلال کرتے ہوئے دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ ان کے اکثر و بیشتر اقوال رسول اکرم ﷺ سے سنے ہوئے ہیں، اور اگر انہوں نے اجتہاد سے بھی کام لیا تو ان کی رائے اور ان کا اجتہاد زیادہ درست ہوتا ہے۔ اور کرخی کے نزدیک ایسے امور میں تقلید صحابی واجب ہے جن کا قیاس و اجتہاد کے ذریعہ ادراک نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ ایسے امور میں دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو رسول اکرم ﷺ سے سنا ہو یا کذب بیانی کی ہو۔ دوسری صورت کا امکان نہیں ہے لہذا پہلی صورت متعین (یعنی رسول اکرم ﷺ سے سننا) ایسے امور میں جن کو قیاس کے ذریعہ جانا جا سکتا ہے صحابی رسول کی تقلید نہیں کی جائے گی کیونکہ صحابہ کرام کے یہاں رائے و قیاس سے کام لینا معروف ہے۔

اخیر میں بطور خلاصہ مذکور ہے:

"بعض مقام میں صحابہ کرام کے اقوال کی تقلید کر کے ان کی اقتداء کی جائے گی اور بعض دوسرے مقام میں اجتہاد کر کے ان کے طریقہ کی اتباع کی جائے گی یعنی جس طرح انہوں نے اجتہاد کیا ہم بھی اجتہاد کریں گے یہ بھی انہی کی اقتداء ہے"۔ (۲)

قارئین ملاحظہ فرمائیں: کس وضاحت کے ساتھ صحابی کی تقلید کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے مقام اور ضرورت کے مطابق اس کو اخذ کیا جا سکتا ہے یا انہی کی طرح اجتہاد سے کام لیا جا سکتا ہے۔ اگر قول صحابی ہر حال میں حجت ہوتا اور اس کی تقلید واجب ہوتی تو اس سے سر مو انحراف جائز نہیں ہوتا۔ قول صحابی کے حجت ہونے یا اس کی تقلید کے ضروری اور غیر ضروری ہونے کے تعلق سے حنفی اصول فقہ کی بعض کتابوں سے تفصیل پیش کی گئی جس سے کم از کم یہ واضح ہو گیا کہ قول صحابی کا حجت ہونا یا نہ ہونا یا اس کی تقلید کا وجوب و عدم وجوب ائمہ کرام کے مابین ایک مختلفٌ فیہ مسئلہ ہے۔ دونوں طرف ائمہ گئے ہیں۔ لہذا اس مسئلہ کو بنیاد بنا کر اہلحدیثوں کو دشمن صحابہ قرار دینا در حقیقت اہل حدیثوں کے خلاف ان کے سینوں

(۱) صحت و عدم صحت کے اعتبار سے اس حدیث کی حیثیت معلوم کرنے کے لئے ملاحظہ ہو: میزان الاعتدال للذہبی (۱/۴۱۳) وسلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۱/۱۴۴) حدیث نمبر ۵۸)

(۲) التوضیح والتلویح (ص ۲۸۸ .....)

میں چھپے ہوئے بغض وحسد اور حقد وعناد کی غمازی کرتا ہے۔ جب ہم ان کے دعوی احترام صحابہ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ان کی کتابوں میں صحابہ کرام کے متعلق ایسی ایسی گستاخانہ باتیں ملتی ہیں جن کا ایک صاحب ایمان شخص تصور ہی نہیں کرسکتا چہ جائیکہ اپنے منہ یا قلم سے ادا کرے۔ اس کا ایک اچھا خاصا نمونہ جریدہ ترجمان دہلی کے صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے۔ طوالت اور تکرار کے پیش نظر ان سے گریز کیا جاتا ہے۔ لیکن قائین کرام سے درخواست ہے کہ ان کا ضرور بالضرور مطالعہ کریں تاکہ ان حضرات کے جھوٹے پروپیگنڈوں کی حقیقت سے آگاہی حاصل ہوجائے۔ ساری باتیں انہی کے اکابرین کی کتابوں کے حوالوں سے بغیر کسی حذف واضافہ کے بیان کی گئی ہیں۔(۱)

احترام صحابہ اور علماء احناف:

اب آیئے ذرا خود موصوف غازی پوری دامت برکاتہم کے دعوی احترام صحابہ کا ایک سرسری جائزہ لے لیا جائے۔ موصوف اپنی اردو تالیفات میں جگہ جگہ قول صحابی کی حجیت کو نہ تسلیم کرنے پر اہلحدیثوں کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہیں اور اپنے آپ کو احترام صحابہ اور محبت صحابہ کے سب سے بڑے دعویدار کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لگتا ہے کہ محبت صحابہ میں بالکل فنا ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ محبت صحابہ میں نہیں بلکہ اپنی مذہبیت (تقلید) میں غرق ہوتے ہیں۔ اپنے مذہب کی کسی رائے کے خلاف ایک لفظ سننا پسند نہیں کرتے ہیں۔ اس کی واضح مثال فقہ اکیڈمی کے خلاف ان کی اور ان کے ہم نواؤں کی زبردست محاذ آرائی ہے۔ جب کہ اس اکیڈمی کا مکمل انتظام وانصرام دیوبندی مکتب فکر سے منسلک اہل علم کے ہاتھوں میں ہے۔ اور اس کی مکمل کوشش ہوتی ہے کہ فقہ حنفی سے سرمو انحراف نہ ہونے پائے۔ لیکن بارہویں فقہی سمینار میں بعض ایسی قرار دادیں پاس کرلی گئیں جن میں بظاہر فقہ حنفی سے انحراف نظر آتا ہے۔ پھر کیا تھا ابوبکر غازی پوری صاحب کی پوری ٹیم جوش وحرکت میں آگئی، فقہ اکیڈمی کے سربراہ سمیت اس کے جملہ

---

(۱) ملاحظہ ہو: جریدہ ترجمان دہلی بابت ۲ جنوری ۱۹۹۱ء (ص ۱۱،۱۲)

متعلقین کو آڑے ہاتھوں لے لیا گیا، اداریئے لکھے گئے، مراسلات بھیجے گئے، مضامین قلم بند کئے گئے ۔ مجبوراً مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب کو ''فقہی سمینار: حقائق اور وضاحتیں'' کے عنوان سے ایک پمفلٹ شائع کرنا پڑا۔ سننے میں آیا ہے کہ اس کی تردید کے لئے زمزم کا ایک شمارہ ہی مخصوص کردیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر اپنے مذہب کے کسی قول سے کسی صحابی کا قول ٹکراتا ہوا نظر آتا ہے تو اسے اس طرح جھٹک دیتے ہیں جیسے ہاتھ کا غبار جھاڑ دیا جاتا ہے اور ایسے ایسے تبصرے فرماتے ہیں جو حب صحابی کے کسی طرح بھی مناسب اور موافق نہیں ہوتے۔ قبل اس کے کہ موصوف غازی پوری کی محبت صحابہ کا نمونہ پیش کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بعض اکابرین اور بعض پٹی داروں کے اقوال کے نمونے بھی پیش کردیئے جائیں جن سے دیوبندی مکتب فکر کے دعوی احترام صحابہ کی حقیقت بھی سامنے آجائے۔

انوار الباری کے مؤلف مولانا احمد رضا بجنوری صاحب اپنی کتاب کے مقدمہ (۱/۲۱،۲۲) میں ''مکثرین صحابہ پر فقہاء صحابہ کی تنقید'' کے ذیلی عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان جیسے صحابہ چونکہ اصولی قواعد کے خلاف حدیث بیان کرتے تھے، اس لئے وہ فقہاء صحابہ کی تنقیدوں کے نشانہ بنتے تھے''

دوسری بزرگ ترین شخصیت مولانا محمد زکریا صاحب فضائل حج (ص ۳۰) میں لکھتے ہیں:

''حضرت عمرؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص حج کی طاقت رکھتا ہو اور وہ حج نہ کرے، قسم کھا کر کہہ دو کہ وہ نصرانی یا یہودی مرا ہے؟؟

اس کے بعد مولانا اپنی رائے کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ممکن ہے کہ ان کی تحقیق ہو، ورنہ علماء کے نزدیک حج نہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا، انکار سے کافر ہوتا ہے''۔

آپ ہی (رضی اللہ عنہ) سے دوسری روایت نقل کرتے ہیں:

''ایک اور حدیث میں حضرت عمرؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ تمام شہروں میں اعلان کرادوں کہ جو شخص باوجود قدرت کے حج نہ کرے اس پر جزیہ مقرر کردیا جائے یہ مسلمان نہیں''

موصوف تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جزیہ کافروں پر مقرر کیا جاتا ہے مسلمانوں پر جزیہ نہیں ہوتا''۔

تیسرے بزرگ مولانا محمد منظور نعمانی نے جو اکابرین دیوبند کی وکالت اور ان کے دفاع میں اس حد تک پہونچے ہوئے ہیں کہ اپنے بزرگوں کی غلطیوں کا ذمہ دار علماء اہل حدیث کو ثابت کرنے میں ذرہ برابر جھجک نہیں محسوس کرتے اور ان کے قلم کو بڑا محتاط تصور کیا جاتا ہے' اپنی خودنوشت سوانح حیات بعنوان ''تحدیث نعمت'' میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں شیعوں کی رائج کردہ اصطلاح ''عمرو عیار'' کا استعمال کیا ہے جس پر مولانا زین العابدین صاحب نے کتاب کے تبصرہ میں گرفت کی ہے (ماہنامہ مظاہر العلوم سہارنپور مجریہ اکتوبر ۹۷، (ص ۲۴)۔

دیوبندی خانوادہ کے فرزند ارجمند مولانا عامر عثمانی لکھتے ہیں:

''......حتی کہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) بھی من حیث الفرد واجب الاطاعت نہیں ہیں''۔(۱)

قارئین کرام: ملاحظہ فرمائیں اکابرین دیوبند قول صحابہ کی حجیت کا بینر لگا کر کتنی آسانی کے ساتھ صحابہ پر اصول شرع کے خلاف احادیث بیان کرنے کا الزام عاید کررہے ہیں، اور کتنی شان بے نیازی کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو اقوال علماء کے برخلاف بتلا کر رد کیا جارہا ہے۔ گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شمار علماء میں نہیں ہوتا، ان تمام تصریحات کے ساتھ حنفی اصول فقہ کی ''صحابی فقیہ وصحابی غیر فقیہ'' کی معروف ومشہور جائرانہ خانہ ساز بحث کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو مبینہ طور پر یہ بات عیاں ہوجاتی ہے

---

(۱) ماہنامہ تجلی دیوبند [illegible] (ص ۷۵)

کہ ان حضرات کا احترام صحابہ اور قول صحابی کی حجیت کا دعوی محض دعوی ہے امر واقع سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ صحابہ کرام کے اقوال وافعال کی حجیت کا دعوی کر کے صحابہ کرام سے محض زبانی طور پر محبت کا دم بھرنے والے اہل حدیثوں کو ان کے افعال اور اقوال کو حجت نہ تسلیم کرنے پر گستاخ صحابہ، اہل تشیع کا ہم نوا بلکہ چھوٹے رافضی کا لقب دینے والے یہ حضرات اپنے ان پٹی داروں کے بارے میں کیا کہیں گے جنہوں نے بنوامیہ کے بارے میں ایسی ایسی گوہر افشانی کی ہے جس کی جرأت رافضیوں نے بھی نہیں کی ہوگی۔ اور اس کے لئے میں قارئین کرام کی توجہ ندوہ العلماء لکھنو سے شائع ہونے والے تعمیر حیات ۱۰/ مارچ ۱۹۹۲ء مطابق ۴/ رمضان ۱۴۱۲ھ میں شائع شدہ اس تبصرہ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کی کتاب ''واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر'' پر ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے قلم سے لکھا گیا ہے۔ اس تبصرہ میں بنوامیہ کے تعلق سے جس زہریلے اور مبنی بر ظلم وعدوان موقف کا اظہار کیا گیا ہے اس سے اہل علم کے حلقے میں زبردست بے چینی پھیل گئی تھی۔ مختلف جہتوں سے متعدد مطالبات کے باوجود اس زہریلے تبصرہ سے اکابر ندوہ نے اپنی براءت کا اظہار نہیں کیا، صرف اجمالی طور پر صحابہ کرام کے بارے میں اہل ندوہ کے موقف کے اعادہ پر اکتفا کر لیا گیا۔ (۱)

سید واڑہ کے فقیہان باصفا ایسے لوگوں کے بارے میں کیا کہنا پسند کریں گے جنہوں نے واقعہ کربلا کو بنوامیہ اور بنو ہاشم کے مابین دیرینہ عداوتوں کا منطقی نتیجہ قرار دیتے ہوئے واقعہ کربلا میں بدر کی شکست کا انتقام لینے کی تہمت بنوامیہ پر عاید کی ہے، اور ان کے ایمان پر سوالیہ نشان قائم کرتے ہوئے یہاں تک جرأت کر گئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات سے ان کا دل صاف نہیں تھا۔ اور اس سلسلے میں احمد امین اور طہٰ حسین جیسے لوگوں کو اپنا مرجع ومصدر بناتے ہیں۔

---

(۱) اس سلسلے کی مکمل روداد کے لئے ملاحظہ ہو: الفرقان (خصوصی اشاعت) مئی، جون ۱۹۹۲ء۔

فقہ حنفی کی مستند کتابوں میں صحابہ کرام کا مقام

سابقہ سطور میں دیوبندی مکتب فکر کی بعض اہم شخصیات کے حوالے سے صحابہ کرام کے بارے میں اس طبقہ کا موقف بیان کیا گیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فقہ حنفی جس کی تقلید کو یہ لوگ ضروری تصور کرتے ہیں اس کی مستند و معتبر کتابوں میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا جس انداز سے ذکر کیا گیا ہے اس کا بھی ایک سرسری جائزہ پیش کر دیا جائے' تاکہ اہل حدیث علماء کے ساتھ مخصوص طور پر ان حضرات کی کرم فرمائی بخوبی واضح ہو جائے۔

فقیہ و غیر فقیہ صحابہ کی تقسیم

حنفی اصول فقہ کی کتابوں کا ایک نہایت اہم اور معروف و مشہور مبحث صحابہ کرام میں ''فقیہ و غیر فقیہ'' کی ناروا تقسیم ہے۔ چنانچہ ایک معتبر و مستند اصول فقہ کی کتاب ''اصول الشاشی'' میں مذکور ہے:

''ثم الراوی فی الأصل قسمان: معروف بالعلم والاجتہاد.......... فإذا صحت روایتھم عن رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام یکون العمل بروایتھم أولی من العمل بالقیاس.......... والقسم الثانی من الرواۃ ھم المعروفون بالحفظ والعدالۃ دون الاجتہاد والفتویٰ کأبی ھریرۃ وأنس بن مالك فإذا صحت روایۃ مثلھما عندك فإن وافق الخبر القیاس فلا خفاء فی لزوم العمل بہ، و إن خالفہ کان العمل بالقیاس أولی..........''

ترجمہ: ''پھر راوی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو مشہور ہوا اجتہاد اور علم میں.......... پس ان کی روایت رسول اللہ ﷺ تک صحیح اسناد سے ثابت ہو ان کی روایت پر عمل کرنا مقدم ہے قیاس کو ان کے مقابلہ میں چھوڑ دینا چاہیئے.......... دوسری قسم کے راوی وہ ہیں جو حافظہ کے اچھے ہونے اور عادل ہونے میں تو مشہور ہوں مگر اجتہاد اور فتویٰ دینے کا درجہ نہ رکھتے ہوں جیسے ابوہریرہ اور انس رضی اللہ عنہما ہیں ان جیسے راویوں کی روایت صحیح

ہونے پر اگر وہ قیاس کے موافق ہے، تو یقیناً اس پر عمل کرنا لازم ہے، اور اگر وہ قیاس کے مخالف ہے تو قیاس پر عمل کرنا بہتر ہوگا......''۔

اس کے بعد چند مثالیں پیش کی ہیں جن میں اسی قاعدہ کے بنیاد پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی بعض احادیث رسول کو صحیح ہونے کے باوجود فقہ حنفی میں ترک کردیا گیا اور قیاس کو ان پر ترجیح دی گئی ہے۔(۱)

یہ قاعدہ صرف اصول الشاشی کا ہی بیان کردہ نہیں ہے۔ بلکہ حنفی فقہ کی متعدد مستند و معتبر کتابوں میں اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ شرح مسلم الثبوت میں بھی اسی قسم کی بات کہی گئی ہے بلکہ مکمل وضاحت کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے "فأبو هريرة غير فقيه"(۲)

لفظ ''دون'' جس کا ایک معنی ''کمتر'' کے بھی ہوتا ہے کے ذریعہ بات بنانے والے حضرات ذرا بتلائیں کیا ان میں اس واضح وصریح لفظ کے اندر بھی کسی قسم کی تاویل کرنے یا بات بنانے کی جرأت ہے۔ اس قاعدے کے لولے پن اور واضح طور پر اس سے صحابہ کرام کی تنقیص لازم آنے کی وجہ سے ہی مجدد حنفیت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے المنار وغیرہ سے اس قاعدہ کو نقل کرنے کے بعد دوٹوک الفاظ میں کتابوں سے اس کو خارج کردینے کی بات کہی ہے۔ اور لکھا ہے کہ کوئی بھی عالم اس قسم کی بات اپنے منہ سے نہیں نکال سکتا۔ اس طرح کا قاعدہ نہ تو امام بوحنیفہ، نہ امام ابو یوسف اور نہ ہی امام محمد (رحمہم اللہ) سے منقول ہے۔(۳)

بعض صحابہ کرام کے یہاں علم ومعرفت اور اطلاع کی کمی تھی

علامہ شعرانی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں (حضرت) عثمان وعلی (رضی اللہ عنہما) اور تمام صحابہ کے اقوال وفتاویٰ کے مقابلہ میں اپنے قیاسی مسائل کو چھوڑ دینے کے لئے مستعد ہوں سوائے ابو ہریرہ، انس اور

(۱) ملاحظہ ہو: اصول الشاشی مع ترجمہ وشرح مصباح الحواشی (ص ۱۸۳-۱۸۶)

(۲) شرح مسلم الثبوت لبحر العلوم (ص ۴۳۲)

(۳) ملاحظہ ہو: العرف الشذی (ص ۴۳۶)

سمرۃ بن جندب (رضی اللہ عنہم) کے"۔

اس قول کو نقل کرنے کے بعد شعرانی بعض علماء کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"شاید اس لئے کہ یہ صحابہ فقیہ نہیں تھے ان کے یہاں علم و معرفت اور اطلاع کی کمی تھی"۔(۱)

ہم دیگر علماء کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں البتہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین (رحمہم اللہ) کے بارے میں وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے ایسی بات نہیں کہی ہوگی، جیسا کہ علامہ انور شاہ کشمیری نے اس کی صراحت کی ہے۔

مکثرین صحابہ اُصولی قواعد شرع کے خلاف احادیث روایت کرتے تھے

مولانا سید احمد رضا بجنوری انوار الباری شرح صحیح البخاری کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"عہد صحابہ میں ایسے واقعات بھی بکثرت ملتے ہیں کہ فقہاء صحابہ نے کثرت سے روایت کرنے والے صحابہ کی روایات پر تنقید کیں، خصوصاً ان احادیث پر جو اصولی قواعد شرع کے خلاف کسی مضمون کی حامل تھیں"۔

اور اس سلسلہ میں خاص طور سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام لیا ہے۔(۲)

غیر فقیہ صحابی کی مخالف قیاس روایت ناقابل قبول کیوں؟

ایسا نہیں ہے کہ اصول فقہ کی کتابوں میں فقیہ غیر فقیہ صحابہ کی ناروا تقسیم، پھر غیر فقیہ کی مخالف قیاس روایت کو ناقابل قبول قرار دینے کی بحث یوں ہی ضمنی طور پر آ گئی ہو۔ نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ غیر فقیہ کی مخالف قیاس روایات کو ناقابل قبول قرار دینے پر مکمل اور کافی و شافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ چنانچہ کہا گیا:

"صحابی غیر فقیہ جب مخالف قیاس حدیث روایت کرے تو قیاس پر عمل زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں بھی اگر حدیث پر عمل کیا گیا تو رائے و قیاس پر عمل ہر چہار جانب سے مسدود ہو جائے گا' حالانکہ اللہ تعالی نے قیاس کا حکم دیا ہے ارشاد ربانی ہے

---

(۱) المیزان للشعرانی (۱/۶۱ مطبوعہ مصر ۱۹۲۵ء) (۲) مقدمہ انوار الباری (۱/۲۱، ۲۲)

"فاعتبروا یا أولی الأبصار " ''سو عبرت پکڑنے والے! عبرت پکڑو'' ہوسکتا ہے راوی نے حدیث کو اپنی عقل وفہم کے مطابق بالمعنی روایت کیا ہو اور اس میں اس سے غلطی سرزد ہوگئی ہو۔ رسول اکرم ﷺ کے مقصد اور ان کی مراد تک اس کو رسائی نہ حاصل ہوسکی ہو کیونکہ آپ کی تمام مرادوں تک رسائی کا حاصل کر لینا ایک بہت بڑی اور دشوار بات ہے۔ جب کہ رسول اکرم ﷺ کو جوامع کلم سے بھی نوازا گیا تھا۔ آپ کی تمام مرادوں کی معرفت علم واجتہاد ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اگر راوی مجتہد نہیں ہے تو اسکو آپ ﷺ کے تمام مقاصد اور مرادوں تک رسائی نہیں حاصل ہوسکتی۔ لہذا ایسی صورت میں اس کی بات پر اعتماد کر کے قیاس کو کیونکر ترک کیا جاسکتا ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر حدیث کو ترک کر کے قیاس کو معمول بہ بنایا جائے گا۔ اور یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی توہین و تحقیر نہیں ہے۔ حاشا وکلا، بلکہ اس جگہ ایک نکتہ کی وضاحت مقصود ہے''۔

قمر الاقمار کے حاشیہ میں (نکتہ) کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے:

''یعنی ترک حدیث کے نکتہ کی وضاحت مقصود ہے'' (۱)

صحابہ کرام میں عادل وغیر عادل دونوں طرح کے لوگ تھے

محدثین وفقہاء کے نزدیک ایک متفق علیہ مسألہ ہے کہ تمام صحابہ کرام ثقہ اور عادل ہیں۔، ان کی ثقاہت وعدالت کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سند حدیث میں ان کی عدم معرفت صحت حدیث کے لئے مضر نہیں ہے۔ (۲)

لیکن تلویح میں مذکور ہے :(۳)

"فإن قيل: عدالة جميع الصحابة ثابتة بالآيات والأحاديث الواردة فی فضائلهم؟

قلنا: ذكر بعضهم : إن الصحابی اسم لمن اشتهر بطول صحبة

---

(۱) اس قسم کی بات اصول فقہ کی مختلف کتابوں میں مذکور ہے، ملاحظہ ہو: شرح مسلم الثبوت (ص ۴۳۲)، نور الانوار مع حاشیہ قمر الاقمار (ص ۱۷۹ ط مطبع مجیدی کانپور)، عمدۃ الحواشی حاشیہ اصول الشاشی (ص ۷۵ ط مطبع سعیدی کانپور)

(۲) تدریب الراوی مع شرحہ تقریب النواوی (۲/۲۱۴)

(۳) (ص ۴۱۵)

النبي ﷺ على التتبع والأخذ منه ، وبعضهم: إنه اسم لمؤمن رأى النبي ﷺ) سواء طالت صحبته أم لا۔ إلا أن الجزم بالعدالة مختص لمن اشتهر بذلك والباقون كسائر الناس فيهم عدول وغير عدول"۔

''اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تمام صحابہ کرام کی عدالت وثقاہت ان آیات کریمہ اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے جو ان کی منقبت اور فضیلت میں وارد ہوئی ہیں تو ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ بعض اہل علم نے صحابی کی تعریف میں کہا ہے کہ لفظ صحابی کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جو رسول اکرم ﷺ سے اخذ وتحمل اور آپ کے اقوال وافعال کی تلاش وجستجو کے ساتھ آپ کی طویل رفاقت میں شہرت رکھتے ہیں۔ جب کہ بعض دیگر اہل علم کا کہنا ہے کہ صحابی کا اطلاق اس مؤمن شخص پر ہوتا ہے جس کو آپ ﷺ کے دیدار کا شرف حاصل ہوا ہو خواہ اسے طویل رفاقت نصیب ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ مگر عدالت وثقاہت کا قطعی حکم انہی لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو آپ ﷺ کی طویل رفاقت میں شہرت رکھتے ہیں۔ اور باقی صحابہ عام لوگوں کی طرح ہیں ان میں عادل بھی ہیں اور غیر عادل بھی''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ مجتہد نہیں تھے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ کسی بھی مسلمان پر مخفی نہیں ہے۔ آپ معاملہ فہمی اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے میں یکتائے روزگار کی حیثیت رکھتے تھے۔ اسی بناء پر عربی میں یہ مثل ایسے موقعہ کے لئے استعمال کی جاتی ہے جب کوئی معاملہ درپیش ہو اور اس کو حل کرنے والا نظر نہ آئے ''عویصة لا أبا حسن لها'' ایسی مشکل آن پڑی ہے جس کو حل کرنے کے لئے کوئی ابوالحسن (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت) نہیں ہے۔ آپ کے بارے میں چلپی حنفی شرح وقایہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"إن عليا لم يكن من أهل الاجتهاد "(۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ مجتہد نہ تھے۔

---

(۱) (ص ۲۳۲ مطبوعہ نول کشور)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باغی اور بدعتی تھے

علماء اہل سنت کا اس امر پر تقریباً اتفاق ہے کہ صحابہ کرام کے مابین ہونے والی جنگوں کے تعلق سے ہمیں خاموشی اختیار کرنی چاہیئے۔ لیکن فقہ حنفی کی متعدد کتابوں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بغاوت اور قتل صحابہ سے متصف کیا گیا ہے۔

چنانچہ شامی میں مذکور ہے:

"وكان علی ومن تبعه من أهل العدل وخصمه من اهل البغی "(۱)

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے متبعین انصاف اور حق پر تھے۔ اور آپ کے حریف باغی تھے"۔

شرح عقائد نسفی میں مذکور ہے:

" غاية أمرهم البغی والخروج علی الامام " (۲)

یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی سب کے سب باغی اور امام پر چڑھائی کرنے والے تھے۔

توضیح میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدعتی قرار دیا گیا ہے اور اس کی شرح تلویح میں غضب ڈھاتے ہوئے یہ لکھا گیا ہے:

"كالبغی فی الاسلام ومحاربة الامام وقتل الصحابة "۔

یعنی آپ کی بدعتوں کو گناتے ہوئے (نعوذ باللہ) آپ کو باغی اسلام، محارب امام قاتل صحابہ گردانا گیا ہے۔

علماء اہل حدیث کی بعض عبارتوں کو کتر بیونت کر کے عوام کے سامنے انہیں پیش کرتے ہوئے سینوں پر ہاتھ رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جیسا کہ تحفظ سنت کانفرنس میں پیش کئے گئے خطبہ صدارت میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ مذکورہ عبارات کو سن کر اور پڑھ کر کیا سر

---

(۱) ردالمحتار (۳۰۹/۳)

(۲) (ص ۱۱۶ مطبع مجتبائی دہلی)

نہیں پکڑا جا سکتا۔ یہ ہے اصل حقیقت ان لوگوں کی جو اہلحدیثوں کو چھوٹا رافضی قرار دے کر اپنے آپ کو احترام صحابہ کا بہت بڑا علم بردار ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

موصوف غازی پوری اور احترام صحابہ

نابالغ کی امامت کے جواب پر اہل حدیثوں کی نیش زنی کرتے ہوئے صحابی رسول حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بڑے بے حیائی کے ساتھ لکھتے ہیں:

"وكنت اذا سجدت خرجت استی"

"یعنی جب میں سجدہ میں جاتا تو میرا (چوتڑ) کھل جاتا تھا"

یعنی وہ اتنے چھوٹے تھے کہ ان کو اس کا خیال نہ ہوتا کہ نماز میں چوتڑ کا کھلنا بھی کوئی عیب ہے۔(۱)

ماشاء اللہ کیا خوب سنجیدہ زبان ہے۔ صحابی رسول کے حق میں اس طرح کی بے حیائی پر مبنی گفتگو کوئی ایسا شخص ہرگز نہیں کر سکتا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی احترام وتوقیر کا جذبہ پایا جاتا ہو۔ اور اس صحابی رسول کے بارے میں قطعیت کے ساتھ یہ کہنا کہ وہ اتنے چھوٹے تھے کہ ان کو اس کا خیال نہ ہوتا کہ نماز میں (......۲) کا کھلنا کوئی عیب ہے موصوف دامت برکاتہم کی حدیث کی مختلف روایات اور اس کے مختلف الفاظ سے جہالت یا تجاہل کی غمازی کرتا ہے۔

موصوف نے جہاں صحابی رسول کے حق میں اپنی گستاخی اور بدتمیزی کا ثبوت دیا ہے وہیں حدیث رسول کے ساتھ بھی مخول کیا ہے ان کی ان تمام حرکتوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ہمیں حدیث کی مختلف روایتوں اور ان کے مختلف الفاظ کو بھی نظر میں رکھنا ہوگا۔

---

(۱) مسائل غیر مقلدین (ص:۱۸۰)

(۲) نہایت بے حیائی کے ساتھ اس لفظ کا بار بار اعادہ کیا ہے جب کہ اس کے لئے شائستہ اور مہذب الفاظ کی اردو زبان میں کمی نہیں ہے لیکن موصوف [illegible]

چنانچہ حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كنا بحاضر يمر بنا الناس إذا أتوا النبی ﷺ فكانوا إذا رجعوا مرّوا بنا فأخبرونا أن رسول الله ﷺ قال كذا وكذا، وكنت غلاما حافظا، فحفظت من ذلك قرآنا كثيرا فانطلق أبی وافدا إلى رسول الله ﷺ فی نفر من قومه، فعلّمهم الصلاة فقال: "يؤمّكم أقرؤكم" وكنت أقرأهم لما كنت أحفظ، فقدّمونی، فكنت أؤمّهم، وعلیّ بردة لی صغيرة صفراء، فكنت إذا سجدت تكشف عنی، فقالت امرأة من النساء: واروا عنا عورة قارئكم، فاشتروا لی قميصا عمانيا، فما فرحت بشیء بعد الاسلام فرحی، فكنت أؤمّهم وأنا ابن سبع أو ثمان سنين". (۱)

ہم ایک ایسی جگہ آباد تھے جہاں سے آنے جانے والے لوگوں کا گذر ہوتا تھا۔ ہم سے ہوکر ہی لوگ رسول اکرم ﷺ کے پاس آیا کرتے تھے۔ واپسی میں بھی ہم سے ہو کر ہی گذرتے تھے، تو ہمیں بتلاتے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایسا ایسا فرمایا ہے اور میں اچھی یادداشت کا ایک لڑکا تھا اس طرح سے میں نے بہت سا قرآن یاد کرلیا تھا، میرے والد اپنی قوم کے چند افراد کے ساتھ ایک وفد کی شکل میں رسول ﷺ کے پاس گئے آپ ﷺ نے انہیں نماز کی تعلیم دی اور فرمایا: ''تم میں سب سے زیادہ قرآن کا پڑھنے والا تمہاری امامت کرائے'' چونکہ میں اپنے یاد کرنے کی وجہ سے ان سب میں سے زیادہ (قرآن کا) پڑھنے والا تھا اس لئے لوگوں نے مجھ کو (امامت کیلئے) آگے بڑھایا، چنانچہ میں ان لوگوں کی امامت کراتا تھا اور مجھ پر زرد رنگ کی ایک چھوٹی چادر ہوا کرتی تھی، جب سجدہ میں جاتا تو بے ستری ہوجاتی تھی (جس پر) ایک عورت نے کہا: ہم سے اپنے امام کی شرم گاہ کو چھپا کر رکھو، تو لوگوں نے میرے لئے ایک عمانی قمیص خریدی اس پر مجھ کو اتنی خوشی حاصل ہوئی کہ اتنی خوشی اسلام لانے کے بعد کسی اور چیز پر نہیں ہوئی، میں لوگوں کی امامت کراتا تھا اور

---

(۱) سنن ابی داؤد۔ الصلاۃ۔ باب من أحق بالامامۃ۔ ملاحظہ ہو: صحیح سنن ابی داؤد للالبانی (۱۱۶/۸)

میری عمر سات یا آٹھ سال کی تھی"

یہ امام ابو داؤد رحمہ اللہ کی ایک روایت کے الفاظ ہیں جب کہ انہی کے یہاں دوسری روایت میں مذکور ہے:

"لہذا میں (مختلف ٹکڑوں سے) جوڑی ہوئی ایک ایسی چادر میں لوگوں کی امامت کرتا تھا جس میں سوراخ تھا، سجدے میں جاتے وقت سرین ظاہر ہو جاتا تھا"۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو مزید تفصیل اور بعض الفاظ کے اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے آپ کے یہاں ایک روایت میں مذکور ہے:

"جب میں سجدے میں جاتا تو چادر سکڑ جاتی............"(۱)

تمام روایات پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ موصوف غازی پوری دامت برکاتہم کا یہ فرمانا کہ

"اتنے چھوٹے تھے کہ ان کو اس کا بھی خیال نہ ہوتا کہ نماز میں (......) کا کھلنا بھی کوئی عیب ہے"۔

صحابی رسول کے ساتھ نہ صرف گستاخی ہے بلکہ ان پر ایک تہمت اور الزام بھی ہے۔ بے ستری کی وجہ لڑکپن نہیں بلکہ تنگدستی اور کپڑے کی قلت تھی، اور یہی وجہ ہے کہ جب لوگوں نے ان کو قمیص خرید کر دی تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی، اگر ان کے پاس کپڑوں کی فراوانی ہوتی تو لوگ ان کو ایک قمیص خرید کر نہ دیتے بلکہ عورت کے کہنے پر عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو تنبیہ کر دیتے کہ یہ تنگ چادر اوڑھ کر امامت نہ کراؤ بلکہ کوئی کشادہ ساتر چادر اوڑھ کر امامت کراؤ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سات آٹھ سال کے لڑکے ایسے نہیں ہوتے کہ انہیں اپنی بے ستری کا خیال نہ ہو۔ ہوسکتا ہے سیدواڑہ کی گلیوں میں سات آٹھ سال کے لڑکے ننگ دھڑنگ گھومتے ہوں انہیں اپنی بے ستری کا ہوش نہ ہوتا ہو۔ اس میں غازی پوری جیسے عزت مآب لوگوں کی تربیت کا بھی دخل ہوسکتا ہے۔ لیکن سیدواڑہ کے لڑکے اس طرح کے دینی امور میں دلیل نہیں بن سکتے اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہر زمانے اور ہر جگہ کے

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح (۲۲/۸ حدیث نمبر ۴۳۰۲)

لڑکے اوران کے والدین ایسے ہی ہوں، اور نہ اپنے زمانے کے لڑکوں پر صحابہ کرام کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ موصوف دامت برکاتہم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ صرف عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا ہی مسئلہ نہیں تھا بلکہ اس وقت کی عام حالت ہی کچھ ایسی تھی کہ لوگوں کو مختلف قسم کی تنگدستیوں کا سامنا تھا۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ سے صحابہ کرام نے ایک کپڑے میں نماز کے جواز کے (۱) متعلق سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا ''تو کیا تم میں سے ہر ایک کو دو کپڑے میسر ہیں''؟ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے والی صحابیات کو حکم دیا تھا کہ وہ مردوں کے سر اٹھانے سے پہلے اپنا سر نہ اٹھایا کریں، تا کہ مردوں کی شرمگاہوں پر ان کی نگاہیں نہ پڑیں'' (۲)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مزید تفصیل کے ساتھ مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

''میں نے لوگوں کو رسول ﷺ کے پیچھے (یعنی نماز میں) اس حالت میں دیکھا ہے کہ وہ اپنے ازاروں کو اپنی گردنوں میں بچوں کی طرح باندھے رکھتے، ازاروں کی تنگی کی وجہ سے''۔ (۳)

قاضی عیاض حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بے ستری کے خوف اور ازار کی تنگی کی وجہ سے (صحابہ کرام) ایسا کرتے تھے اسی واسطے خواتین کو مردوں سے پہلے سر اٹھانے سے منع کیا گیا تھا کہ ان کی نگاہیں مردوں کی کھل جانے والی شرم گاہوں پر نہ پڑ جائیں (یعنی نماز کی حالت میں) تنگدستی کی وجہ سے، ابتداء اسلام میں یہی صورت حال تھی''۔ (۴)

اللہ تعالی ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی توقیر واحترام کا دعوی کرنے والے مولوی ابوبکر غازی پوری (دامت برکاتہم) ان صحابہ کرام کے بارے میں اوران کی نمازوں کے بارے میں کیا فتوی صادر کریں گے؟ وہ جو بھی فتوی صادر کریں لیکن

---

(۱) صحیح مسلم (۱/ ۳۶۷ حدیث نمبر ۵۱۵)

(۲) اس حدیث کو امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے ملاحظہ ہو صحیح سنن ابی داؤد للالبانی، کتاب الصلاۃ، باب رفع النساء اذا کن مع الرجال رؤسھن من السجدۃ (۱/ ۱۶۰)

(۳) صحیح مسلم، الصلاۃ، باب امر النساء المصلیات وراء الرجال (۱/ ۳۲۶ نمبر ۴۴۱)

(۴) ملاحظہ ہو: حاشیہ مسلم (۱/ ۳۲۶ فواد عبدالباقی)

حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں انہوں نے جو کچھ فرمایا ہے وہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ آپ کی نماز میں بے ستری کپڑے کی قلت اور تنگدستی کی وجہ سے ہوتی تھی نہ کہ لڑکپن کی وجہ سے جیسا کہ موصوف غازی پوری نے مکمل ڈھٹائی کے ساتھ دعوی کیا ہے اور اپنی چالبازی کی وجہ سے حدیث کا صرف وہی ٹکڑا نقل کیا ہے جس میں سرین کے کھل جانے کی بات مذکور ہے تاکہ احترام صحابہ کا دعوی برقرار رکھتے ہوئے اپنے من موافق بات بنا سکیں۔ ورنہ معذوری میں نہ صرف بے ستری کے ساتھ نماز ہو جاتی ہے بلکہ بغیر کپڑے کے بھی نماز ہو جانے کی بات کتب فقہ میں مذکور ہے۔(۱)

اگر لڑکپن کی وجہ سے بے ستری ہوتی تو ایک نہیں دس قمیص انہیں فراہم کر دی جاتیں پھر بھی لڑکپن کی وجہ سے انہیں اپنی بے ستری کا پاس و لحاظ نہیں ہوتا اور قبیلہ کی عورت مردوں سے یہ نہ کہتی کہ اپنے امام کی شرمگاہ کو ہم سے پوشیدہ رکھو، بلکہ یہ کہتی کہ اس غیر ہوشیار بچے کو امامت سے ہٹاؤ جسے بقول غازی پوری نہ اپنے (......) کھلنے کا خیال ہوتا ہے اور نہ اسے وہ معیوب سمجھتا ہے۔

صحابی رسول کی عزت و توقیر کا دعوی کرنے والے غازی پوری یا ان کے ہم نواؤں کے کسی امام یا بزرگ کا معاملہ ہوتا تو شاید ایسی بات نہیں نکالتے، بلکہ ان کی بزرگی کی دلیل کے طور پر پیش کرتے چنانچہ ان کے ایک بزرگ نے بچپن میں خواب میں دیکھا کہ میں اللہ تعالی کی گود میں بیٹھا ہوں تو اس کو ان کی اور ان کے علم و فضل کی شہرت پر محمول کرتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب سے تشبیہ دی گئی اور لکھنے والے نے بلا جھجک لکھا کہ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر میں والد نے ''مقام اجتباء'' کی خوشخبری سنائی تھی اسی طرح مولانا موصوف نے بھی اپنے اس خواب کا تذکرہ اپنے جد امجد سے کیا تھا تو انہوں نے اس خواب کو سن کر فرمایا تھا ''تم کو اللہ تعالی علم عطا فرمائے گا اور بہت بڑے عالم ہو گے اور نہایت شہرت ہوگی''۔ اس کے بعد سوانح نگار صاحب فرماتے ہیں: کیا

---

(۱) شرح الوقایہ (۱/۱۳۷) میں مذکور ہے: ''ومن عدم ثوبا فصلی قائما جاز''

اس تعبیر میں اسی اجتبائی رنگ کی جھلک نظر نہیں آتی ۔(۱)

اسی طرح امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی جانب منسوب جس مجلس شوری کا بڑا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے اس کے ممبران میں ایسے لوگوں کا نام لیا جاتا ہے جو اس وقت اس دنیا میں تشریف ہی نہیں لائے تھے۔ یا تشریف لا چکے تھے لیکن ان کی عمریں اتنی تھیں کہ ان کا دونوں پیروں پر کھڑے ہو کر چلنا بھی ممکن نہیں تھا لیکن ان کو اتنا شعور تھا کہ مجلس شوریٰ جیسی اہم علمی مجلس میں شریک ہو کر مباحثہ اور مناقشہ میں باقاعدہ حصہ لیتے تھے۔(۲)

لیکن ایک صحابی رسول جن کا اپنا بیان ہے کہ میں ایک قوی الحافظہ لڑکا تھا رسول اکرم ﷺ کے پاس سے آنے والے قافلوں سے سن سن کر اتنی وافر مقدار میں قرآن یاد کر لیا تھا کہ پورے قبیلہ میں اتنا زیادہ قرآن کسی کو یاد نہیں تھا، ایک روایت میں ان کی عمر چھ یا سات سال دوسری روایت میں سات یا آٹھ سال بیان کی گئی ہے، تو اس صحابی کے بارے میں موصوف غازی پوری بلا کسی جھجک کے فرما رہے ہیں: ''ان کو اپنے (......) کھلنے کا خیال نہیں ہوتا تھا یا یہ کہ وہ اسے معیوب بات نہیں سمجھتے تھے''۔

کتنی بڑی بے حیائی کی بات ہے۔ حقیقت میں یہ سارا کرشمہ اس ترچھی نظر کا ہے جو انہوں نے اپنی مذہبیت کی بناء پر حدیث پر ڈالی ہے۔ اس ترچھی نظر سے کام نہ لے کر اگر مکمل حدیث پر نظر ڈال لینے کی زحمت گوارہ کر لیتے تو شاید اپنی اس اعلی ژرف نگاہی اور گہری فقہی بصیرت کا مظاہرہ نہ کرتے۔ کم از کم انہیں صحابی رسول کے اس جملے پر غور کر لینا چاہیئے تھا جس میں انہوں نے قمیص کی فراہمی پر اپنی غیر معمولی خوشی کا اظہار کیا ہے۔ ایک ایسا بچہ جو اسلام کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی نعمت اور خوشی کی چیز تصور کرتا ہے اسے اپنی بے ستری کا خیال نہ ہو اور نماز میں بے ستری کو معیوب نہ سمجھتا ہو یہ ناممکن بات ہے۔ موصوف غازی پوری جیسے صاحب فہم وفراست اور گہری فقہی بصیرت کے حامل لوگوں کے

(۱) سوانح قاسمی (/۱۳۲)

(۲) علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النعمان (ص: ۱۴۰، شاہ جہاں پریس) میں مجلس شوری کے قیام کی تاریخ سمیت اس کے اراکین کے نام گنائے ہیں، کوئی بھی شخص مجلس کے قیام کی تاریخ اور اراکین کی پیدائش معلوم کر کے اس حقیقت سے

یہاں ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ ہم جیسے مسکینوں کے یہاں اس طرح کی بات کا تصور ہی محال ہے۔ صحابی رسول عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں موصوف غازی پوری (دامت برکاتہم) اپنا یہ تاثر بیان کرر ہے کہ انہیں اپنے (......) کھل جانے کا خیال نہیں ہوتا تھا اس کو معیوب نہیں سمجھتے تھے لیکن اس صحابی رسول کا اپنے قبیلہ میں یہ مقام ومرتبہ تھا کہ قبیلے کے جس اجتماع میں یا مجمع میں آپ موجود ہوتے تو آپ ہی ان کے امام ہوتے، اور آپ ہی ان کے جنازے کی نماز بھی پڑھاتے تھے، جیسا کہ ابوداؤد کی ایک روایت میں خود انہوں نے صراحت کی ہے۔ اس طرح موصوف (دامت برکاتہم) نے نہ صرف صحابی رسول عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے بلکہ ان کے قبیلے کے کبار صحابہ کو مطعون کرنے کی سعی ناروا بھی کی ہے جنہوں نے ایک ایسے چھ سات سال کے بچے کو اپنا امام بنا رکھا تھا جس کو اتنا ہوش بھی نہیں تھا کہ نماز میں (......) کھل جانا معیوب ہے۔ درحقیقت صرف صحابی رسول عمرو بن سلمہ پر ہی نہیں چوٹ کی گئی بلکہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کو ہدف ملامت بنایا گیا ہے، لہذا موصوف غازی پوری (دامت برکاتہم) کو اپنے دعوی احترام صحابہ پر نظر ثانی کرنی چاہیئے بلکہ دعوی احترام صحابہ سے دست بردار ہوجانا چاہیئے کیونکہ یہ کوئی سیاسی مسئلہ نہیں ہے کہ بینر لگا کر اور جھنڈا بلند کر کے کسی پارٹی کے حق میں زندہ باد کا نعرہ بلند کردینے سے یا کسی سیاسی لیڈر کے گرد بھیڑ اکٹھا کردینے سے کام بن جائے گا اور پارٹی کا ٹکٹ مل جائے گا، بلکہ یہ ایک عقیدہ کا مسئلہ ہے جس میں زبان کے ساتھ دل سے تصدیق اور عمل سے اس کی تائید ضروری ہے۔ ہم آپ کی طرح دلوں میں گھس کر ان کے اندر چھپی باتوں کو معلوم کرنے کا دعوی نہیں کرسکتے اور نہ حقیقی معنی میں اس کی طاقت ہی رکھتے ہیں کیونکہ یہ صرف اللہ تعالی ہی کے بس میں ہے البتہ آپ کے عمل سے اس بات کا اندازہ ضرور لگا سکتے ہیں کہ آپ کا دعوی احترام صحابہ صرف دعوی ہے حقیقت سے اس کا کوئی لگاؤ نہیں ہے۔

حدیث رسول کے ساتھ موصوف غازی پوری کا مخول

موصوف غازی پوری (دامت برکاتہم) نے صحابی رسول عمرو بن سلمہ (رضی

اللہ عنہ) کے ساتھ جو استہزائی رویہ اپنایا ہے وہ اپنی جگہ، اسی کے ساتھ اس حدیث کو بھی مذاق بنانے کی کوشش کی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر موصوف غازی پوری کو حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کی روایت کردہ حدیث سے اتنی الرجی کیوں ہے؟ تو اس سلسلے میں عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی حدیث کو بنیاد بنا کر علماء اہل حدیث نے قرآن پڑھے ہوئے ہوشیار بچے کی امامت کو جائز قرار دیا ہے۔

چنانچہ فتاویٰ نذیریہ (ار۴۰۷، ۴۰۹) میں نابینا اور لڑکے کے پیچھے نماز کی درستگی و عدم درستگی سے متعلق ایک سوال کے جواب میں مولانا محمد یسین عظیم آبادی نے متعلقہ شق کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

''اسی طرح لڑکے کی امامت جب ہوشیار ہو قرآن پڑھا ہوا ہو حدیث صحیح سے ثابت ہے۔''

اس کے بعد ابو داؤد کے حوالے سے حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ذکر کیا ہے۔ اس جواب پر علامہ سید نذیر حسین سمیت متعدد علماء کرام کے تائیدی دستخط ثبت ہیں۔ بعدہ ابو محمد عبدالوہاب پنجابی کا تائیدی نوٹ ہے، لکھتے ہیں:

''جواب ہر دو مسئلے کا بہت صحیح ہے، اور خلاف اس کا قبیح اور غیر قابل اعتبار، خاص کر لڑکے نابالغ کو امام بنانا خواہ فرض ہو یا نفل جیسے تراویح، درست ہے، کیونکہ احادیث صحیحہ میں آ گیا ہے کہ عمرو بن سلمہ صحابی صغیر چھ سات برس کے تھے اور قرآن شریف خوب جانتے تھے کہ امامت کراتے تھے۔ کذافی البخاری وغیرہ من کتب الحدیث''۔

بس یہی وجہ ہے کہ موصوف غازی پوری نے صحابی رسول حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کی روایت کردہ حدیث کے بارے میں استہزائی موقف اختیار کیا ہے۔

فتاویٰ نذیریہ اور نواب صاحب کی ایک کتاب ''عرف الجادی'' سے یہ مسئلہ نقل کر کے اہل حدیثوں پر ڈنڈا برسانے کی جو کوشش کی ہے وہ تو کی ہی ہے، حدیث کے ساتھ بھی مخول کرنے سے باز نہیں آئے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ اپنی عادت جو ان کی فطرت ثانیہ بن چکی

ہے یعنی اہم امور ہی کا عبارتوں کے بیچ سے حذف کر دینا اس سے بھی باز نہیں آئے ہیں۔ اس کی وضاحت آگے کہیں آئے گی۔ اہل حدیثوں پر نیش زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر غیر مقلدین کا اس مسئلہ میں مستدل یہی حدیث ہے، (اور اس کے علاوہ کوئی دوسری حدیث ان کے پاس ہے بھی نہیں) (۱) تو پھر انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس پوری حدیث پر عمل کرتے ہوئے ان کا بھی یہی مذہب ہونا چاہئے کہ اگر نماز میں امام کا چوتڑ کھل جایا کرے تو بلا کراہت وہ نماز جائز ہو، اب مجھے معلوم نہیں کہ اس بارے میں ان کا مذہب کیا ہے؟ آیا چوتڑ کھلے امام کے پیچھے ان کی نماز بلا کراہت صحیح ہو جاتی ہے یا کہ نہیں؟ مجھے اس بارے میں صراحت نظر نہیں آئی غیر مقلدین حضرات اس صحیح حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے ذرا اس کی وضاحت فرمادیں، ہم ان کے ممنون ہو گے''

ہم موصوف غازی پوری کے اس حکم کی بجا آوری کے لئے تیار ہیں بالکل وضاحت

(۱) الحمدللہ اہل حدیثوں کے پاس ایک ہی سہی حدیث رسول موجود تو ہے اس کی صحت ثابت ہو جانے کے بعد وہ ہمارے لئے حجت لازمہ ہے، کیونکہ کسی مسئلہ کے ثبوت میں کہیں سے بھی اور کسی سے بھی یہ نہیں ثابت ہے کہ ایک سے زائد حدیث وارد ہوں تبھی وہ قابل قبول ہوں گی۔ سوائے آپ جیسے ماہرین فقہ کے جو بعض حالات میں ایک نہیں، متعدد صحابہ کرام سے مروی احادیث کو بھی ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں۔

موصوف غازی پوری اہل حدیثوں پر طنز کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی حدیث ہے بھی نہیں تو ہم ان سے بصد احترام عرض کرتے ہیں: الحمدللہ اس مسئلے میں اہل حدیثوں کے پاس ایک حدیث ہے، لیکن آپ اپنی کتب فقہ میں مذکور مستحق امامت کی ترتیب پر آدھی ہی حدیث پیش فرمادیں تو ہم آپ سے کہیں زیادہ آپ کے ممنون ہوں گے، خاص طریقے سے ترتیب میں بیان کئے گئے ان امور پر ثم أصبحهم-ای أسمحهم وجها...... ثم الأحسن زوجة......ثم الأكبر رأسا و الأصغر عضوا......)

اور مزید ایک درخواست یہ بھی کریں گے کہ برائے مہربانی وہ یہ بھی بتلادیں کہ کس طرح وہ اس ترتیب کو بروئے کار لاتے ہیں؟ اور خاص کر آخری نکتہ ''ثم الاصغر عضوا'' کی تعیین کس طرح کرتے ہیں؟ اگر وہ بتلا دیتے ہیں تو ہم ان کے غایت درجہ ممنون ہو گے۔

ہمیں یقین کامل ہے کہ وہ اپنی مساجد میں اماموں کی تعیین کے وقت اس ترتیب کا ضرور خیال رکھتے ہوں گے کیونکہ ان کی فقہ کی مقدس کتابوں میں اسی ترتیب پر ائمہ کرام کی تعیین کا حکم ہے کسی طرح بھی وہ اپنے فقہی مسائل سے سرمو انحراف کر کے اپنی عاقبت نہیں خراب کریں گے۔ اور یہ واضح ہونا چاہیئے کہ یہ ترتیب اُن کی ان مقدس کتابوں میں مذکور ہے جن کی سندیں اللہ تعالیٰ تک پہونچتی ہیں۔

کردیں گے۔لیکن ایک نہایت معمولی درخواست ہماری بھی ہے امید ہے کہ آپ بھی ہمیں مایوس نہیں کریں گے اور وہ یہ ہے کہ ذرا آپ بھی اپنی کتب فقہ میں مذکور مستحق امامت کی ترتیب کا طریقہ اور اس جگہ کی تعیین فرمادیں جہاں تفتیش کے بعد ائمہ مساجد کی تعیین عمل میں لائی جاتی ہے۔ان شاء اللہ ہم بھی آپ کا شکریہ ادا کرنے میں کسی بخالت سے کام نہیں لیں گے۔

موصوف غازی پوری (دامت برکاتہم) اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ اس کے بعد بھی غضب کی ژرف نگاہی اور اعلیٰ فقہی بصیرت کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے اور اس حدیث کو موقوف قرار دیتے ہوئے اہلحدیثوں پر اپنے زعم کے مطابق ایک دوسری کاری ضرب لگانے کی کوشش کی ہے جس سے ان کی توقع کے مطابق جماعت اہل حدیث چاروں شانے چت ہوکر دم توڑ دے گی۔فرماتے ہیں:

''اور عجیب تربات تو یہ ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں اس حدیث سے استدلال کیسے کیا؟ جب کہ ان کا اصول تو یہ ہے: صحابہ کے افعال سے حجت قائم نہیں ہوسکتی''۔(۱)

اور اس سے عجیب تربات تو یہ ہے کہ موصوف غازی پوری نے اہل حدیثوں پر اعتراض کیسے کردیا جبکہ ان کی نظر میں افعال صحابہ حجت لازمہ ہیں۔لہذا ان کا اعتراض کرنا بھی درست نہیں ہے بلکہ ان کو بھی اپنے قاعدے (حجت قول صحابہ) کے پیش نظر اسی کا پابند ہونا چاہیئے ورنہ ان کا حجیت قول صحابہ کا دعوی محض ایک ڈھونگ ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ موصوف غازی پوری کی ان وضاحتوں کے بعد ہمیں یقین کامل ہوگیا کہ فقہ کی گردان سے نہ صرف عقل روشن ہوتی ہے بلکہ چودہ طبق روشن ہوجاتے ہیں۔ جب ہی تو موصوف اتنی بہکی بہکی باتیں کررہے ہیں اور ان کے پیچھے ان کی جماعت تالی بجاکر ان کو شاباشی دے رہی ہے۔اصل بات یہ ہے کہ موصوف کو حدیث کی ایک روایت میں لفظ ''است'' نظر آگیا جس کا انہوں نے اپنے ذوق جمالیات کی بناء پر ''چوتڑ'' سے

---

(۱) مسائل غیر مقلدین (ص: ۱۸۰، ۱۸۱)

ترجمہ کیا ہے، اور اسی پر ان کی نظر جم کر رہ گئی جس کی بناء پر انہوں نے اپنے اسی پسندیدہ لفظ کا بار بار اعادہ کر کے اپنے ذوق کو تسکین پہونچانے کی کوشش کی ہے۔ حدیث کے بقیہ الفاظ یا دیگر روایات پر ان کی نظر ہی نہیں گئی، اور نہ ان پر نظر ڈالنے کی انہوں نے ضرورت ہی محسوس کی، اور نہ ان کو اس کا موقعہ ہی ملا۔ اگر انہوں نے موقعہ نکال کر حدیث کے تمام الفاظ پر اور اس کی تمام روایات پر غور کر لیا ہوتا تو شاید انہیں غیر مقلدین سے کسی قسم کی وضاحت طلب کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی اور نہ اس حدیث کو موقوف شمار کرتے۔

راقم نے حدیث کے بعض الفاظ اور اس کی بعض دیگر روایات کی جانب اشارہ کر دیا ہے، ہو سکتا ہے ان سے موصوف کے لئے بات صاف ہو جائے کہ نماز میں حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی شوق میں یا لڑکپن کی وجہ سے بے ستری نہیں ہوئی تھی بلکہ بدرجہ مجبوری اور تنگدستی کی وجہ سے ایسا ہو جاتا تھا۔ ان کے پاس کپڑے کی کمی تھی۔ آج بھی کسی کو ایسی مجبوری پیش آ جائے کہ اس کے یہاں کپڑے کی تنگی ہو تو بغیر کسی کراہت کے بے ستری کی حالت میں بھی اس کی نماز ہو جائے گی، بلکہ کپڑا فراہم نہ ہونے کی صورت میں ننگے بھی نماز ہو جائے گی۔ پتہ نہیں کس وجہ سے آپ نے یہاں "الدین یسر" والا کلیہ نظر انداز کر دیا اور آیت "یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" اور حدیث "یسرا ولا تعسرا بشرا ولا تنفرا" کا سبق بھول گئے یا یہ کہ آپ کی نظر میں اسلام کی ساری آسانیاں عورت کے ساتھ ہی مخصوص ہیں اور آپ اہل یورپ کی طرح جنس لطیف کے تئیں کافی ہمدردانہ جذبات اپنے دل میں رکھتے ہیں، جیسا کہ آپ نے اسی قسم کے جذبات کا یک جگہ اظہار بھی کیا ہے۔ لہذا دین کی آسانی آپ کو صرف وہیں نظر آئی۔ یہاں نہیں نظر آئی اور جہاں تک حدیث کے موقوف ہونے کی بات آپ نے کہی ہے تو حدیث کا مکمل نص لے کر مصطلح الحدیث کے کسی طالب علم کے پاس جایئے وہ آپ کو بڑی آسانی کے ساتھ سمجھا دے گا کہ یہ حدیث موقوف ہے یا مرفوع؟

موصوف غازی پوری کا خانہ ساز حکم

قائین کرام! آیئے ذرا نفس مسئلہ پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت کے دیگر بے شمار مسائل کی طرح اس مسئلے میں بھی ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ جس طرح متعدد ائمہ کرام نے نابالغ لڑکے کی امامت کو ناجائز قرار دیا ہے اسی طرح متعدد ائمہ کرام نے حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے پیش نظر ہوشیار قرآن پڑھنے والے لڑکے کی امامت کو جائز قرار دیا ہے۔ چونکہ اہل حدیث نے اس مسلک کو اختیار کرلیا وہ بھی دلیل کی روشنی میں، لہٰذا موصوف غازی پوری کی نظر میں یہ مسلک مبغوض ہوگیا، خواہ اس کو کسی نے بھی اختیار کیا ہو۔ موصوف ایک سے زائد بار لکھتے ہیں کہ غیر مقلدوں کا یہ مذہب جمہور امت کے خلاف ہے۔ گویا جمہور امت ان کی جیبوں میں بستے ہیں جس مسئلہ کو چاہا جمہور امت کے موافق اور جس کو چاہا جمہور امت کے خلاف لکھ مارا۔ بلکہ ایک جگہ پوری جرأت کے ساتھ اس کو مذہب شاذ قرار دیا ہے (۱) اور عجیب وغریب بات یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بار بار حوالہ دیا ہے۔ گویا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید سے دست بردار ہوکر امام احمد رحمہ اللہ کے مقلد ہوگئے ہیں۔ اور جس جرأت کے ساتھ اس مذہب کو جمہور امت کے خلاف اور قول شاذ قرار دیا ہے لگتا ہے علامہ نووی، حافظ ابن حجر بلکہ علامہ طحاوی (رحمہم اللہ) کے ہم عصر اور ہم پلہ ہیں۔ جس مصدر کا انہوں نے بار بار حوالہ دیا ہے، اس میں اس بات کی جانب اشارہ تک نہیں کیا گیا ہے کہ یہ قول شاذ اور جمہور امت کے خلاف ہے بلکہ اسے حضرت حسن بصری، امام شافعی، امام اسحٰق اور امام ابن المنذر (رحمہم اللہ) کی جانب منسوب کیا گیا ہے (۲)

ایک طرف یہ لوگ ائمہ اربعہ کے برحق ہونے کا ڈنکا بجاتے ہیں دوسری طرف ان کے اختیار کردہ قول کو شاذ، جمہور امت کے خلاف قرار دیتے ہوئے طعن وتشنیع سے بھی کام

---

(۱) مسائل غیر مقلدین (ص: ۱۷۹، ۱۸۱)

(۲) المغنی لابن قدامہ (۳/ ۷۰ تحقیق ڈاکٹر ترکی و عبدالفتاح حلو)

لیتے ہیں۔ پتہ نہیں اس دوہری پالیسی کی کیا وجہ ہے؟ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اہل حدیثوں کے اختیار کر لینے کی وجہ سے وہ مسئلہ ان کی نظر میں مبغوض ہو جاتا ہے، اور ہر طرح سے قابل طعن و تشنیع ہو جاتا ہے خواہ اسے کسی نے اختیار کیا ہو، ورنہ کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ ایسے قول کے اختیار کرنے پر اہل حدیثوں کی نیش زنی کی جائے اور اس پر اپنی جانب سے مختلف حکم عاید کئے جائیں جس کو ائمہ اربعہ میں سے بعض نے اختیار کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ حدیث ہوشیار لڑکے کی فرض نماز میں امامت کے سلسلے میں شافعیوں کے لئے حجت و دلیل ہے، اور یہ ایک مشہور اختلافی مسئلہ ہے۔ ان لوگوں نے انصاف سے کام نہیں لیا جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے قبیلے کے لوگوں نے اپنے اجتہاد سے ان کو امام بنالیا تھا، رسول اکرم ﷺ کو اس امر کی اطلاع نہیں تھی۔ اس لئے کہ یہ عدم ثبوت کی شہادت ہے (جب کہ عدم ذکر سے عدم ثبوت نہیں لازم آتا ہے) اور اس لئے کہ نزول وحی کے زمانے میں کسی ناجائز امر کو باقی نہیں رکھا جا سکتا ہے۔ (۱)

یہی بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دوسری جگہ بھی مزید تفصیل کے ساتھ لکھی ہے، اور حدیث پر کئے گئے مختلف اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے (۲) اس مسلک کو جمہور امت کے خلاف کہنے والے اور اس پر شذوذ کا خانہ ساز حکم عاید کرنے والے فقیہ دوراں مولوی ابو بکر غازی پوری کو تعصب کی عینک ہٹا کر پہلے اس کا مطالعہ کرنا چاہئے اس کے بعد شذوذ اور جمہور امت کی مخالفت کا تیر داغنا چاہئے۔ اگر موصوف غازی پوری محض اس بناء پر اہل حدیثوں کے اختیار کردہ اس مسلک کو شاذ یا جمہور امت کے خلاف بتلا رہے ہیں اور نہایت مکروہ انداز سے ان پر تیر و تفنگ چلا رہے ہیں کہ ائمہ اربعہ میں سے تین ائمہ کرام امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے اس کے برخلاف ہوشیار بچے کی امام کو نادرست

---

(۱) فتح الباری (۲۳/۸)

(۲) فتح الباری (۱۸۵/۲)

قرار دیا ہے، تو اس طرح ایک نہیں دو نہیں بلکہ پچاسوں مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو بقیہ تینوں ائمہ کرام سے الگ تھلگ دکھلایا جا سکتا ہے۔ کیا موصوف غازی پوری اپنے اندر اس بات کی جرأت و ہمت پاتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تنہا اختیار کردہ مسائل کو جمہور امت کے مخالف اور شاذ قرار دے سکیں؟ یقین جازم ہے کہ وہ ہرگز ہرگز ایسا کرنے کی ادنیٰ ہمت بھی اپنے اندر نہیں پائیں گے۔ لہذا انہیں اس طرح کا جابرانہ و جائرانہ حکم لگانے سے باز آ جانا چاہیئے۔ اس طرح کے رویہ سے ان کی عاقبت بننے کے بجائے بگڑ سکتی ہے یا یہ کہ انہیں اپنی عاقبت کے خراب نہ ہونے کا یقین کامل ہو۔ کیونکہ تمام احناف کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے مغفرت کا پروانہ مل چکا ہے، جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے لہذا انہیں اپنی عاقبت کے خراب ہونے کا کوئی غم نہیں ہے۔

مولانا غازی پوری کی امانت داری (؟) کا اچھوتا نمونہ

مولانا غازی پوری (دامت برکاتہم) عبارتوں کے نقل کرنے میں کتنے امانت دار واقع ہوئے ہیں اس کا علم قارئین کرام کو ہو گیا ہوگا۔ لگتا ہے کہ عبارتوں میں خرد برد کیے بغیر ان کو تسلی ہی نہیں ہوتی۔ لکھتے ہیں:

فتاوی نذیریہ میں ہے خاص کرنا بالغ لڑکے کو امام بنانا خواہ فرض ہوں یا نفل جیسے تراویح درست ہے، کیونکہ احادیث صحیحہ میں آ گیا ہے کہ عمرو بن سلمہ جو سات برس کے تھے اور امامت کرتے تھے (۱)

سابقہ سطور میں متعلقہ مسئلہ کی مکمل عبارت نقل کی جا چکی ہے، قارئین کرام سے گزارش ہے کہ ان کے درمیان موازنہ کر کے بیچ سے حذف کی گئی عبارتوں پر غور کریں اور دیکھیں کہ حذف کی گئی یہ عبارتیں مسئلہ کی وضاحت میں کتنی اہمیت کی حامل ہیں۔ اور اسی عمل کے ذریعہ مولانا امانت دار صاحب کو تین چار صفحات سیاہ کرنے، صحابی رسول اور حدیث رسول سے مخول کرنے کا موقعہ بھی ہاتھ آ گیا۔

---

(۱) مسائل غیر مقلدین ۹۷

اول: انہوں نے اصل مجیب مولانا محمد یسین عظیم آبادی کی مکمل عبارت حذف کردی جس میں اس بات کی وضاحت تھی کہ ہوشیار اور قرآن پڑھے ہوئے لڑکے کی امامت صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

دوم: ابوداؤد کے حوالہ سے ذکر کی گئی حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی مکمل حدیث حذف کردی۔

سوم: مولانا ابو محمد عبدالوہاب پنجابی کے تعاقبی نوٹ سے جو عبارت لی گئی ہے اس کا شروع حصہ ''جواب ہر دو مسئلہ کا بہت صحیح ہے اور خلاف اس کا قبیح اور غیر قابل اعتبار''۔ درمیان سے ''صحابی صغیر'' اور اخیر سے ''اور قرآن شریف خوب جانتے تھے۔ کذافی البخاری وغیرہ من کتب الحدیث'' کو حذف کردیا۔

ان تمام تصرفات کو اس لئے روا رکھا گیا کہ عوام کی آنکھوں میں بآسانی دھول جھونک کر من مانے طریقے سے گفتگو کی جاسکے۔ اس لئے کہ جو صحابی سات برس کا ہو اور قرآن شریف خوب جانتا ہو اس کی صراحت کرتے ہوئے اگر موصوف غازی پوری من مانے طریقے سے لب کشائی کرتے تو شاید خود ان کی عوام بھی اسے برداشت نہ کرتی۔

بہر حال عبارتوں میں خرد برد اور خیانتوں کے ذریعہ ان کو اپنے من موافق معنی پہنانا غازی پوری صاحب کا ایک وطیرہ بن چکا ہے چنانچہ اپنی بیشتر کتابوں میں انہوں نے یہی طریقہ اپنا رکھا ہے۔ اللہ تعالی ہی ان کے اس عمل پر ان کا حسیب ہوگا۔

ہم اپنے لئے اللہ تعالی سے یہی دعا کرتے ہیں کہ ہمیں وہ ہر طرح کی کجی سے محفوظ و مامون رکھے اور ہمارے دلوں میں سلف صالح جن میں صحابہ کرام اور تابعین عظام سرفہرست ہیں کی سچی محبت پیدا کردے، اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

جامعہ بیت العتیق (رجسٹرڈ)

کتاب نمبر ☼☼☼